سیف اللہ المسلول معین الحق مولانا شاہ فضل رسول عثمانی بدایونی کی بارگاہ میں
۳۱۳ اشعار پر مشتمل خراجِ عقیدت و محبت

قصیدتانِ رائعتان

از: اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری فاضلِ بریلوی

ترتیب و تقدیم
اسید الحق قادری بدایونی

ترجمہ و تشریح
عاصم اقبال مجیدی بدایونی

قصیدتان رائعتان

یعنی

قصیدہ مدایح فضل الرسول

و

قصیدہ حماید فضل الرسول

درشان

سیف اللہ المسلول معین الحق مولانا شاہ فضل رسول عثمانی بدایونی

از

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری فاضل بریلوی

ترتیب و تقدیم	ترجمہ وتشریح
اسید الحق قادری بدایونی	عاصم اقبال مجیدی بدایونی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

سلسلۂ مطبوعات (102)

کتاب: قصیدتان رائعتان
مؤلف: اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی
ترجمہ: عاصم اقبال مجیدی بدایونی
طبع اول: ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ/ اکتوبر ۲۰۱۳ء

Publisher
TAJUL FUHOOL ACADEMY
(A Unit of Qadri Majeedi Trust)
Madrsa Alia Qadria, Maulvi Mohalla, Budaun-243601 (U.P.) India
Mob.: +91-9897503199, +91-9358563720
E-Mail: qadrimajeeditrust@gmail.com, Website: www.qadri.in

Distributor
Maktaba Jam-e-Noor
422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6
Phone : 011-23281418
Mob. : 0091-9313783691

Distributor
New Khwaja Book Depot.
Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi-6
Mob. : 0091-9313086318

انتساب

مادر علمی

مدرسہ عالیہ قادریہ

بدایوں شریف

کے نام

جس کے فیضان علمی نے

مجھے ان قصائد پر تحقیقی کام کرنے کے لائق بنایا

أهديكِ غير مكافٍ منكِ واحدة
من الأيادي التي لم يعفها القدم

عاصم اقبال مجیدی

عرض ناشر

تاج الفحول اکیڈمی خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کا ایک ذیلی ادارہ ہے، جو تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف) کی سرپرستی اور صاحبزادۂ گرامی مولانا اسید الحق قادری بدایونی (ولی عہد خانقاہ قادریہ، بدایوں) کی نگرانی اور قیادت میں عزم محکم اور عمل پیہم کے ساتھ تحقیق، تصنیف، ترجمہ اور نشرواشاعت کے میدان میں سرگرم عمل ہے۔ اکیڈمی کے زیراہتمام اب تک عربی، فارسی، اردو، ہندی، انگلش، گجراتی اور مراٹھی زبانوں میں تقریباً ۱۰۰ر کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں اور نشرواشاعت کا یہ سلسلہ جاری ہے۔

تاج الفحول اکیڈمی کے منصوبے میں ابتدا ہی سے یہ بات شامل تھی کہ خانوادۂ قادریہ بدایوں شریف اور خانوادۂ قادریہ سے وابستہ علما و مشائخ کی عظیم شخصیات، ان کے علوم و معارف اور ان کی حیات و خدمات سے موجودہ نسل کو روشناس کروایا جائے۔ بفضلہٖ تعالیٰ اکیڈمی نے اس سمت میں بھی کامیاب کوششیں کی ہیں، اس سلسلے میں اِن اکابر کی نایاب تصانیف اور ان کی سیرت وسوانح پر لکھی جانے والی قدیم وجدید کئی اہم اور قیمتی کتابیں اکیڈمی شائع کر چکی ہے۔

زیر نظر کتاب بھی اسی 'سلسلہ اسلاف شناسی' کی ایک کڑی ہے۔ یہ قصائد آج سے ۱۳۴ر برس پہلے نظم کیے گئے تھے اور آج مدرسہ قادریہ کے ایک ہونہار فرزند کی محنت اور کاوش کے نتیجے میں پہلی بار ان کا ترجمہ اور تشریح منظر عام پر آرہی ہے۔

رب قدیر و مقتدر سے دعا ہے کہ اکیڈمی کی خدمات قبول فرمائے، ہمیں زیادہ سے زیادہ دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے اشاعتی منصوبوں کی تکمیل میں آسانیاں پیدا فرمائے۔

محمد عبدالقیوم قادری
جنرل سیکریٹری تاج الفحول اکیڈمی
خادم خانقاہ قادریہ بدایوں

فہرست مشمولات

عنوان **صفحہ**

تقریظ: امین ملت حضرت سید شاہ امین میاں قادری 7

ابتدائیہ 11

مقدمہ: قصیدتان رائعتان: ایک تحقیقی مطالعہ 15

تمہید و تعارف 15
سنہ تالیف و سبب تالیف 16
قصائد کے تاریخی نام 17
اشعار کی تعداد 18
مخطوطے کا تعارف 18
قصیدتان کی بازیافت اور اشاعت 18
مختلف اشاعتیں اور تحقیقی کام 21`
قصیدۂ نونیہ کا موضوعاتی جائزہ 22
قصیدۂ دالیہ کا موضوعاتی جائزہ 30
ایک غلط فہمی کا ازالہ 32
قصیدتان رائعتان کی مقبولیت 36
قصیدتان رائعتان کے چند اہم پہلو 36
عروضی جائزہ 38
لسانی جائزہ 41
قرآنی اقتباسات 42
حدیثی اشارات 44
امثال و محاورات 46
وجوہ بلاغت 47
اسرار نحویہ و لغویہ 49
شرح و تحقیق از ڈاکٹر رشید عبیدی: ایک تنقیدی جائزہ 52

قصیدہ مدائح فضل الرسول

تشبیب وغزل 103
گریز 118
آغاز مدح سیف اللہ المسلول 124
علوم سیف اللہ المسلول 137
ہجو معاندین سیف اللہ المسلول 149
استغاثہ بارگاہ سیف اللہ المسلول 155
استغاثہ ومدح حضور شاہ عین الحق عبد المجید قادری 162
مدح خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی 168
مدح سیف اللہ المسلول وشاہ عین الحق 172
مدح حضرت تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی 176
ہجو مخالفین تاج الفحول 187
آغاز منقبت حضور غوث اعظم محبوب سبحانی 195
استغاثہ بارگاہ حضور محبوب سبحانی 198
دعا ومناجات بارگاہ قاضی الحاجات 208
دعا برائے والد مکرم وجد محترم 222
حمد وثنا، درود وسلام 227

قصیدہ حماید فضل الرسول

حمد وثنا، درود وسلام 230
یورش اعدا 230
توسل واستغاثہ 232
فتنہ نجد 235
مدح حضرت سیف اللہ المسلول 238
طلب شفاعت از سیف اللہ المسلول 248
سیف اللہ المسلول کے عرس کی شان وشوکت 249
تاریخ عرس 251
درود وسلام واختتام 252

☆☆☆

تقریظ مبارک

امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین میاں قادری

زیب سجادہ خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ شریف

اردو کے ایک بڑے ادیب نے لکھا تھا کہ ''جب کوئی تصنیف منصۂ شہود پر آتی ہے تو گویا ایک چراغ روشن ہوتا ہے''، مَیں اِس میں یہ اضافہ کروں گا کہ یہ چراغ مادی چراغوں کی طرح کبھی بجھتا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ اپنی روشنی سے علمی ذوق رکھنے والوں کی رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ عزیزم مولانا اسید الحق قادری برکاتی بدایونی ایسے چراغ روشن کرنے میں سرگرداں، ماہر اور کامیاب ہیں۔ قصیدتان رائعتان کا ترجمہ، تشریح اور مفصل مقدمہ بھی اسی سلسلے کی ایک روشن کڑی ہے۔

اسید میاں نے فقیر سے بہت ہی معقول اور مدلل حق کے ساتھ اِن قصیدوں پر اظہار خیال کرنے کو لکھا کہ ان قصیدوں کے شاعر اور ممدوح دونوں کا تعلق اور نسبت اُس آستانۂ مبارکہ سے ہے جس کی جاروب کشی کی سعادت الحمدللہ اس فقیر برکاتی کو حاصل ہے۔

۳۱۳/ اشعار پر مشتمل ان قصیدوں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہٗ نے جامع معقول و منقول سیف اللہ المسلول حضرت مولانا شاہ فضل رسول قادری برکاتی بدایونی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں جس عقیدت اور محبت کا اظہار فرمایا ہے اس کا اندازہ تو قارئین ان قصیدوں کو پڑھ کر ہی لگا سکتے ہیں مَیں تو صرف یہ کہوں گا کہ جیسی محبت، عقیدت اور ربط ہمارے ان اکابر کے مابین ہوا کرتا تھا اگر اس کا عشر عشیر بھی ہمیں حاصل ہو جائے تو آج ہماری جماعت کا عالم ہی نرالا ہو۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ تشبیب کے اشعار سے قصیدے کو آگے بڑھاتے ہوئے اس میں بارگاہ رسالت و غوثیت، اپنے مرشد برحق حضور خاتم الاکابر، حضرت شاہ عین الحق عبد المجید قادری

اور حضرت تاج الفحول بدایونی قدس سرہم کی بارگاہ میں ایک سے بڑھ کر ایک شعر پیش کرتے ہوئے حضرت سیف اللہ المسلول کی بارگاہ میں اظہار عقیدت فرماتے ہیں۔ ان کے اوصاف و فضائل و کمالات کے تذکرے کے ساتھ ساتھ خود کی وابستگی اور نسبت کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔ حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی شخصیت سے کون واقف نہیں ہے، لیکن اس قصیدے میں فاضل بریلوی نے ان کی حیات اور سیرت کے حوالے سے ایسی منظر کشی کر کے بہت ہی متاثر کرنے والے حقائق کو اجاگر کیا ہے۔

یوں تو سارے ہی بدایوں پر شمس مارہرہ حضور اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ کا بے پناہ فیضان جاری تھا لیکن حضرت شاہ فضل رسول بدایونی پر اچھے میاں کی خاص نگاہ تھی، حضور شمس مارہرہ کی خاص دعا کی برکت سے آپ اس دنیا میں تشریف لائے، حضور اچھے میاں کے بھتیجے اعلیٰ حضرت کے مرشد بیعت و اجازت حضور خاتم الاکابر حضرت کے معاصرین میں سے تھے۔ شمس مارہرہ نے اپنے حقیقی بھتیجے کا نام ’آل رسول‘ تجویز کیا اور اپنے معنوی فرزند کا نام ’فضل رسول‘ رکھنے کا حکم اپنے ’مولوی صاحب‘ (حضور اچھے میاں سیف اللہ المسلول کے والد ماجد شاہ عین الحق کو ’مولوی صاحب‘ کہہ کر مخاطب فرماتے تھے) کو دیا۔ طب کی تعلیم حاصل کرنے کا حکم فرمایا۔ کچھ عرصہ بعد ایک دن شاہ عین الحق سے فرمایا کہ ”فضل رسول کو بلا لو وہ طبیب حاذق ہو گیا ہے“۔ اسی نگاہ کیمیا اثر کا فیضان تھا کہ سیف اللہ المسلول شہریار علم وحکمت و روحانیت بن کر افق شریعت و معرفت پر چمکتے نظر آئے اور اپنے پیر خانے مارہرہ مطہرہ سے رہتے دم تک غایت درجہ محبت فرماتے رہے۔ اکابر تو اکابر بلکہ جو صاحبزادگانِ مارہرہ مدرسہ قادریہ میں زیر تعلیم ہوتے تھے ان سے نیاز مندی کا ایسا اظہار فرماتے جو آج کے دور میں عنقا ہے۔ میرے پردادا نبیرۂ حضور خاتم الاکابر حضرت سید شاہ حسین حیدر حسینی میاں قدس سرہٗ حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ کے شاگرد تھے، مدرسہ قادریہ بدایوں میں رہ کر تعلیم حاصل کی، مدرسہ قادریہ میں اپنے حجرے میں آرام فرماتے ہوتے تو حضرت سیف اللہ المسلول تشریف لاتے، حسینی میاں کے پاؤں کے انگوٹھوں کو اپنی آنکھوں سے لگاتے، میرے پردادا حضرت کے اس عمل پر عرض کرتے کہ حضور یہ زحمت نہ فرمائیں تو جو جواب شاہ فضل رسول مرحمت فرماتے وہ جواب معرفت کے اصولوں کی جان ہے، فرماتے تھے ”میاں ہم تو آنکھوں کی روشنی بڑھانے کے لیے ایسا کرتے ہیں“۔ یہی عمل وہ ستون

ہیں جن پر طریقت کی عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ انہیں کے صاحبزادے حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ کے اس قول کو پھر دہراتا ہوں جو میں نے اپنے خاندان کے بزرگوں سے بارہا سنا ہے کہ ''میاں مرید وہی ہے جس میں عقیدت باقی رہے''۔

قصیدتان رائعتان کے مصنف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو قصیدے کے ممدوح اور ان کے صاحبزادے حضرت تاج الفحول بدایونی قدس سرہٗ سے جو عقیدت تھی اس کی وجہ ان حضرات کرام کا علم، زہد و تقویٰ، دین متین کی خدمت، تصلب فی الدین، بدمذہبوں کی سرکوبی وغیرہ وغیرہ تو یقیناً تھی لیکن اس میں اہم وجہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کو مارہرہ شریف پہنچانے اور راہ طریقت میں حضور خاتم الاکابر شاہ آل رسول سے برکاتی نسبت دلوانے، سرکار غوث اعظم کے عاشق صادق کو غوث کے دربار تک رسائی کرانے میں اکابر بدایوں نے کلیدی کردار ادا کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو اپنے پیر خانے مارہرہ شریف سے اور اپنے مرشد اور ان کے جانشین سے جو عقیدت و ربط ہے اس کا بیان بہت لمبی تحریر کا متقاضی ہے۔ بس اس ضمن میں یہ لکھنا کافی ہے کہ ان کی اس محبت اور عمیق عقیدت کا ثمرہ ہی 'چشم و چراغ خاندان برکات' کا وہ لقب ہے جو ان کے مرشد کے جانشین نے اعلیٰ حضرت کو عطا فرمایا۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اعلیٰ حضرت نے یہی دو قصیدے نہیں بلکہ حضور تاج الفحول بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں ۱۰۵/اشعار کا اردو قصیدہ ''چراغ انس'' بھی پیش فرمایا جو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حضور تاج الفحول سے بے پناہ الفت، محبت اور عقیدت کا عکاس وغماز ہے۔

قصیدتان رائعتان محض ایک عقیدت کیش کا نذرانۂ محبت ہی نہیں بلکہ عربی شاعری کا ایک ایسا شاہکار ہے جس کو پڑھ کر عربی کے بڑے بڑے اساتذہ فاضل بریلوی کی عربی ادب پر مہارت اور عربی شاعری میں ان کی دسترس کے قائل ہوئے بنا نہیں رہ پائے۔ اسید میاں سلمہٗ نے بڑا اسیر حاصل مقدمہ ان کی شعری اور فنی خصوصیات پر رقم فرمایا ہے۔ مجھے اس وقت بڑی خوشی ہوئی جب میں نے اسید الحق صاحب کے وہ مدلل جواب دیکھے جو انہوں نے اپنے مقدمے میں فاضل بریلوی کے اس قصیدے پر تنقید کرنے والے ایک عراقی ناقد کو دیے ہیں۔

زبان و بیان میں مہارت اور قدرت ذاتی محنت اور مشق و ممارست سے حاصل کی جاسکتی ہے مگر شرافت، تہذیب اور شائستگی اسید میاں کو خاندانی ورثے میں ملی ہے جس کا عکس مجھے ان کی

ہر تحریر میں نظر آتا ہے خواہ تحقیقی ہو یا تنقیدی۔

امید ہے کہ اس قصیدے کی شرح سے عربی ادب کا ذوق رکھنے والوں کے ساتھ ساتھ عقیدت مندوں کا گروہ بھی استفادہ کرے گا۔ فی الوقت یہ قصیدے اہل سنت والجماعت کے بعض معروف مدارس میں عربی ادب کے نصاب میں شامل ہیں، امید ہے کہ ان کی اس اشاعت جدید سے دوسرے مدارس کو بھی انہیں اپنے نصاب میں داخل کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔

تاج الفحول اکیڈمی کو اس نیک اور اچھے کام کے لیے مبارک باد اور عزیزم عاصم اقبال مجیدی کو اس شاندار ترجمے اور تشریح کے لیے بیشمار دعائیں۔ مولانا اسید الحق کو اس بات کی مبارک باد کہ وہ اپنے زیر نگرانی مدرسہ قادریہ کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے لائق اور باصلاحیت طلبہ کی بھرپور تربیت کر رہے ہیں۔

رب تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے اور طفیل اس عمل کو قبول فرمائے۔ آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

دعا گو

سید محمد امین قادری
خادم سجادہ خانقاہ برکاتیہ
مارہرہ مطہرہ

ابتدائیہ

سیف اللہ المسلول معین الحق مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی قدس سرہٗ کے بلند علمی مقام، روحانی عظمت اور وسیع تر علمی و دینی خدمات کی وجہ سے آپ کے معاصر اور متأخر اصحاب علم وفضل نے نظم ونثر دونوں طرح آپ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ زیر نظر قصائد بھی اسی سلسلے کا ایک اہم شاہکار ہے۔ یہ قصائد فقیہ اسلام حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے حضرت سیف اللہ المسلول کی شان میں آج سے ۱۳۴؍ برس قبل بکمال عقیدت ومحبت نظم کیے تھے۔ ان سے حضرت سیف اللہ المسلول کا علمی مقام ومرتبہ، حضرت فاضل بریلوی کی آپ سے گہری محبت وعقیدت اور عربی میں فاضل بریلوی کی شاعرانہ عظمت تینوں پہلو اجاگر ہوتے ہیں اور یہ تینوں پہلو اپنی اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں۔

سنہ ۲۰۰۵ء میں مدرسہ قادریہ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد مَیں نے مدرسے کے نصاب تعلیم میں بعض تبدیلیاں کی تھیں۔ عربی نظم کے نصاب میں بعض دیگر کتابوں کے ساتھ حضرت کعب بن زہیر کا قصیدۂ بانت سعاد، امام بوصیری کا قصیدۂ بردہ اور زیر نظر قصیدتان رائعتان داخل نصاب کیے تھے۔ ان کی تدریسی خدمت بھی میرے حصے میں آئی، بانت سعاد ایک مرتبہ، قصیدۂ بردہ اور قصیدتان رائعتان دو دو مرتبہ پڑھانے کا اتفاق ہوا، اس کے بعد ان کی تدریس دوسرے اساتذہ کے ذمے کردی جو بحسن وخوبی اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

قصیدتان رائعتان کی تدریس کے وقت ہی خیال پیدا ہوا تھا کہ ان کا ترجمہ اور تشریح ہونا چاہیے۔ تین وجوہ کی بنیاد پر ان قصائد کے ترجمہ وتشریح اور ان کی تحقیق واشاعت کو مَیں مدرسہ قادریہ کا حق سمجھتا ہوں۔ پہلی یہ کہ یہ قصائد اکابر مدرسہ حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید قادری، حضرت سیف اللہ المسلول اور حضرت تاج الفحول کی مدح ومنقبت میں نظم کیے گئے ہیں۔

دوسرے یہ کہ مدرسہ قادریہ نے ایک صدی تک اس سرمایہ کی حفاظت کی ہے اوران کو دست برد زمانہ سے محفوظ کیا ہے۔ تیسرے یہ کہ ان قصائد میں بہت سے اشارات، تلمیحات اورتوریات ایسے ہیں جن کی کما حقہ تشریح وتوضیح خادمانِ مدرسہ قادریہ ہی کا حصہ ہے۔ ان وجوہ کی بنیاد پر خیال ہوا کہ ان پر تحقیقی کام مدرسہ قادریہ سے ہی کیا جانا چاہیے۔

اِدھر مدرسہ قادریہ کے علاوہ بھی کئی دیگر مدارس میں یہ قصائد داخل نصاب کیے گئے ہیں، اس لیے بھی ان کے ترجمہ وتشریح کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ لہٰذا میری خواہش پر مدرسہ قادریہ کے ایک فرزند نے اس اہم کام کو اپنے ذمے لیا اور بفضلہٖ المقتدر قابل اطمنان طریقے سے انجام دیا۔ ’قصیدتان رائعتان‘ کا یہ پہلا اردو ترجمہ اور شرح ہے جو زیور طباعت سے آراستہ ہوکر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

عزیز القدر مولانا عاصم اقبال قادری مجیدی نے ان قصائد پر بڑی محنت کی ہے۔ عزیز موصوف کا وطن بدایوں (محلّہ چودھری سرائے) ہے۔ انہوں نے اعدادیہ سے لے کر دورۂ حدیث تک کے تمام تعلیمی مراحل مدرسہ قادریہ ہی میں طے کیے ہیں، ۲۰۱۱ء میں درسیات سے فراغت کے بعد اپنے مادر علمی مدرسہ قادریہ ہی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کو ابتدا سے عربی زبان وادب کا ذوق تھا، اس موضوع پر انہوں نے شروع سے محنت وتوجہ کی ہے جس کے نتیجے میں عربی کی قابل اطمنان استعداد پیدا ہوگئی ہے۔ اس وقت عربی ادب وانشا کی کتابیں زیر درس بھی ہیں اور زیر تدریس بھی۔ مدرسہ قادریہ کو مستقبل میں ان سے بڑی امیدیں ہیں۔ رب قدیر ومقتدر ان کے علم وعمر میں برکتیں عطا فرمائے۔

یہ عزیز موصوف کا پہلا کام نہیں ہے، گذشتہ سال انہوں نے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ’قصیدۂ بانت سعاد‘ پر تحقیقی کام کیا تھا جو راقم الحروف کے تفصیلی مقدمے کے ساتھ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ/ نومبر ۲۰۱۲ء میں شائع ہوچکا ہے۔ اب علم نحو کے ایک اہم گوشے ’توابع‘ (صفت، بدل، عطف، تاکید) پر تحقیقی کام کررہے ہیں جو طلبہ کے لیے بڑا مفید ہوگا، ان کی یہ کتاب ان شاء اللہ جلد ہی شائع ہوکر منظر عام پر آئے گی۔

میری دیرینہ خواہش ہے کہ استاذ مطلق علامہ فضل حق خیرآبادی کے منتخب نعتیہ عربی قصائد اور حضرت مولانا فیض احمد بدایونی کے عربی دیوان الهدية القادرية پر بھی مدرسہ قادریہ سے کام

ہو، پہلے کو میں مدرسہ قادریہ کا حق اور دوسرے کو فرض سمجھتا ہوں۔ مدرسے کے اساتذہ اور بعض طلبہ کے مذاق علمی اور جذبہ تحقیق وتصنیف کو دیکھتے ہوئے امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ خواہش بھی جلد ہی پوری ہوگی۔

کچھ ترجمہ، تشریح اور ترتیب کے بارے میں:

☆ ترجمہ اور تشریح کے وقت المجمع الاسلامی مبارک پور سے شائع شدہ نسخہ مترجم وشارح کے پیش نظر رہا، بوقت ضرورت کتب خانہ قادریہ میں محفوظ اصل مخطوطے سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

☆ مترجم نے نہ محض خشک لفظی ترجمہ کیا ہے نہ خالص سلیس و بامحاورہ ترجمانی، بلکہ درمیانی اسلوب اختیار کیا ہے تاکہ طلبہ کے علاوہ عام اہل ذوق حضرات بھی حظ اٹھا سکیں۔

☆ عربی شاعری میں عموماً محبوب کا ذکر صیغہ تانیث کے ساتھ کیا جاتا ہے، اردو میں عام طور پر مذکر کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ پہلے قصیدے کی تشبیب میں عربی کی شعری روایت کے مطابق محبوب کے لیے مؤنث کا صیغہ ہی استعمال کیا گیا ہے، مگر اردو کی روایت کا خیال کرتے ہوئے اس کا ترجمہ بصیغہ مذکر کیا گیا ہے۔

☆ طلبہ کی سہولت کے پیش نظر ترجمے کے ساتھ 'حل لغات' کے عنوان سے معانی مفردات بھی درج کر دیے گئے ہیں، لیکن اس میں اختصار وایجاز کو ملحوظ رکھا گیا ہے، نیز جو الفاظ بالکل عام فہم ہیں ان کی وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

☆ بین السطور اور حاشیے میں مصنف علام نے کہیں فارسی کہیں عربی میں مفردات کی تشریح وتوضیح کی خاطر بہت سے لطیف اشارات فرمائے ہیں، اشعار کی تشریح کے وقت ان اشارات سے مکمل استفادہ کیا گیا ہے اور زیادہ تر مقامات پر ان کو تشریح کے ضمن میں یا حل لغات کے ذیل میں درج کر دیا گیا ہے۔ حل لغات کے ذیل میں جہاں مصنف کے بیان کردہ معانی درج کیے گئے ہیں وہاں ان کو ایک مخصوص بریکٹ [......] میں رکھا گیا ہے تاکہ امتیاز قائم رہے۔

☆ راقم الحروف نے اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کے احساس واعتراف کے ساتھ کتاب پر تفصیلی مقدمہ قلم بند کیا ہے، جس میں قصائد کے اکثر ضروری گوشوں پر گفتگو کی کوشش کی گئی ہے۔ مقدمے کا زیادہ حصہ علامہ ڈاکٹر رشید عبیدی کی شرح وتحقیق کے تنقیدی جائزے کی نذر ہو گیا ہے۔ یہ اس لیے ضروری تھا کہ مذکورہ شرح وتحقیق زیر نظر قصائد کی اولین شرح وتحقیق ہے، اس میں جو

تسامحات راہ پاگئے ہیں ان کی نشاندھی ضروری تھی ورنہ آگے چل کر یہی تسامحات قصائد کی شرح و تفہیم کی بنیاد بن جاتے۔

منت شناسی:

ان قصائد کے ممدوح حضرت سیف اللہ المسلول اور ان کے شاعر و ناظم حضرت فاضل بریلوی دونوں حضرات کی بیعت وارادت اور عقیدت ومحبت کا سلسلہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے ملتا ہے، اس لیے ان قصائد پر تقریظ لکھنے کے لیے سب سے موزوں شخصیت صاحب سجادہ خانقاہ برکاتیہ کی ہے۔ مَیں امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی مدظلہ (صاحب سجادہ خانقاہ عالیہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ) کا بیحد ممنون ہوں کہ حضرت نے میری درخواست کو شرف قبول بخشا، مسودہ ملاحظہ فرمایا اور اپنی گراں قدر تقریظ سے نواز کر اس کو مستند بنادیا۔

محبّ گرامی قدر مولانا جلال رضا ازہری (مقیم قاہرہ) میرے ان مخلص احباب میں سے ہیں جن سے مَیں علمی معاملات میں مشورہ واستفادہ کرتا ہوں اور ان کی رائے کی قدر کرتا ہوں۔ میری خواہش پر انہوں نے اس کتاب کے مسودے کا تنقیدی مطالعہ کیا اور مفید مشوروں سے نوازا، اس بے لوث اور مخلصانہ علمی تعاون کے لیے مَیں ان کا احسان مند ہوں۔ رب مقتدر جزائے خیر عطا فرمائے۔

کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اہل علم اور اصحاب نظر بزرگوں سے گزارش ہے کہ اگر ترجمہ وتشریح یا مقدمے میں کہیں کوئی فروگذاشت پائیں تو مترجم وناشر کو مطلع فرما کر مخلصانہ علمی تعاون فرمائیں۔

رب قدیر ومقتدر اس کاوش کو قبول فرمائے، مترجم کے علم واقبال میں اضافہ فرمائے اور ان کو مزید علمی اور تحقیقی کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔

اسید الحق قادری
خانقاہ عالیہ قادریہ، بدایوں

۱۴ر ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
۲۱ر ستمبر ۲۰۱۳ء

☆☆☆

مقدمہ

قصیدتان رائعتان: ایک تحقیقی مطالعہ

مولانا اسید الحق قادری

تمہید و تعارف:

سیف اللہ المسلول معین الحق جدنا و مولانا شاہ فضل رسول قادری عثمانی بدایونی (ولادت: ۱۲۱۳ھ/ ۱۷۹۸ء- وفات: ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء) برصغیر ہند و پاک کے جید عالم دین، متکلم، اصولی، مناظر، مصنف، خدارسیدہ بزرگ اور اپنے زمانے میں اہل سنت و جماعت کے مقتدا و پیشوا کی حیثیت سے مشہور و معروف ہیں۔

تیرہویں صدی کے ارباب فضل و کمال کے درمیان حضرت سیف اللہ المسلول کی ذات جامعیت کے اعتبار سے ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ بیک وقت معقول و منقول میں مہارت، علوم ظاہر و باطن کی جامعیت، تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور تربیت و تزکیہ ہر مسند پر آپ کی شخصیت ایک امتیازی اور نمایاں شان میں نظر آتی ہے۔

آپ کی دینی اور علمی خدمات کی متعدد جہتیں ہیں جن میں ایک اہم گوشہ بدعقیدگی، فکری انحراف، اور اہانتِ انبیا و اولیا کی تحریک کے خلاف آپ کے جہاد بالقلم سے عبارت ہے۔ تیرہویں صدی کے وسط میں جب شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے مخصوص عقائد و نظریات کو ہندوستان میں درآمد کیا گیا تو اس کے خلاف جہاد بالقلم کرنے والوں میں ایک اہم کردار حضرت سیف اللہ المسلول نے ادا کیا اور اسلامیان ہند کے عقائد و مسلک کے تحفظ کے لیے تصنیف و تالیف کا ایک ایسا سلسلہ قائم فرمایا جس کے ذریعے حق و باطل کے درمیان خط امتیاز نمایاں ہو گیا۔

آپ کی شخصیت کی یہی جامعیت، علمی خدمات اور بالخصوص احقاق حق و ابطال باطل کے یہی کارنامے ہیں جنہوں نے اہل علم و معرفت کو متاثر کیا، جس کے نتیجے میں معاصرین نے کھلے

دل سے آپ کی خدمات کا اعتراف کیا اور متاخرین نے آپ کی ذات اور خدمات کو اپنا موضوع تحقیق بنایا، آپ کی شان میں قصائد نظم کیے، آپ کی کتابوں پر حاشیے لکھے، آپ کی تحقیقات کو بطور حوالہ پیش کیا اور آپ کو اپنا مقتدا و پیشوا تسلیم کیا۔

زیر نظر قصائد بھی اسی اعتراف خدمات اور خراج عقیدت و محبت کی ایک نہایت عمدہ اور مضبوط کڑی ہیں۔ قصائد کے شاعر و ناظم فقیہ اسلام حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا نام کسی تعارف یا تعریف کا محتاج نہیں۔ آپ کی شخصیت، علمی مقام اور دینی خدمات کا ایک زمانہ معترف تھا اور آج بھی ہے۔ چونکہ ابتدا ہی سے آپ نے بدمذہبیت اور فکری انحراف کے ردو ابطال کو اپنا خصوصی موضوع قرار دیا تھا لہٰذا آپ سے پہلے جو حضرات اس میدان کے شہسوار رہ چکے تھے ان سے متأثر ہونا ایک فطری امر تھا۔ آپ نے حضرت سیف اللہ المسلول کی تصانیف کا مطالعہ کیا، ان کے تلامذہ و خلفا کی شکل میں ان کی تدریسی اور تربیتی خدمات کا مشاہدہ کیا، ان کی دعوتی اور اصلاحی مساعی کے اثرات کو دیکھا، ان کے روحانی مقام و مرتبے کے بارے میں سنا، ان کے عشق رسول اور نسبت قادریت و برکاتیت کے جلوے دیکھے۔ ان تمام باتوں نے حضرت فاضل بریلوی کو حضرت سیف اللہ المسلول کی شخصیت سے متأثر کیا، دل میں عقیدت و محبت، قدر شناسی و قدر دانی کی شمع روشن ہوئی۔ جب ان جذبات و احساسات کی خوشبو قلب کی عمیق گہرائیوں سے نکل کر باہر کی دنیا میں پھیلی تو اس نے اِن دو فصیح و بلیغ قصیدوں کی شکل اختیار کر لی۔

سنہ تالیف وسبب تالیف:

حضرت سیف اللہ المسلول کے وصال (۱۲۸۹ھ) کے بعد سے ۱۳۱۹ھ تک آپ کا عرس ہر سال یکم جمادی الاخریٰ سے ۷؍ جمادی الاخریٰ تک منعقد ہوا کرتا تھا (اب یہ عرس ۲؍۳؍ جمادی الاخریٰ کو دو روزہ ہوتا ہے) جس میں ہندوستان کے مشاہیر علما و مشائخ تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔ اُس وقت حضرت تاج الفحول خانقاہ کے صاحب سجادہ تھے اور حضرت مولانا انوار الحق عثمانی بدایونی (وفات: ۱۳۰۴ھ) عرس قادری کے مہتمم و ناظم ہوا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد اہتمام و نظامت کا یہ منصب حکیم عبد القیوم شہید قادری بدایونی (وفات: ۱۳۱۸ھ) کو تفویض ہوا۔

ان اعراس میں حضرت فاضل بریلوی کی بھی شرکت ہوا کرتی تھی، عرس منعقدہ ۱۳۰۰ھ میں حضرت فاضل بریلوی شریک تھے، آپ نے عرس کی محفل میں دو عربی قصیدے حضرت سیف

اللہ المسلول کی منقبت میں پیش کیے۔ ان میں پہلا قصیدہ نونیہ ہے اور دوسرا قصیدہ دالیہ۔

پہلے طریقہ یہ تھا کہ عرس میں جو تازہ نعت ومناقب پیش کی جاتی تھیں وہ ایک مجموعے میں عرس کی مختصر روداد کے ساتھ شائع کردی جاتی تھیں۔ سنہ ۱۳۰۰ھ کے عرس کی روداد 'ماہ تابان اوج معرفت' کے تاریخی نام سے شائع ہوئی تھی، اس میں قصیدۂ دالیہ کو مندرجہ ذیل عنوان کے تحت شائع کیا گیا:

قصیدہ فریدہ عربیہ بہیہ

نتیجہ طبع وقاد و ذہن نقاد جناب مستطاب جامع الکمال قامع بنیان اہل ضلال
حامی مراسم دین متین مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی بریلوی
دامت برکاتہم ☆

قصیدۂ نونیہ غالباً طوالت کے باعث اس مجموعے میں شائع نہیں کیا گیا۔

قصائد کے تاریخی نام:

قصیدۂ نونیہ کا نام 'مدائح فضل الرسول' اور دالیہ کا نام 'حماید فضل الرسول' ہے۔ یہ دونوں تاریخی نام ہیں جن سے ان کا سنہ نظم ۱۳۰۰ھ برآمد ہو رہا ہے۔

ایک صاحبِ قلم نے قصیدۂ نونیہ کا نام 'حمائد فضل رسول' اور دالیہ کا 'مدائح فضل رسول' لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ملک العلما مولانا ظفرالدین بہاری نے 'المجمل المعدد' میں ان دونوں قصائد کا ذکر کیا ہے، 'حماید فضل الرسول' کے آگے 'مطبوعہ' لکھا ہے اور 'مدائح فضل الرسول' کو 'مبیضہ' لکھا ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ اُس وقت (المجمل المعدد کی تالیف) تک ان دونوں میں صرف دالیہ ہی 'ماہ تابان اوج معرفت' میں شائع ہوا تھا، نونیہ اُس وقت تک غیر مطبوعہ تھا۔ لہٰذا یہ متعین ہوگیا کہ نونیہ 'مدائح فضل الرسول' ہے اور دالیہ 'حماید فضل الرسول' ہے۔

فاضل بریلوی کے عربی دیوان 'بساتین الغفران' کے جامع ومرتب ڈاکٹر حازم محفوظ سمیت بہت سے اہل علم وتحقیق نے قصیدوں کا نام 'حمائد فضل رسول' اور 'مدائح فضل رسول' لکھا ہے یہ بھی درست نہیں ہے، کیوں کہ موجودہ حالت میں ان سے ۱۲۵۹ عدد برآمد ہو رہے ہیں حالانکہ

☆ ماہِ تابانِ اوجِ معرفت: مرتبہ محمد اعظم علی قادری بدایونی، ص ۶، مطبوعہ میرٹھ، ۱۳۰۰ھ

۱۳۰۰ برآمد ہونا چاہیے۔ دراصل حمائد اور مدائح کو یا سے حمایداور مدایح اور رسول کو الف لام کے ساتھ الرسول لکھا جائے تو بلا تکلف ۱۳۰۰ برآمد ہوگا اور یہی مطلوب ہے۔

اشعار کی تعداد:

ان قصائد میں پہلا قصیدہ نون کی روی پر بحر کامل میں ہے، اس کے اشعار کی تعداد ۲۴۳؍ ہے۔ دوسرا قصیدہ دالیہ بحر کامل مجزو میں ہے، جس میں ۷۰؍ اشعار ہیں۔ دونوں کے اشعار کی مجموعی تعداد ۳۱۳؍ ہوتی ہے۔ حضرت فاضل بریلوی نے مقدمے میں لکھا ہے کہ اشعار کی یہ تعداد اصحاب بدر کی تعداد کی مناسبت سے رکھی گئی ہے۔

مخطوطے کا تعارف:

یہ قصائد حضرت فاضل بریلوی اپنے ہاتھ سے نہایت عمدہ خوش خط نقل کر کے لائے تھے، عرس کی محفل میں پڑھنے کے بعد آپ نے یہ قصائد حضرت تاج الفحول کی خدمت میں پیش کر دیے۔ حضرت تاج الفحول نے قصیدوں کا یہ اصل نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں محفوظ کر دیا۔ جس نے ایک صدی سے زیادہ عرصے تک اس در نایاب کی حفاظت کی۔ ۱۹۸۹ء میں المجمع الاسلامی مبارکپور کی اشاعت سے قبل تک ۲۴۳؍ اشعار پر مشتمل قصیدۂ نونیہ کا روئے زمین پر یہ واحد نسخہ تھا، اگر یہ تلف ہو جاتا یا دست برد زمانہ کا شکار ہو جاتا تو علمی دنیا ایک اعلیٰ فن پارے سے محروم ہو جاتی۔

یہ اصل نسخہ آج بھی صحیح حالت میں کتب خانہ قادریہ بدایوں کے ذخیرۂ مخطوطات کی زینت ہے۔ یہ نسخہ ہمارے پیش نظر ہے جو متوسط سائز کے ۱۴؍ اوراق پر مشتمل ہے، بین السطور میں خود مصنف کی جانب سے مشکل الفاظ کے معانی اور جگہ جگہ حاشیے میں اہم اشارات موجود ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ یہ مخطوطہ خود جنابِ مصنف کے ہاتھ کا نقل کردہ ہے لیکن دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ فن کتابت کے رمز شناس کسی ماہر و مشاق کاتب نے بہت فرصت و اطمنان سے ان کو نقل کیا ہے۔ اس سے حضرت فاضل بریلوی کی شخصی جامعیت کی ایک نئی جہت سامنے آتی ہے۔

قصیدتان کی بازیافت اور اشاعت:

پیچھے عرض کیا گیا کہ ان دونوں قصائد میں سے پہلا قصیدہ (نونیہ) اپنی تصنیف کے ایک صدی بعد تک تشنہ طباعت رہا۔ دوسرا قصیدہ (دالیہ) اُس زمانے میں عرس کی روداد 'ماہ تابانِ اوج

معرفت' میں شائع ضرور ہو گیا مگر اول تو اس کی اشاعت بہت مخصوص اور محدود تھی اور پھر اس پر بھی ایک صدی گزر چکی تھی۔ اس قصیدۂ دالیہ کے کچھ شعر فاضل بریلوی نے اپنے رسالے 'رحب الساحۃ' ☆ میں نقل کیے ہیں، وہیں سے مولانا محبوب علی خاں لکھنوی نے اپنی مرتبہ 'حدائق بخشش حصہ سوم' میں شامل کر لیے۔ یہ ۱۷/ اشعار ہیں، ان میں ۲/ شعر ایسے ہیں جو مخطوطے میں شامل نہیں ہیں:

وأدم صـــلاتك والســـلا   م عـلى الحبيب الأجود
واجـعـل بها احمد رضا   عبـداً بِـحـرز السيـد

اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ باوجودے کہ مولانا محبوب علی خاں نے فاضل بریلوی کا منتشر عربی، فارسی، اردو کلام جمع کرنے میں انتہائی محنت اور تتبع و تلاش سے کام لیا لیکن 'ماہ تابان اوج معرفت' یا قصیدوں کے مخطوطے کا ان کو بھی علم نہیں ہو سکا ورنہ وہ بجائے ۱۷/ اشعار کے پورا قصیدہ ہی نقل کر دیتے۔ ۳۱۳/ اشعار میں سے صرف یہی ۱۷/ اشعار تھے جو 'رحب الساحۃ' یا حصہ سوم کے ذریعے لوگوں کے علم میں آئے۔

۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۸ء تک گنتی کے چند افراد کے علاوہ عام اہل علم تو کجا رضویات کے ماہرین بھی ان قصیدوں کے موجود و محفوظ ہونے سے مکمل طور پر لاعلم تھے۔ صفر ۱۴۰۹ھ/ ستمبر ۱۹۸۸ء میں گرامی قدر حضرت مولانا محمد احمد مصباحی (صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور) مدرسہ قادریہ بدایوں تشریف لائے، دوران گفتگو حضرت الشیخ عبدالحمید محمد سالم قادری مدظلہ (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ، بدایوں) نے ان قصائد کا تذکرہ کیا اور ان کے نایاب مخطوطے کی زیارت کروائی۔ مصباحی صاحب نے اِس نایاب مخطوطے کے عکس کی خواہش ظاہر کی، حضرت صاحب سجادہ مدظلہ نے علم دوستی، معارف پروری، مثبت فکر اور اپنی اعلیٰ ظرفی و کشادہ قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغیر کسی پس و پیش کے اس مخطوطے کا عکس مصباحی صاحب کو عنایت فرما دیا۔

حضرت مصباحی صاحب نے چند ماہ بعد جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ/ جنوری ۱۹۸۹ء میں اس نایاب مخطوطے کا عکس 'قصیدتان رائعتان' کے نام سے المجمع الاسلامی مبارک پور سے شائع کر دیا۔ اس اشاعت کے پیش لفظ میں مصباحی صاحب نے اس حقیقت کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے:

☆ مشمولہ فتاویٰ رضویہ (جدید): جلد دوم/ ص ۴۲۲، پور بندر، ۲۰۰۳ء۔

وكانتا بخط العلامة البريلوي عندالشيخ عبدالحميد سالم القادري حفيد تاج الفحول الشيخ عبدالقادر بن العلامة فضل رسول البدايوني قدست أسرارهم فشرفني بزيارتهما حين اجتمعت به في ۵/ من صفر ١٤٠٩ ھ بدارالعلوم القادرية ببدايون الشريفة مع الأستاذ الأكبرالخواجة مظفر حسين الرضوي وسألته أن يمنحني صورتهما العكسية فأجابني على طلبي بدون ضن ومطل ، وقد رأيت كثيرا من أهل الفضل والمثالة يضنون بما عندهم من تراث الأعلام الماضين وتشتاق اليه نفوس الجيل الحاضرفلا ينشرونه بأنفسهم ولا يمكنون أحدا من المحبين أن ينشره هكذاتضيع النفائس ۔☆

ترجمہ: یہ دونوں قصیدے علامہ بریلوی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے شیخ عبدالحمید سالم القادری (نبیرۂ تاج الفحول شیخ عبدالقادر بن علامہ فضل رسول قدست اسرارہم) کے پاس تھے، ۵/صفر ۱۴۰۹ھ کو دارالعلوم قادریہ بدایوں شریف میں حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب کے ساتھ جب مَیں نے ان سے ملاقات کی تو آپ نے دونوں قصیدوں کی زیارت کا شرف بخشا۔ مَیں نے حضرت سے گزارش کی کہ مجھے ان کا عکس عنایت فرمائیں۔ آپ نے بغیر کسی بخل اور پس وپیش کے میری درخواست منظور کی۔ اہل فضل میں سے مَیں نے بہت لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان کے پاس گذشتہ اکابر کا علمی خزانہ موجود ہوتا ہے جس کے لیے موجودہ نسل بڑی مشتاق ہوتی ہے مگر وہ (اصحاب فضل) اس سلسلے میں بڑے بخل سے کام لیتے ہیں، نہ خود ان کی اشاعت کرتے ہیں اور نہ ہی محبین (علم) میں سے کسی دوسرے کو موقع دیتے ہیں کہ وہ ان کو شائع کرے اس طرح عمدہ (نایاب) چیزیں ضائع ہوجاتی ہیں۔

المجمع الاسلامی مبارک پور کی یہ اشاعت ۴۰/صفحات پر مشتمل ہے، ایک صفحے میں حضرت مولانا محمد احمد مصباحی کا پیش لفظ ہے جس کا ایک اقتباس ہم نے پیچھے نقل کیا ہے۔ پھر ۸/صفحات

☆ پیش لفظ قصیدتان رائعتان: ص۲، المجمع الاسلامی مبارکپور، ۱۹۸۹ء۔

میں بزبان عربی مصباحی صاحب نے قصیدتان رائعتان کے شاعر حضرت فاضل بریلوی کی حیات اور علمی و دینی خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۱۲ر سے صفحہ ۳۹ر تک قصیدتان رائعتان کے قلمی نسخے کا عکس ہے۔ صفحہ ۴۰ر پر کتابوں کا اشتہار ہے۔

مختلف اشاعتیں اور تحقیقی کام:

اس طرح پہلی مرتبہ المجمع الاسلامی مبارکپور کے توسط سے یہ سرمایہ منظر عام پر آیا اور ہند و پاک وعرب کے اہل علم وتحقیق اس کی جانب متوجہ ہوئے۔ اس اشاعت کے چند ماہ بعد اپریل ۱۹۸۹ء میں ماہنامہ قاری دہلی کا 'امام احمد رضا نمبر' شائع ہوا تو مدیر قاری نے المجمع الاسلامی والے نسخے سے قصیدتان کا عکس ایک مختصر نوٹ کے ساتھ شامل شمارہ کرلیا۔

ڈاکٹر حازم محمد محفوظ (استاذ شعبہ اردو، جامعہ ازہر، مصر) نے فاضل بریلوی کا عربی کلام 'بساتين الغفران' ☆ کے نام سے جمع کیا تو اس میں سب سے مقدم انہیں دونوں قصیدوں کو رکھا۔ انہوں نے فاضل بریلوی کے بین السطور اور حواشی کو بھی نمبر ڈال کر قصیدوں کے آخر میں درج کر دیا ہے، جس سے قصیدوں کی تفہیم میں آسانی ہوگئی ہے۔

ان قصائد پر اب تک کا سب سے جامع تحقیقی اور وقیع کام محبّ گرامی مولانا ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری (ابن علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ) نے کیا ہے۔ انہوں نے جامعہ ازہر (قاہرہ، مصر) میں 'الشيخ أحمد رضا خان البريلوي الهندي : شاعراً عربياً' کے عنوان سے ایم.فل کا مقالہ لکھا، جس پر ۱۹۹۹ء میں انہیں ڈگری اوارڈ ہوئی ☆☆۔ ڈاکٹر سدیدی نے اپنے اِس مقالے میں مختلف جہتوں سے اِن قصائد کا تحقیقی مطالعہ اور فنی تجزیہ کیا ہے، ساتھ ہی ان کے خصائص لغویہ واسلوبیہ پر بڑی فنی مہارت سے روشنی ڈالی ہے۔ اس پر ان کی عربی نثر کی شائستگی وشستگی مستزاد۔

۲۰۰۱ء/۲۰۰۲ء میں عراق کے ایک نامور ادیب وشاعر اور محقق وناقد ڈاکٹر رشید عبدالرحمٰن عبیدی نے قصیدتان رائعتان پر تحقیقی کام کیا، جس کا تفصیلی تذکرہ ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔

ڈاکٹر محمد مجید السعید (سابق وائس چانسلر جامعہ صدام، بغداد، عراق) نے عربی دیوان

☆ مطبوعہ لاہور، پاکستان ۱۹۹۷ء۔

☆☆ ۲۰۷ر صفحات کا یہ تھیسس مؤسسۃ الشرف، لاہور نے ۲۰۰۲ء میں شائع کر دیا ہے۔

’بساتین الغفران ‘ کا تحقیقی مطالعہ کیا، جس کے نتیجے میں ان کی کتاب ’شاعر من الهند ‘☆ معرض وجود میں آئی۔ اس میں انھوں نے قصیدتان رائعتان کی زبان واسلوب کا تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔

گذشتہ سطور میں جتنے تحقیقی کاموں کا ذکر ہوا وہ سب کے سب عربی زبان میں ہیں، میری معلومات کی حد تک اردو میں اب تک ان پر کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا، نہ ہی ان کا اردو ترجمہ و تشریح منظر عام پر آسکی۔ گرامی قدر مکرمی مولانا نفیس احمد مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور) نے کئی سال پہلے ان قصائد کا اردو ترجمہ اور ان کی تشریح وتحقیق کا کام کیا تھا، لیکن کسی وجہ سے یہ ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا۔ تاہم ان کی شرح دیوان متنبّی (عربی) اور شرح قصیدۂ بردہ (اردو) کو دیکھتے ہوئے خیال کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اِن قصائد کے ترجمہ وتشریح کا کام شایان شان طریقے سے کیا ہوگا۔

قصیدۂ نونیہ کا موضوعاتی جائزہ:

ان دونوں قصائد کی غرض اساسی حضرت سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی مدح وتعریف ہے، کیوں کہ یہ خصوصیت سے آپ کے عرس کے موقع پر پیش کرنے کے لیے نظم کیے گئے تھے۔ لیکن اس غرض اساسی کے پہلو بہ پہلو (بالخصوص قصیدۂ نونیہ میں) بعض دیگر موضوعات سے بھی تعرض کیا گیا ہے۔ سطور ذیل میں ہم ان دونوں قصائد کا موضوعاتی تجزیہ پیش کر رہے ہیں۔

۲۴۳/ اشعار پر مشتمل قصیدۂ نونیہ اپنی ساخت، ہیئت اور عناصر واجزائے ترکیبی کے لحاظ سے ایک مکمل قصیدہ ہے، اس کے عناصر یا اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں:

تشبیب: ۲۴/ اشعار
گریز: ۱۵/ اشعار
مدح سیف اللہ المسلول: ۴۲/ اشعار
معاندین سیف اللہ المسلول کی مذمت وہجو: ۱۰/ اشعار
سیف اللہ المسلول سے توسل واستعانت: ۱۵/ اشعار

☆ مطبوعہ بغداد، ۲۰۰۳ء۔

حضرت شاہ عین الحق عبد المجید قادری قدس سرہٗ سے توسل واستعانت: ۱۰ر اشعار
خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہٗ کی مدح: ۵ر اشعار
حضرت شاہ عین الحق اور سیف اللہ المسلول کی مشترکہ مدح: ۱۰ر اشعار
حضرت تاج الفحول کی مدح: ۱۵ر اشعار
تاج الفحول کے معاندین ومخالفین کی مذمت وہجو: ۱۳ر اشعار
منقبت غوث اعظم اور آپ سے توسل واستعانت: ۳۵ر اشعار
بارگاہ رب العزت میں دعا ومناجات: ۳۴ر اشعار
اپنے والد اور اپنے جد مکرم کے لیے دعائے مغفرت: ۵ر اشعار
اہل دین کے لیے عمومی دعا: ۳ر اشعار
حمد وثنا، درود وسلام اور اختتام: ۷ر اشعار

ان میں کچھ مضامین بظاہر ایک دوسرے سے جدا نظر آتے ہیں، مگر عقیدہ وعقیدت کی ایک غیر مرئی ’سلکِ مروارید‘ اور سلسلہ طریقت کا ایک روحانی تسلسل ہے جس نے ان کی کثرت کو وحدت اور اختلاف کو اتحاد کی صورت عطا کر دی ہے۔ لہٰذا اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ ”یہ قصیدہ وحدت موضوع کے فقدان کی بنیاد پر اپنی ساخت اور ہیئت کے لحاظ سے غیر مربوط اور قیمتی موتیوں کا ایک بے ترتیب مجموعہ ہے“۔

عربی کی قدیم شاعری تشبیب وتمہید کی پُر پیچ راہوں سے گزر کر گریز کرتی ہوئی اپنی منزل کی طرف بڑھتی ہے۔ یہ قصیدہ اسی قدیم عربی اسلوب کا ترجمان ہے، قدیم عربی قصیدے کی روایت کے مطابق تشبیب وگریز سے گزرتا ہوا اصل مضمون یعنی مدح کی طرف آتا ہے، پھر بعض دیگر موضوعات ومضامین سے گزرتا ہوا دعا اور حمد وصلاۃ پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

قصیدے کا آغاز اِس طرح ہوتا ہے کہ فاختہ اپنے بچھڑے ہوئے ساتھی کی یاد میں رو رہی ہے، اس کو روتا دیکھ کر عاشق کو بھی اپنے محبوب کا خیال آ جاتا ہے جس سے اس کے بھی آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ عاشق اپنے محبوب کی یاد میں رو رہا ہے، ہلال عید سے اس کا پتہ پوچھ رہا ہے، وہ کہاں ہے کب آئے گا، کب اس سے ملاقات ہوگی؟۔ پھر فراق یار میں اپنی بے چینی واضطراب، محبوب کے جور وستم، اس کی وعدہ خلافی و بے وفائی، اس کے حسن و جمال، اس کی رفتار اور اس کی

جادونگاہی کا مسلسل مضمون ۲۴/ویں شعر پر اس طرح مکمل ہوتا ہے:

فَوَ مِحْنَتِيْ أَحَدُ الثَّلاثَةِ كَائِنٌ   أُمْضِيْ كَذَا أَوْ مِتُّ أَوْ تَلْقَانِيْ

ترجمہ: میری آزمائش وابتلا کی قسم! تین میں سے ایک بات ہو کر رہے گی۔ یا تو مَیں اسی حال میں رہوں گا یا (پھر) مر جاؤں گا یا (بالآخر) محبوب مجھ سے ملاقات کرے گا۔

جوار دو داں حضرات عربی شعر وسخن کی نزاکتوں اور تقاضوں سے واقف نہیں ہیں ممکن ہے ان کو تشبیب کے یہ اشعار تشویش میں ڈال دیں، ہم ایسے حضرات کی تشویش دور کرنے کے لیے ان کو شاعر دربار رسالت صحابی جلیل حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نعتیہ قصیدے 'بانت سعاد' کے مطالعے کی دعوت دیں گے۔

اب یہاں سے گریز شروع ہوتی ہے، ایک شخص عاشق کو نصیحت کرتا ہے کہ تم یہ عشق وعاشقی کا قصہ کیوں لے بیٹھے؟ تم تو اہل کرم وتقویٰ کے فرزند ہو، علم وعرفان کے نوخیز پودے ہو، تم ان باتوں کو چھوڑ و اور اپنی علمی کاوشوں میں لگے رہو۔ (شعر ۲۵/۲۶)

عاشق اپنے ناصح کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ تو نے مجھے غفلت سے بیدار کیا بہت اچھا کیا۔ پھر عاشق اپنی صفائی دے رہا ہے کہ مَیں قیس نجد ضرور ہوں مگر اس نجد کا قیس نہیں جو عشق وعاشقی والا نجد ہے بلکہ میرا نجد تو تعلیم وتعلم کا نجد ہے، اسی طرح میری ایک لیلیٰ بھی ہے مگر میری لیلیٰ کوئی اور نہیں بلکہ غور وفکر کی رات ہے۔ مجھے عشق بازی سے کیا لینا دینا؟ اب ان اشعار کا مقصد بیان کرتے ہیں:

مَا كَانَ هٰذا دَيْدَنِيْ لٰكِنَّهُ   تَشْبِيْبُ شِعْرٍ لا دَدُ الشُّبَّان
إِذْ مَا دَدٌ مِنِّيْ وَلا أَنَا مِنْ دَدٍ   إِذْ جِئْتُ أَمْدَحُ رُحْلَةًلِاوَانِيْ

ترجمہ: یہ (حسن وعشق کی باتیں) میری عادت وفطرت نہیں ہے لیکن (جو مَیں نے کہا وہ تو) قصیدے کی تشبیب ہے، جوانوں کا کھیل کود نہیں۔ کیونکہ نہ مجھ سے لہو ولعب ہے اور نہ مَیں لہو ولعب سے ہوں۔ مَیں تو فقط اُس ذات گرامی کی مدح سرائی کے لیے آیا ہوں جو زمانے کے لیے مرجع ہے۔ (شعر ۳۸/۳۹)

وہ مرجع خلائق ذات گرامی کون ہے جس کی مدح وتعریف کا ارادہ کیا گیا ہے؟ ۵/اشعار (نمبر ۴۰/تا ۴۴) میں اس ذات گرامی کے مختلف اوصاف بیان کرنے کے بعد ۴۵/ویں شعر میں

ان کے نام کا اظہار فرماتے ہیں:

عَلَمًا عَلِيْمًا عَالِمًا عَلَّامَةً　　　فَضْلَ الرَّسُوْلِ الْفَاضِلَ الرَّبَّانِيْ

وہ نشان منزل ہیں، جاننے والے ہیں، عالم و علامہ ہیں، (یقیناً میرے ممدوح) فضل رسول فاضل ربانی ہیں۔

پھر مسلسل ۱۸/اشعار میں ممدوح کے اسم گرامی کی فضیلت، آپ کی نشو ونما، معاصرین واقران میں آپ کی نمایاں حیثیت، آپ کی مہمان نوازی، لطف وکرم، جود وسخا اور فضیلت و برکات کا ذکر کرنے کے بعد شعر نمبر ۶۴/ سے آپ کے علمی مقام ومرتبے کا اظہار فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

۱- حضرت سیف اللہ المسلول علم تصوف میں ایک روشن مینار ہیں۔ (شعر۶۴)

۲- علم تفسیر میں شرح وتفہیم کی دسترس ومہارت کاملہ رکھتے ہیں۔ (شعر۶۵)

۳- علم حدیث اور علم اسناد حدیث میں دریائے ناپیدا کنار ہیں۔ (شعر۶۶)

۴- علم اسمائے رجال میں آپ امام یحییٰ بن سعید القطان کی مانند ہیں۔ (شعر۶۷)

۵- علم اصول وعقائد میں آپ اپنے وقت کے امام باقلانی ہیں۔ (شعر۶۸)

۶- علم فروع میں بھلا کوئی کیا آپ کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ (شعر۶۹/۷۰)

۷- فقاہت میں آپ اپنے زمانے کے امام محمد بن حسن شیبانی ہیں۔ (شعر۷۱)

۸- ادیبوں کا علم ادب اپنے تمام فنون کے ساتھ آپ کے علم وفضل کا ایک شعبہ ہے۔ (شعر۷۲)

۹- فن طب میں آپ کی مہارت کا یہ عالم ہے کہ اگر شیخ الرئیس بوعلی سینا علم طب میں آپ کی مہارت کو جان لے تو مریض بن کر آپ کی خدمت میں برائے معالجہ حاضر ہو جائے۔ (شعر۷۳)

۱۰- فلسفہ، منطق اور بیان میں آپ کا کوئی عدیل ونظیر نہیں۔ (شعر۷۹)

شعر ۸۰/ میں ممدوح کے لیے دعا کرتے ہیں کہ جس طرح آپ نے اپنی تصانیف اور تلامذہ کے ذریعے دین کا ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں آپ کو جنت عطا فرمائے۔ شعر ۸۱/ میں فرماتے ہیں:

اَلْوَصْفُ يَقْصُرُ عَنْ جَلَا لَةِ قَصْرِهٖ　　　وَالْقَصْرُ قُصْوَى حِيْلَةِ الْحَيْرَان

یعنی ممدوح کا پایۂ قصر کمال اتنا بلند ہے کہ اس کی کما حقہ تعریف وتوصیف کرنے سے زبان وقلم

قاصر ہیں۔ آپ کی جلالت شان دیکھ کر ایک شخص حیران و متعجب ہے، وہ آپ کے مرتبے کی بلندی کا ادراک کرنا چاہتا ہے، عرفان مقام و مرتبے کے لیے وہ جو بڑی سے بڑی ترکیب و تدبیر اختیار کرے گا بالآخر وہ تدبیر اسے مزید حیران و ششدر اور ادراک مقام میں عاجز و درماندہ کر کے چھوڑے گی۔

شعر ۸۲ر سے حضرت سیف اللہ المسلول کے مخالفین اہل بدعت و ضلالت کا رد اور ان کی ہجو شروع ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ مَیں چند ننگے بھوکے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت سیف اللہ المسلول کے قصر کمال سے بلند عمارت بنانا چاہتے ہیں۔

شعر ۹۰ر تک انہیں لوگوں کی مذمت اور ہجو ہے، شعر ۹۱ر میں کہتے ہیں کہ:

> اے رضا! اٹھ ان گمراہوں کے ساتھ مت بیٹھ جن (کے کان اور آنکھوں) پر پردے پڑے ہوئے ہیں، ان کو ان کی ذلت و رسوائی میں چھوڑ دے۔ (شعر:۹۱)
>
> تو اپنی ذات کی طرف متوجہ ہو تو خود بڑا مجرم ہے۔ کتنا بدکاروں کے عیب بیان کرے گا اور کتنا دوسروں کو نصیحت کرے گا۔ (شعر:۹۲)
>
> اے گناہگار! توبہ کر لے (کیوں کہ) وہ وقت قریب آ گیا ہے جس میں کثیر گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے۔ (شعر:۹۳)
>
> تو رسول مستعان اور ان کے فضل پر اعتماد و بھروسہ رکھ اور اُس مزار مقدس کے پاس حاضر ہو جو غالب حجت والا ہے۔ (شعر:۹۴)

پھر حضرت سیف اللہ المسلول کے مزار مبارک پر حاضر ہیں اور آپ سے استعانت کر رہے ہیں:

اے معین الحق!
اے زمانے کی زینت!
اے شہروں کی خوبصورتی!
اے اپنے باطن میں حق تعالیٰ کے عین راز!
اے ظاہر میں عین الحق کے راز!
اے (میرا) سکون و آسائش!
اے پھول!

اے صفا و پاکیزگی کی روح!
اے وہ ذات جو گمراہ اور خسارہ پانے والوں کے لیے غیظ و غضب ہے۔
اے اُس ذات کے فضل جس کی نسبت سے بلندیوں نے فضیلت پائی!
اے اُس ذات اطہر کے خادم و غلام جو عالم امکان کا سردار ہے۔
ہم آپ کے پاس آپ کے فضل و کرم کی امید میں آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے فضل نے آپ کو بلندیِ قرب بخشی ہے۔ (شعر ۹۶/ سے ۱۰۰)

فرماتے ہیں:

اگر آپ کی بارگاہ میں مہمانوں کی ضیافت کا اہتمام ہوتا ہے تو میری مہمانی و ضیافت میرے دشمنوں سے انتقام لے کر کیجیے۔ (شعر ۱۰۴)

پھر حضرت سیف اللہ المسلول کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ:

آپ اپنے والد محترم حضرت شاہ عین الحق کی بارگاہ میں میری سفارش فرما دیں۔ (شعر: ۱۰۵)

سیف اللہ المسلول کی سفارش کے ساتھ حضرت شاہ عین الحق کی بارگاہ میں حاضر ہو رہے ہیں:

سختی و مشقت کے وقت آپ موجود ہوں اور میری خاطرداری فرمائیں۔ اے اس ذات کے فرزند ارجمند جن کو ان کے گھر میں شہید کر دیا گیا یعنی حضرت عثمان۔ (شعر: ۱۱۱)

مَیں اُمرا سے طلب نہیں کرتا ہوں بلکہ آپ ہی سے التجا کرتا ہوں کیونکہ فضل و کرم کا باب (اُمرا کے) ایوانوں میں تعمیر ہی نہیں کیا گیا۔ (شعر: ۱۱۲)

شاہان وقت کے عطیات کو ٹھکراتے ہوئے مَیں آپ کی عطا کی امید کرتا ہوں، اس لیے کہ (شاہان وقت کے) رجسٹروں میں 'باب المجد' ہوتا ہی نہیں۔ (شعر: ۱۱۳)

حضرت شاہ عین الحق قدس سرہٗ سے عرض کرتے ہیں کہ آپ اپنے فضل و کمال میں فرد و یکتا ہیں، آپ کا کوئی مد مقابل نہیں، ہاں البتہ میرے شیخ حضرت خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ جو آپ کے مرشد زادے بھی ہیں ان سے کوئی مقابلہ نہیں۔ (شعر: ۱۱۵/ ۱۱۶)

یہاں سے قصیدے نے ایک نیا موڑ لیا اور اب حضور خاتم الاکابر کی مدح و منقبت کی طرف آتے ہیں۔ ۵/ اشعار (۱۱۷/ سے ۱۲۱/ تک) میں اپنے شیخ حضرت خاتم الاکابر کی مدح کی ہے، عرض کرتے ہیں:

حضرت خاتم الاکابر مخلوق کی پناہ گاہ، (شاہراہِ) ہدایت کے محافظ، بلاؤں کو دور کرنے والے اور پیاسوں کی فریادرسی کے لیے عطاو بخشش کی بارش ہیں۔ آپ ان مشکل مسائل کوحل کرنے والے ہیں جنہوں نے عقل مندوں کو عاجز کر دیا ہے۔ کمزوروں سے دشواری وسختی کو دور کرنے والے ہیں۔ (شعر: ۱۱۷/۱۱۸)

حضرت خاتم الاکابر کی مدح کے بعد (شعر ۱۲۲؍ میں) پھر حضرت شاہ عین الحق اور حضرت سیف اللہ المسلول سے مخاطب ہوتے ہوئے ان کی مدح ومنقبت نظم کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ آپ دونوں ایسے شہسوار ہیں کہ مقابلے کے میدان میں ایک جست میں آپ آخری منزل تک پہنچ گئے، جب کہ مدمقابل ابھی مقابلے کی ابتدائی منزل میں ہیں۔ (شعر: ۱۲۳)

۱۰؍اشعار میں ان دونوں حضرات کی مدح اور ان کی بلندی درجات کے لیے اللہ سے دعا کر کے اس مضمون کو ۱۳۱؍ویں شعر میں یوں ختم کرتے ہیں:

تَمَّ الدُّعَا فَارْجِعْ غَنِيًّا غَانِمًا　　وَاقْصِدْ سَمِيَّ السَّيِّدِ الْبَغْدَانِيْ

دعا مکمل ہوگئی۔ اب انعام واکرام پا کر واپس لوٹ اور تاجدار بغداد کے ہم نام کا قصد کر۔

تاجدار بغداد کے ہمنام سے سیف اللہ المسلول کے فرزند و جانشین تاج الفحول محبّ رسول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی قدس سرہٗ کی ذات گرامی مراد ہے، آگے کے ۱۵؍اشعار حضرت تاج الفحول کی مدح ومنقبت میں نظم کیے ہیں۔ فرماتے ہیں:

> (حضرت تاج الفحول) عالم ربانی، علامہ اور ایسا نشانِ راہ ہیں جن کی توصیف وثنا کی خوشبو ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ (شعر: ۱۳۲)
>
> (حضرت تاج الفحول) کیا ہی عظیم سمندر ہیں! جس میں نہریں ہیں اور اِن (نہروں) کا پانی دو مختلف وصف رکھتا ہے۔ (شعر: ۱۳۳)
>
> وہ اہل عشق ومحبت کے لیے صاف وشفاف سیراب کرنے والا پانی ہے اور کینہ پرور لوگوں کے لیے زہر قاتل ہے۔ (شعر: ۱۳۴)

آگے فرماتے ہیں:

> اے اپنی نجات کے طالب! حضرت تاج الفحول کی رکاب تھام لے، وہ حوادث زمانہ کے نزول کے وقت تیری حمایت کریں گے۔ (شعر: ۱۴۴)

حضرت تاج الفحول کی مدح مکمل کرکے ان کے معاندین ومخالفین اہل بدعت وضلالت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ خود دھوکے میں ہیں اور دوسروں کو بھی اپنی باتوں سے فریب میں مبتلا کررہے ہیں، ان کے اعمال واقوال سب قرآن کریم کی شاہراہ سے بہت دور ہیں۔

شعر ۱۶۱/ سے حضرت محبوب سبحانی سیدنا الشیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی مدح اور آپ سے توسل واستعانت کا آغاز کرتے ہیں۔

> جب کوئی شدید غم ہجوم کا ارادہ کرتا ہے اور مجھے رنجیدہ کرتا ہے تو مَیں سرگشتہ ہوتا ہوں اور مَیں (اسی) سرگشتگی میں پکار اٹھتا ہوں کہ اے شیخ عبدالقادر جیلانی! فقیر غم کے قیدی کو اللہ کے واسطے کچھ عطا کیجیے۔ اے دائمی کرم وبخشش کرنے والے (یعنی حضور اکرم ﷺ) کے لخت جگر! اللہ کے واسطے گناہ گار مجرم کو کچھ عطا کیجیے۔ (۱۶۱/۱۶۲/۱۶۳)

حضرت محبوب سبحانی کی منقبت میں مسلسل ۳۵/ اشعار نظم کیے، جن میں یہ ۴/ شعر عقیدت، حقیقت اور شعریت کا بہترین نمونہ ہیں:

یَامَنْ مَكَانَتُهٗ بِجَمْعِ الْأَوْلِيَا   كَمَكَانَةِ الْأَرْوَاحِ فِي الْأَبْدَانِ
وَالْبَحْرِ فِي الْأَنْهَارِ وَالْقُرْآنِ فِي الْـ   أَسْفَارِ وَالْآبَاءِ فِي الْوِلْدَانِ
وَالنُّوْرِ فِي الْإِنْسَانِ وَ الْإِنْسَانِ فِي الْـ   أَعْيَانِ وَالْأَعْيَانِ فِي الْجُثْمَانِ
وَالطِّيْبِ فِي الرَّيْحَانِ وَالرَّيْحَانِ فِي الْـ   قُضْبَانِ وَالْقُضْبَانِ فِي الْعِيْدَانِ

> اے وہ ذات پاک! جس کا مرتبہ ومقام تمام اولیا کے درمیان ایسا ہی ہے جیسا کہ روحوں کا مرتبہ جسموں میں ہے، سمندر کا مرتبہ نہروں کے درمیان، قرآن کا کتابوں اور آبا کا اولاد کے درمیان ہے اور جیسا روشنی کا مرتبہ پتلی میں اور پتلی کا آنکھوں میں اور آنکھوں کا جسموں میں ہے اور جیسا کہ خوشبو کا مقام پھول میں اور پھول کا شاخوں میں اور شاخوں کا تنوں میں ہے۔

۳۵/ اشعار میں منقبت اور توسل واستعانت کے بعد حضرت محبوب سبحانی کے وسیلے سے بارگاہ رب العزت میں دعا ومناجات کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ شعر ۱۹۵/ سے شعر ۲۲۸/ تک ۳۴/ اشعار میں عجز وتذلل، عاجزی وفروتنی، خشیت وتضرع، اقرار گناہ، اعتراف نعمت، خوف عذاب اور امید بخشش کی جن ملی جلی کیفیات کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں مناجات کی ہے وہ

نہ صرف یہ کہ شاعری کا اعلیٰ نمونہ ہے بلکہ ایمان کی تازگی، روح کی بالیدگی اور رحمت و مغفرت کے حصول کا ذریعہ بھی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اس سلسلے کے تمام ۳۴/ اشعار یہاں نقل کر دیے جائیں، لیکن بخوف طوالت ہم صرف نظر کر رہے ہیں۔

شعر ۲۲۹/ سے شعر ۲۳۳/ تک ۵/ اشعار میں اپنے والد گرامی حضرت مولانا نقی علی خاں بریلوی اور جد محترم حضرت مولانا رضا علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہما کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کی دعا کرتے ہیں۔

۳/ اشعار میں تمام اہل ایمان کے لیے دعائے رحمت اور اہل باطل کے مقابلے میں اہل حق کی نصرت و حمایت کی التجا ہے۔ (شعر ۲۳۴/ تا ۲۳۶)

آخری ۷/ اشعار میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور حضور اکرم ﷺ اور آپ کی آل و اصحاب پر درود و سلام کے ساتھ قصیدہ اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔ جس طرح مشہور زمانہ لاکھوں سلام جس مصرع سے شروع ہوتا ہے اسی پر ختم ہوتا ہے اسی طرح یہ قصیدۂ نونیہ بھی

رن الحمام علی شجون البان

سے شروع ہوتا ہے اور اسی مصرع پر ختم ہوتا ہے۔

قصیدۂ دالیہ کا موضوعاتی جائزہ:

قصیدۂ نونیہ کے مقابلے میں دالیہ قدرے مختصر ہے، موضوع کے اعتبار سے بھی یہ صرف مدح اور دعا تک محدود ہے۔ اس کا آغاز حمد الٰہی اور درود و سلام سے ہوتا ہے۔ حمد و صلاۃ کے بعد چوتھے شعر میں دشمنوں کے حملے کا ذکر کرتے ہیں کہ ہر چہار جانب سے دشمنوں کی یلغار ہے، جو پیادہ اور سوار ہر طرح ہجوم کو آمادہ ہیں، لیکن مَیں ان کے شر سے محفوظ ہوں، مَیں ان کی قوت و شوکت سے خائف بھی نہیں ہوں کیوں کہ میرا حامی و ناصر زبردست طاقت والا ہے۔

شعر ۹/ میں بارگاہ الٰہی کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور طاقت و قوت اور حمایت و نصرت کی التجا کرتے ہیں۔ شعر ۱۲/ سے ۱۵/ تک رب کریم کی بارگاہ میں قرآن، صاحب قرآن، حضرت روح الامین، مدینہ منورہ، مسجد نبوی، منبر رسول اور اہل اللہ کا وسیلہ پیش کر کے پھر دشمنوں کے شر کو دور کرنے کی دعا کرتے ہیں۔

شعر ۲۱/ سے ۲۴/ تک فتنوں، فتنہ پروروں اور فتنوں کی جگہ 'نجد' کا ذکر کر کے شعر ۲۵/ سے

قصیدے کے اصل مقصود یعنی مدح سیف اللہ المسلول پر آتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

خبردار جو چاہے میرے ساتھ مکر وفریب کرے، تکبر و سرکشی اور دلیری دکھائے۔ (شعر: ۲۵)

اور اپنے شریکوں کو (حمایتی بنا کر) جمع کر لے مَیں فقط ایک ذات کی حمایت وحفاظت میں ہوں۔ (شعر: ۲۶)

وہ اپنے نجد کی مجلس (ہم نشینوں) کو پکاریں، ہم (حق کے) بہادر سپاہی کو بلاتے ہیں۔ (شعر: ۲۷)

جو بھوکے، سخت حملہ آور، بہادر، خاکستر رنگ والے شیر کی طرح ہے۔ (شعر: ۲۸)

فضل رسول کی ہی وہ ذات (بابرکات) ہے جس سے ہر راہِ راست پر چلنے والے کو عقیدت ہے۔ (شعر: ۲۹)

پھر حضرت سیف اللہ المسلول کی مدح کرتے ہوئے آپ کی ان خدمات کو یاد کرتے ہیں جو آپ نے حق کی نصرت وحمایت میں اہل باطل کے بالمقابل پیش فرمائی ہیں۔ اِس مسلسل مضمون کا اختتام شعر ۵۱/ پر ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

اَلْیَـــوْمَ كُــلُّ مُــقَــوَّمٍ   بِكَ يَهْتَــدِيْ بِكَ يَــقْتَــدِيْ

آج ہر راہ راست پایا ہوا آپ ہی سے ہدایت پا رہا ہے آپ ہی کی اقتدا کر رہا ہے۔

شعر ۵۲/ ۵۳/ میں حضرت سیف اللہ المسلول کو مخاطب کر کے عرض پرداز ہیں کہ جب اللہ آپ سے راضی ہو کر آپ کو ایک معزز مہمان کی طرح جنت میں داخل کرے اور وہاں حضور نبی کریم ﷺ آپ کو اپنا قرب عطا فرمائیں تو:

فَــإِذَنْ تَشَــفَّــعْ لِلــرِّضَــا   عِــنْــدَ الــنَّبِــيِّ الْأَمْــجَــدِ
بِـــالـــلّٰــهِ لا تَــنْسَــاهُ إِذْ   هُــوَ قَـــادِرِيٌّ أَحْــمَــدِيْ

اُس وقت بزرگی والے نبی کی بارگاہ میں رضؔا کے واسطے شفاعت فرمائیں۔ خدا کی قسم رضا کو (قیامت کے دن) فراموش نہ کیجیے گا کیونکہ وہ بھی قادری واحمدی ہے۔

چونکہ یہ قصیدہ حضرت سیف اللہ المسلول کے عرس کی محفل میں پیش کیا جا رہا ہے، اس لیے اس کی خوبصورت منظر کشی فرماتے ہیں:

آرزوئیں بر آئیں بشارت کا وقت قریب ہو گیا اب تو اپنے رب کی رضا کے لیے سجدہ

ریز ہو جا۔ (شعر:۵۷)

پانی کے چشمے پھوٹے اب کسی کی تشنگی باقی نہیں رہے گی، بادلوں نے جود و سخا کی پھر تو کوئی پیاسا نہیں رہے گا۔ (شعر:۵۸)

حسن و جمال کے ظہور نے رنج و مشقت کو دور کر دیا اور جلال سرمدی ظاہر ہو گیا۔ (شعر:۵۹)

جنتی میوے اس کے ہیں جس نے ان کو چن لیا (تواے جان) تو کھا اور خوش رہ اور حمد و ثنا بیان کر۔ (شعر:۶۰)

مگر سوال یہ ہے کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ شعر۶۲ر میں اس کا جواب دے رہے ہیں:

إِذْ أَنَّ هٰــذا عُــــرْسُ مَــنْ   بِــنَــدَاهُ مَــزْرَعُــنَــا نَــدِيْ

اس لیے کہ یہ اُس ذات گرامی کا عرس ہے جس کی جود و عطا کی بارش سے ہماری کھیتیاں سرسبز و شاداب ہیں۔

پھر بطور تواضع و انکسار خود کو مخاطب کرتے ہیں کہ تم عرسِ سیف اللہ المسلول کی مدح و ثنا کا حق ادا نہیں کر سکتے لہٰذا ایسا کرو کہ دو مصرعوں میں اِس عرس کا سنہ اور حضرت سیف اللہ المسلول کا سنہ وصال نظم کر دو۔ (شعر:۶۲، ۶۳، ۶۴) پھر اِن دو مصرعوں میں یہ دونوں سنہ نہایت برجستگی اور خوبی سے برآمد کیے ہیں:

فَــضْــلُ الــرَّسُــوْلِ مَــؤَبَّــدٌ   يَــا فَــضْــلَ عُــرْسِ أَمَــاجِــدِ

رسول کا فضل و کرم ہمیشہ رہے۔ وائے تعجب! بزرگوں کے عرس کی فضیلت (و برکت) پر۔

پہلے مصرع کے اعداد ۱۲۸۹ھ ہیں جو حضرت سیف اللہ المسلول کا سنہ وصال ہے اور دوسرے مصرع کے اعداد ۱۳۰۰ھ ہیں جو اُس عرس کا سنہ ہے جس میں یہ قصیدہ پیش کیا گیا تھا۔

پھر آخر کے ۴ر اشعار میں حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کی آل و اصحاب پر درود و سلام کے ساتھ قصیدہ اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

قصیدوں کا موضوعاتی جائزہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ قصیدۂ نونیہ کے مضامین کے سلسلے میں یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا ضروری ہے۔ میرے ایک کرم فرما محترم دوست نے اپنے ایک مقالے میں قصیدۂ نونیہ میں شعر نمبر ۹۴ر سے شعر نمبر ۱۰۵ر تک کے ۱۲ر اشعار کو خواجہ خواجگاں

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری قدس سرہٗ کی شان میں قرار دیا ہے، جو درست نہیں ہے۔ راقم نے ایک ملاقات میں اس تسامح کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی تھی، وہ نہایت کشادہ قلب، منصف مزاج اور حق پسند طبیعت کے مالک ہیں انہوں نے میری معروضات پر غور کیا اور قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ آئندہ کسی مقالے یا مضمون میں اس کا ازالہ کر دیا جائے گا۔ ایسے حق پسند اور وسیع الظرف لوگ اب کم ہی ملتے ہیں۔ جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

ان کے تسلیم واعتراف کے بعد راقم اس سلسلے میں کچھ لکھنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر ابھی مطالعے کے دوران یہ انکشاف ہوا کہ موصوف کے حوالے سے ڈاکٹر مجید السعید نے بھی اسی بات کو دہرایا ہے، اس لیے اس کی وضاحت ضروری معلوم ہوئی، ورنہ اس غلط فہمی نے اگر جڑ پکڑ لی تو آئندہ اس کا ازالہ مشکل ہو جائے گا۔

دراصل شعر ۹۴ر میں فرمایا تھا کہ اب 'المزار الباهر السلطان' پر حاضر ہو کر دعا کرو اور شعر ۹۶ر میں کہا کہ 'یا معین الحق' کی ندا لگاؤ۔ چونکہ حضرت غریب نواز کے القاب 'معین الدین' اور 'سلطان الہند' ہیں، اس لیے دھوکا ہوا کہ سلطان الہند کے مزار پر آ کر 'یا معین الحق' کی ندا لگانے کی بات کی جا رہی ہے۔ حالانکہ غریب نواز کا لقب 'معین الدین' ہے اور شعر میں 'معین الحق' کا لفظ ہے۔ اِس نکتے پر ڈاکٹر مجید السعید کے قدم بھی ایک لمحے کو رکے مگر پھر آگے بڑھ گئے، لکھتے ہیں:

> وكان بإمكان الشاعر أن يأتي باسمه صراحة مع الاحتفاظ بالوزن الشعري فيحل كلمة معين الدين محل كلمة معين الحق ولا يقع اختلاف في تفعيلة البيت وعلى كل حال فإن شخصية الأجميري من الشخصيات المسلمة المعروفة☆
>
> ترجمہ: شاعر کے لیے ممکن تھا کہ وہ وزن شعری کو محفوظ رکھتے ہوئے صراحتاً ان کا (غریب نواز کا) نام لے آتے، تو لفظ 'معین الدین' لفظ معین الحق کی جگہ لے لیتا اور شعر کے وزن میں بھی کوئی اختلاف واقع نہ ہوتا۔ بہر حال حضرت اجمیری کی شخصیت مسلمہ اور مشہور تھی۔

بات معقول ہے کہ اگر حضرت غریب نواز کی ذات گرامی ہی مراد لینا تھی تو مصرع یوں زیادہ بہتر ہوتا:

☆ شاعر من الهند: محمد مجید السعید، ص ۷۳، بغداد، ۲۰۰۳ء

وارفع نداك بيا معين الدين يا

اس میں وزن بھی متأثر نہیں ہوا اور صحیح لقب بھی آ گیا۔

حالانکہ بالکل سامنے کی بات ہے کہ 'معین الحق' حضرت سیف اللہ المسلول کا لقب ہے اور ایسا معروف وقدیم لقب ہے کہ آپ کی جو تصانیف آپ کی حیات میں شائع ہوئی ہیں ان پر بھی 'معین الحق فضل رسول' درج ہے۔ دوسرا یہ کہ یہاں 'مزار السلطان' (مضاف مضاف الیہ) نہیں ہے جس کا ترجمہ 'سلطان الہند کا مزار' ہو، بلکہ یہ ترکیب توصیفی ہے، یعنی 'المزار الباهر السلطان' (غالب حجت والا مزار)

یہ اشعار حضور غریب نواز کی شان میں مان کر ایک الجھن شعر نمبر ۱۰۵ر میں پیدا ہوگئی، اِس شعر میں 'معین الحق' سے کہا جا رہا کہ آپ اپنے والد (ابيك) کی بارگاہ میں میری سفارش فرمائیں:

أَرْجُو الشَّفَاعَةَ مِنْكَ عِنْدَ أَبِيْكَ إِذْ   بَابُ الْعِنَايَةِ لا يُسَدُّ لِعَانِ

ترجمہ: مَیں آپ کے والد بزرگوار کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کی امید رکھتا ہوں کیونکہ عنایت وبخشش کا دروازہ کسی رنج وتکلیف کے اسیر کے واسطے بند نہیں کیا جاتا۔

یعنی اب شاعر حضرت سیف اللہ المسلول کے والد گرامی حضرت شاہ عین الحق عبد المجید قادری قدس سرہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہو رہے ہیں، اس لیے کہ اگلے شعر میں فرماتے ہیں:

فَإِذَا رَأَيْتَ إِجَابَةً فَانْهَضْ إِلَى   قَبْرِ الْمَجِيْدِ الْأَمْجَدِ الرُّوْحَانِيْ

ترجمہ: اگر تم دعا کی قبولیت دیکھنا چاہتے ہو تو عظمت وبزرگی والے (مجید) کی روحانی قبر کے پاس آؤ۔

مطلب بالکل واضح ہے، لیکن چونکہ شعر ۹۴ر سے یہاں تک آپ حضرت غریب نواز کی ذات مراد لے چکے ہیں اس لیے لفظ 'ابيك' (آپ کے والد) نے الجھن میں ڈال دیا۔ اس الجھن سے بچنے کے لیے یہ تکلف کرنا پڑا کہ کیوں کہ آیت کریمہ النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم کے ساتھ بعض قرأتوں میں وهو اب لهم بھی آیا ہے، مزید یہ کہ امام سیوطی نے درمنثور میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ كل تقي ونقي فهو آلي لہٰذا یہاں ابيك سے حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے اور حضرت غریب نواز سے درخواست کی جا رہی ہے کہ وہ

حضور رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ میں شاعر کی سفارش کریں۔ لیکن اِس الجھن سے نکلے تو دوسری الجھن سامنے آگئی کہ جب حضور ﷺ تمام مومنین کے أَبْ (والد) ہیں اور ان میں شاعر اور ممدوح دونوں شامل ہیں پھر تو ابیك (آپ کے والد) نہیں بلکہ ابینا (ہمارے والد) ہونا چاہیے تھا۔

اس سوال سے بچنے کے لیے پھر دو شقیں نکالنا پڑیں ایک یہ کہ چونکہ شاعر یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ممدوح صلاح وتقویٰ میں ان سے ارفع و اعلیٰ ہیں اس لیے ان کو اپنے اور حضور ﷺ کے درمیان وسیلہ بنایا، دوسرے یہ کہ لفظ ابیك سے ممدوح کے نسب کی طرف بھی اشارہ کرنا مقصود تھا کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی آل پاک سے ہیں:

> فكأنه قصد كلمة الجد ولكنه نظراً للوزن الشعري استخدم كلمة الأب
>
> ترجمہ: گویا کہ شاعر نے لفظ الجَد (دادا) کا ارادہ کیا ہے، لیکن وزن شعری کی وجہ سے لفظ الأب استعمال کیا ہے۔

لیکن ڈاکٹر مجید السعید نہ صرف یہ کہ اس توجیہ و تعلیل سے مطمئن نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے یہ لکھ کر گتھی کو اور الجھا دیا کہ یہ بات ثابت ہی نہیں ہے کہ غریب نواز کا نسب حضور ﷺ سے ملتا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ونحن لا نؤيد ما ذهب إليه الأستاذ ...... من تعليل أبوة النبي ﷺ للمدوح ولا سيما ما ذكره من الممدوح الأجميري يرجع في نسبه إلى الرسول ﷺ فهٰذا أمر لم يرد ولم تذكره المصادر فهو غير دقيق ولا مؤثق☆
>
> ترجمہ: ممدوح (غریب نواز) کے لیے حضور اکرم ﷺ کی ابوۃ (والد ہونے) کی جو توجیہ استاذ ...... نے کی ہے ہم اس کی تائید نہیں کرتے، خاص طور پر اس بات کی کہ جو انہوں نے ذکر کی کہ حضرت اجمیری کا نسب حضور اکرم ﷺ تک پہنچتا ہے، چونکہ یہ ایک ایسی بات ہے جو وارد نہیں ہوئی، نہ ہی ماخذوں نے اس کا تذکرہ کیا ہے، لہٰذا یہ توجیہ دقیق (باریک، گہری) اور قابل اعتماد نہیں ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ یہاں نہ حضرت غریب نواز کی ذات مراد ہے، نہ اِن تکلفاتِ تعلیل و

☆ شاعر من الهند: محمد مجید السعید، ص۳۷، بغداد، ۲۰۰۳ء۔

توجیہ اور جواب در جواب کی ضرورت ہے۔

قصیدتان رائعتان کی مقبولیت:

یہ قصیدے بارگاہ ممدوحین میں کچھ ایسے مقبول ہوئے کہ ان کی خیر و برکت اور مقبولیت و اجابت امید سے کہیں زیادہ ظاہر ہوئی، حضرت فاضل بریلوی نے فتاویٰ رضویہ میں اس جانب اشارہ کیا ہے، آپ نے قصیدۂ دالیہ کے چند شعر نقل فرمائے ہیں، ان سے پہلے فرماتے ہیں:

> ومما قلت قديماً في ربيع الآخر سنة ألف و ثلث مائة فرأيت ا لإجابة فوق العادة وفوق المطلب والإرادة سريعاً في الساعةولله الحمد أبدا وأرجو مثله سرمدا۔☆
>
> ترجمہ: اوران میں سے (وہ قصیدہ ہے) جو مَیں نے ایک زمانہ قبل سنہ ۱۳۰۰ھ میں نظم کیا تھا، تو مَیں نے حیرت انگیز طور پر مطلب و ارادے سے فزوں تر نہایت سرعت کے ساتھ اس کی قبولیت و اجابت کا مشاہدہ کیا۔ تمام تعریفیں ہمیشہ اللہ ہی کے لیے ہیں، مَیں امید کرتا ہوں کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے۔

قصیدتان رائعتان کے چند اہم پہلو:

قصیدتان رائعتان پر خصوصاً اور فاضل بریلوی کی عربی شاعری پر عموماً اردو اور عربی دونوں زبانوں میں خاصا لکھا گیا ہے۔ اہل علم و تحقیق نے مختلف پہلوؤں اور گوشوں سے ان قصائد کا یا عمومی طور سے فاضل بریلوی کی عربی شاعری کا مطالعہ کیا ہے اور اس کے فنی، شعری اور لغوی خصائص و محاسن اجاگر کیے ہیں، لیکن قصیدتان رائعتان کے مطالعہ و تحقیق کے دوران چند ایسے گوشے راقم کے سامنے آئے جن پر غالباً آج تک محققین کی توجہ نہیں ہوئی۔

قصائد کا لسانی، عروضی، فکری، شعری اور موضوعاتی مطالعہ کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کسی بہت کہنہ مشق شاعر کی فکر عالی کا نتیجہ ہے، مگر آپ کو شاید یہ سن کر حیرت ہو کہ جس وقت یہ قصیدے نظم کیے گئے اُس وقت حضرت فاضل بریلوی کی عمر محض ۲۷ رسال پانچ ماہ تھی، نیز یہ کہ ان کی عربی شاعری کے جتنے نمونے اب تک دستیاب ہوئے ہیں (جن کو بساتین الغفران میں جمع کر دیا گیا ہے) ان میں چند ایک قطعات تاریخ کے علاوہ پورا کا پورا کلام سنہ ۱۳۰۰ھ کے بعد کا

☆ رحب الساحة مشمولہ فتاویٰ رضویہ (جدید): جلد دوم/ص ۴۲۲، پور بندر، ۲۰۰۳ء

ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قصیدتان رائعتان فاضل بریلوی کی زندگی کے سب سے اولین عربی قصیدے ہیں۔

قصیدتان رائعتان کا ایک تیسرا پہلو بھی بہت اہم ہے، غالبًا اس کی طرف بھی ابھی تک کسی کی نظر نہیں گئی۔ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا تھا کہ قصیدتان رائعتان کا پہلا قصیدہ ۲۴۳؍ اور دوسرا ۷۰؍ اشعار پر مشتمل ہے، ان کے مطالعے کے دوران یہ اہم انکشاف ہوا کہ ۳۱۳؍ اشعار کے ان دونوں قصیدوں میں کہیں پر قافیہ کی تکرار نہیں ہوئی ہے۔

پہلا قصیدہ جو ۲۴۳؍ اشعار پر مشتمل طویل قصیدہ ہے اُس میں بعض جگہ آپ کو تکرار قافیہ کا گمان ہوگا مگر غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ قافیہ مکرر نہیں بلکہ صرف صورتاً لفظ میں یکسانیت ہے معنی الگ الگ ہے۔ ہم یہاں چند مثالیں ہدیہ ناظرین کررہے ہیں:

۱- 'مَـعَـانٍ' شعر ۳۴؍ اور شعر ۱۳۲؍ دو جگہ آیا ہے، مگر پہلی جگہ معنی کی جمع ہے، دوسری جگہ مکان کے وزن پر مکانٍ ہی کے معنی میں ہے۔

۲- لفظ أَعْيَـان شعر ۴۹/۱۹۹؍ اور ۲۲۷؍ تین جگہ آیا ہے، مگر پہلی جگہ 'الـعيـن' بمعنی سردار قوم کی جمع ہے، دوسری جگہ أَعْيَا فعل اور ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول ہے، تیسری جگہ أَعْيَانِي العين بمعنی آنکھ کی جمع ہے جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہے۔

۳- آنٍ شعر ۱۶/۵۹؍ اور ۱۵۶؍ تین مقامات پر آیا ہے، مگر پہلے مقام پر قریب کے معنی میں، دوسری جگہ الآن اِسی وقت کے معنی میں ہے، تیسری جگہ الآن گرم پانی کے معنی میں آیا ہے۔

۴- الرضوانٍ ۱۲۹؍ اور ۲۳۰؍ دو جگہ آیا ہے، مگر پہلی جگہ رضا و خوشنودی کے معنی میں ہے اور دوسری جگہ داروغہ جنت کا نام ہے۔

۵- أزمـــان شعر ۱۹؍ اور ۱۵۳؍ دو جگہ آیا ہے، مگر پہلی جگہ ایک عربی عورت کا نام ہے، دوسری جگہ الزمن کی جمع أزمان بروزن افعال ہے۔

۶- جَـنَـانٍ شعر ۲۹؍ اور ۳۰؍ دو جگہ آیا ہے مگر پہلی جگہ لوگوں کی جماعت اور دوسری جگہ دل کے معنی میں ہے۔

۷- شَـــانٍ شعر ۱۱/۴۳؍ اور ۶۱؍ تین جگہ آیا ہے، پہلے مقام پر شـــان بمعنی کام یا ضمیر متکلم کی طرف مضاف شـانـي ہے، دوسری جگہ 'مـجيد الشانٍ' بمعنی بزرگ مرتبے والا، تیسری جگہ شـانـي دشمن

کے معنی میں ہے۔

یہ چند مثالیں ہم نے بطور نمونہ پیش کی ہیں، ان مقامات کے علاوہ صرف ۵/مقامات اور ہیں جہاں تکرار قافیہ کا وہم ہوتا ہے، مگر غور سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ تکرار نہیں ہے، بلکہ دونوں کا معنی الگ الگ ہے۔ ہاں البتہ صرف ایک قافیے کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ قصیدے میں دوبار آیا ہے 'البان' (بمعنی درخت) قصیدے کے سب سے پہلے اور سب سے آخری مصرع میں مکرر ہوا ہے، مگر یہاں تو ایک خاص مقصد کے تحت پورا مصرع ہی مکرر ہے لہٰذا اس کو بھی تکرار قافیہ نہیں کہا جا سکتا۔

یہی صورت حال قصیدہ دالیہ میں بھی ہے، یہ بھی تکرار قافیہ سے خالی ہے۔ اس میں صرف ایک مقام پر تکرار کا شبہ ہوتا جس کا ازالہ مصنف نے خود حاشیہ میں کر دیا ہے۔ شعر ۱۲/ کا مصرع

بكتابه وبأحمد

ہے، اس میں لفظ 'احمد' سے حضور اکرم ﷺ کا نام نامی مراد ہے۔ پھر شعر ۶۸/ میں فرمایا کہ:

دوماً على من يوصف بمحمد وبأحمد

یہاں پھر لفظ 'احمد' آ گیا، اس سے وہم ہوا کہ قافیہ مکرر ہے، مصنف نے حاشیہ میں وضاحت کر کے وہم دور کر دیا، لکھتے ہیں:

> أراد المعاني اللغوية فصح قوله يوصف ولم يلزم تكرار القافية
>
> ترجمہ: یہاں (لفظ محمد اور احمد کے) معانی لغویہ مراد لیے گئے ہیں، لہٰذا شاعر کا 'یوصف' کہنا درست ہو گیا اور اس سے قافیہ کی تکرار بھی لازم نہیں آئی۔

مطلب یہ کہ وہاں لفظ 'احمد' حضور اکرم ﷺ کے علم کے طور پر آیا ہے اور یہاں اپنے لغوی معنی (بہت زیادہ حمد کرنے والا) میں ہے۔ اس ایک مقام کے علاوہ پورے قصیدے میں ایک لفظ دو بار بطور قافیہ نہیں آیا ہے۔

قصیدتان رائعتان کا عروضی جائزہ:

زیر نظر دونوں قصیدے، بحر کامل میں ہیں، پہلا قصیدہ (نونیہ) بحر کامل تام میں ہے اور دوسرا (دالیہ) بحر کامل مجزو میں۔

بحر کامل میں چھ تفعیلات ہوتے ہیں، تین پہلے شطر میں اور تین دوسرے شطر میں اس کا پورا

وزن یوں ہے :

مُتَفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ ☆ مُتَفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ

پہلے شطر کا آخری تفعیلہ عروض کہلاتا ہے اور دوسرے شطر کا آخری تفعیلہ ضرب کہلاتا ہے، باقی تفعیلات کو حشو کہا جاتا ہے۔ بحر کامل کی تین عروض اور نو ضروب ہوتی ہیں۔

بحر کامل مجزو کا مطلب یہ ہے کہ ہر شطر میں تین کی بجائے صرف دو دو تفعیلات ہی ہوں، یعنی عروض اور ضرب دونوں حذف کر دیے جائیں، جیسا کہ آئندہ سطور میں تقطیع کے ذریعے واضح ہوگا۔

بحر رجز اور بحر کامل میں نہایت باریک فرق ہے کیونکہ بحر رجز میں مندرجہ ذیل چھ تفعیلات ہوتے ہیں:

مُسْتَفْعِلُنْ/ مُسْتَفْعِلُنْ/مُسْتَفْعِلُنْ ☆ مُسْتَفْعِلُنْ/مُسْتَفْعِلُنْ/ مُسْتَفْعِلُنْ

اور بحر کامل میں بھی چھ تفعیلات ہیں:

مُتَفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ ☆ مُتَفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ

لیکن کبھی کبھی مُتَفَاْعِلُنْ میں زحاف اضمار ہوتا ہے اور مُتَفَاْعِلُنْ سے مُتْفَاْعِلُنْ (بسکون تا) ہو جاتا ہے جو عروضی لحاظ سے بعینہ مُسْتَفْعِلُنْ ہے۔ بحر کامل میں یہ زحاف ہر ہر تفعیلے میں بھی ہو سکتا ہے، اگر ایسا ہو تو پھر یہ امتیاز کرنا ممکن نہیں ہوگا کہ شعر کا تعلق بحر کامل سے ہے اور اس میں زحاف اضمار ہوا ہے یا شعر کا تعلق بحر رجز سے ہے اور بلا زحاف صحیح ہے۔ لہٰذا اگر پورا کا پورا قصیدہ مُسْتَفْعِلُنْ پر مبنی ہو اور کہیں بھی مُتَفَاْعِلُنْ نہ ہو تو وہ بحر رجز میں ہے، لیکن اگر کسی ایک تفعیلے میں بھی مُتَفَاْعِلُنْ آ گیا ہو تو وہ بحر رجز نہیں بلکہ بحر کامل میں ہوگا۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم نونیہ کے مطلع کی تقطیع پیش کرتے ہیں تا کہ اس کا وزن متعین ہو سکے۔

رَنَّ الْحَمَا ـم علی شجو ـ ن البانی ☆ یَا مَا أُمَیْ ـلحَ ذِکْرَ بِیْ ـضِ الْبَانی

/٥/٥//٥ ـ ///٥//٥ ـ /٥/٥//٥ ☆ /٥/٥//٥ ـ ///٥//٥ـ /٥/٥//٥

مُتْفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُن /مُتْفَاْعِلْ ☆ مُتْفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ /مُتْفَاْعِل

اس تقطیع سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مطلع بحر رجز میں نہیں بلکہ بحر کامل میں ہے، جس میں اصل تفعیلہ تو مُتَفَاْعِلُنْ ہی ہے لیکن کبھی 'اضمار' نام کا زحاف ہوتا ہے اور مُتَفَاْعِلُنْ جا کر مُتْفَاْعِلُنْ ہو جاتا ہے۔

عروضی لحاظ سے یہ زحاف کوئی عیب نہیں ہے بلکہ عام اور جائز ہے، آپ کسی بھی عربی شاعر کا کلام جو بحر کامل میں ہو لیں تو اس میں جا بجا یہ زحاف پائیں گے۔ کبھی کبھی تو پورے مصرعے میں مُتْفَاعِلُنْ آئے گا اس سے شعر کی فنی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، زیر نظر قصیدے میں بھی جا بجا آپ کو اس زحاف کا سامنا ہوگا۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ مُتَفَاعِلُنْ میں دوسرا متحرک حرف کبھی حذف کر دیا جاتا ہے اور مُفَاعِلُنْ ہو جاتا ہے، اسے وقص کہتے ہیں۔

زحاف ایسی تبدیلی کو کہتے ہیں جو سبب کے دوسرے حرف سے متعلق ہوتی ہے۔ سبب کی دو قسمیں ہیں سبب خفیف اور سبب ثقیل۔ سبب خفیف دو حرفوں سے مرکب ہوتا ہے ایک متحرک اور دوسرا ساکن جیسے هَلْ، مَنْ وغیرہ۔ سبب ثقیل بھی دو حرفوں سے مرکب ہوتا ہے لیکن دونوں متحرک ہوتے ہیں جیسے لَكَ، بِكَ وغیرہ۔ واضح رہے کہ زحاف عروض، ضرب اور حشو سب میں ہو سکتا ہے لیکن یہ لازم نہیں ہوتا ہے، یعنی اگر قصیدے کے کسی شعر میں واقع ہو تو پورے قصیدے میں اس کی پابندی ضروری نہیں ہوتی ہے۔ اس زحاف کی صورت یہ ہوتی ہے کہ یا تو متحرک حرف کو ساکن کر دیا جاتا ہے یا اسے سرے سے حذف کر دیا جاتا ہے یا ساکن کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے مُتَفَاعِلُنْ سے مُتْفَاعِلُنْ، یا مُتَفَاعِلُنْ سے مُفَاعِلُنْ، پہلی صورت کو اضمار کہتے ہیں اور دوسری کو وقص کہتے ہیں۔ ماہرین عروض نے بحر کامل میں زحاف اضمار کو حسن اور وقص کو صالح قرار دیا ہے، لیکن ہمارے ناقص مطالعے کی حد تک آپ ان دونوں قصیدوں میں زحاف وقص کہیں نہیں پائیں گے۔

مزید وضاحت کے لیے ایک اور شعر کی تقطیع کرتے ہیں، اس قصیدے کا دوسرا شعر یوں ہے:

تَبْكِي دَمَنْ/وَتَقُوْلُ فِي/أَسْجَاعِهَا☆اَللّٰهُ يُضْ/ حِكُ سِنَّ مَنْ/أَبْكَانِي
/٥/٥//٥ ـ ///٥//٥ ـ /٥/٥//☆/٥/٥//٥ ـ ///٥//٥ ـ /٥/٥/٥

مُتْفَاعِلُن/مُتَفَاعِلُنْ/مُتْفَاعِلُنْ☆مُتْفَاعِلُنْ/مُتَفَاعِلُنْ/مُتْفَاعِلْ

آپ نے غور کیا ہوگا کہ اس قصیدے کے مطلع کے عروض میں زحاف اضمار وقطع واقع ہوا تھا یعنی مُتَفَاعِلُنْ سے مُتْفَاعِلْ ہو گیا تھا، یہی حال اس کے ضرب کا بھی تھا، لیکن اس شعر میں عروض سالم وصحیح ہے جب کہ ضرب مضمر اور مقطوع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زحاف اضمار لازم نہیں ہوتا ہے، اگر ایک تفعیلے میں واقع ہو تو سب میں اس کی رعایت ضروری نہیں ہوتی ہے، لیکن ضرب کے متعلق

یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ اگر قصیدے کی تشکیل کسی خاص ضرب پر ہو تو سارا قصیدہ اسی پر جاری ہوگا، اس لیے اس قصیدے میں ضرب کی بنیاد قطع پر ہے تو سارا قصیدہ مقطوع الضرب ہی ہوگا، البتہ اس میں اضمار لازم نہیں ہے بلکہ کبھی اضمار ہوگا اور کبھی بغیر اضمار کے بھی ہوگا۔

ہم نے اوپر عرض کیا تھا کہ دوسرا قصیدہ (یعنی دالیہ) بحر کامل مجزو میں ہے۔ اس کے مطلع کی تقطیع اس طرح ہوگی:

اَلْــحَــمْــدُ لِــلْــمُـتَـوَحِّــدِ   بِــجَلَالِــــهِ الْــمُـتَــفَــرِّدِ

اَلْحَمْدُ لِل/مُتَوَحِّدِيْ ☆ بِجَلَالِهِ ال/مُتَفَرِّدِيْ

//۰ /// ـ //۰ ///☆ //۰ /// ـ //۰/۰/

مُتْفَاْعِلُنْ/مُتَفَاْعِلُنْ☆مُتَفَاْعِلُنْ/مُتَفَاْعِلُنْ

اس شعر میں دال کے کسرے کو اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا اس لیے یا کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس تقطیع سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ شعر بحر کامل پر ہے، کیونکہ اس میں مُتَفَاْعِلُنْ کا تفعیلہ مکرر ہے۔ یہ بات بھی سامنے آ گئی کہ یہ بحر کامل تام نہیں ہے بلکہ بحر کامل مجزو ہے کیونکہ اس میں ہر شطر میں دو دو تفعیلے ہی ہیں جب کہ بحر کامل تام میں ہر ہر شطر میں مُتَفَاْعِلُنْ کے تین تین تفعیلات ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس تقطیع سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ اس میں زحاف اضمار واقع ہے، کیونکہ مُتَفَاْعِلُن مُتْفَاْعِلُنْ (بسکون تا) ہوا ہے، لیکن جیسا کہ ہم پہلے ذکر چکے ہیں کہ یہ زحاف باتفاق عروضیین جائز ہے۔

لسانی جائزہ:

کلام بلیغ کی تعریف کرتے ہوئے علامہ جرجانی نے لکھا ہے کہ ''مجاز و استعارے لطیف ہوں، تمثیل و کنایات دلکش ہوں، کلام برمحل و برجستہ ہو، الفاظ کی نشست مضبوط اور بندش چست ہو''۔ یہ حقیقت ہے کہ کلام کی شگفتگی و شستگی اور دلکشی و دل نشینی وجوہ بلاغت اور صنائع و بدائع سے دوبالا ہو جاتی ہے، لیکن بے تکلف ان کی بھرمار سے کلام کا حسن و جمال متأثر ہوتا ہے۔ بعد کے زمانے میں صنائع و بدائع کی کثرت اور ان میں نئے نئے تجربات کا رجحان پیدا ہوا جس سے شاعر یا نثر نگار کی قابلیت تو تسلیم کی گئی لیکن شعر یا نثر کا حسن و جمال جاتا رہا۔ زیر نظر قصائد زمانی اعتبار سے اگرچہ اسی آخری عہد میں نظم کیے گئے ہیں لیکن لسانی نقطۂ نظر سے یہ اُس عہد کی نمائندگی نہیں

کرتے، بلکہ ساخت، ہیئت، زبان و بیان اور اظہار و ابلاغ کے اعتبار سے یہ عربی کی قدیم روایتی شاعری کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔

جب ہم ان کے شعری محاسن اور لسانی خصوصیات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات بہت نمایاں ہوکر سامنے آتی ہے کہ ان میں فکر وفن اور زبان و بیان کی وہ خوبیاں اور محاسن موجود ہیں جو کسی بھی فن پارے کو اہمیت و وقعت عطا کرتے ہیں۔

کنایہ میں جدت وندرت، اشارہ میں حسن ونزاکت، تکلف وتصنع میں قلت، حسن تشبیہ اور عمدہ بندش ان کی لسانی خصوصیات قرار دیے جا سکتے ہیں۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ یہ شاعری درباری شاعری کی طرح حصول زر اور حصول منصب و امارت کی خاطر معرض وجود میں نہیں آئی جس میں شاعر کے باطن اور شعر کے ظاہر میں بون بعید ہوتا ہے بلکہ یہ شاعری وہ ہے جس میں دل کے میلانات، طبعی رجحانات، عقیدہ اور عقیدت ظاہری کلام سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ اسی لیے ان میں فنی رچاؤ کے پہلو بہ پہلو والہانہ شیفتگی، دل گداختگی، نظریاتی توانائی اور سوز وگداز عنصر غالب کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔

قدیم عربی شاعری اپنے حسن و جمال کے نکھار کے لیے مجاز واستعارات، کنایات وتشبیہ اور محاورہ وامثال سے قوت وتوانائی حاصل کرتی تھی۔ طلوع اسلام کے بعد اس نے قرآنی اور حدیثی تعبیرات سے بھی بھرپور استفادہ کیا۔

قرآن کے اعجاز لغوی و بلاغی اور حدیث کے لسانی پہلوؤں پر گفتگو کر کے یہاں مقدمے کو طویل کرنا مقصود نہیں کیوں کہ ان دونوں پر اہل علم ونظر نے اتنا کچھ لکھ دیا ہے کہ صرف اسی موضوع کی کتابوں سے ایک لائبریری تیار ہو سکتی ہے۔ یہاں صرف یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ زیر نظر قصائد میں بھی قرآن کریم کی تعبیرات اور حدیث نبوی کے اقتباس واشارات سے کلام کی رعنائی، حسن و جمال اور خوبیٔ بیان کو جلا بخشی گئی ہے۔ ذیل میں ہم اسی زاویے سے قصائد کا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

قرآنی اقتباسات:

قرآن کریم نے اعجازی طور پر فصاحت و بلاغت اور حسن بیان کا وہ اعلی وارفع نمونہ پیش کیا کہ انسانی عقل وذہن اور قابلیت ومہارت اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے۔ قصیدتان رائعتان

میں قرآن کریم کی تعبیرات کو بڑے حسن نظم اور پوری مہارت کے ساتھ اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہم یہاں اختصار کے پیش نظر صرف تین مثالوں پر اکتفا کر رہے ہیں۔☆

(۱) اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

> وما لهم به من علم إن يتبعون إلا الظن **وإن الظن لا يغني من** الحق شيئا (**النجم: آیت ۲۸**)
>
> **ترجمہ: اور ان (کافروں) کو اس کا کچھ بھی علم نہیں ہے، وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور بے شک گمان حق کے مقابلے میں کسی کام نہیں آتا۔**

اس آیت سے استفادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هـــذاكَ ظَـــنُّهُـــمُ الَّـــذِيْ أَرْداهُـــمُ　　　　**وَالـظَّـنُّ لا يُـغْـنِـيْ مِـنَ** الْـــإيْـقَـانِ

> **ترجمہ: یہی ان کا گمان ہے جس نے انہیں ہلاک کر دیا اور گمان یقین کے مقابلے میں کسی کام نہیں آتا۔ (شعر: ۱۵۴)**

(۲) فرمان باری تعالیٰ ہے:

> ألـم تـر أن الـلـه يـزجـي سحاباً ثم يؤلف بينه ثم يجعله ركاماً فترى **الودق يخرج من خلاله (النور: آیت ۴۳)**
>
> **ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے، پھر انہیں آپس میں ملاتا ہے، پھر انہیں تہ بہ تہ بنا دیتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے بارش کا پانی نکلتا ہے۔**

اس آیت کریمہ سے استفادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَلْـوَدْقُ يَـخْـرُجُ مِنْ خِلَالِ سَـحَـابِـهٖ　　　　فَـالـرَّعْـدُ يَـنْـدُبُ أَيْـنَ مِـنْ ظَـمْـاٰنِ

> **ترجمہ: (ممدوح کے جود وسخا کے) بادلوں کے درمیان سے بارش نکلتی ہے اور کڑکنے والی بجلی پکارتی ہے کہ پیاسے کہاں ہیں؟ (کہ مَیں ان کو سیراب کر دوں)۔ (شعر: ٦٠)**

☆ اس کے علاوہ قرآنی اقتباسات قصیدۂ نونیہ کے شعر ۸۹/۱۳۶/۱۷۸/۱۹۴/ اور دالیہ کے شعر ۲۷/۳۷/۳۹/ اور ۴۱/ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کافروں کے بارے میں فرماتا ہے:

قالوا ربنا **غلبت علینا شقوتنا** و کنا قوماً ضالین (**المؤمنون: آیت ۱۰۶**)

ترجمہ: وہ (کافر) کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آئی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔

قصیدہ دالیہ میں منافقین اور اہل ضلال کے بارے میں فرماتے ہیں:

غَلَبَتْهُ شِقْوَتُهُ وَقَدْ بُدِئَ الْكِتَابُ بِمَا بُدِي

ترجمہ: اس پر اس کی شقاوت ونحوست غالب آ گئی، یقیناً لوح محفوظ کا جس سے آغاز ہونا تھا آغاز ہوا۔ (شعر: ۳۹)

حدیثی اشارات:

حدیث پاک اسلام وشریعت کا منبع ہونے کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ بھی ہے۔ یہ قصائد چونکہ مذہبی شخصیات کی مدح اور صالح مذہبی افکار کے حامل ہیں، اس لیے حدیث نبوی سے استفادہ ایک ناگزیر امر تھا، شاعر نے جابجا احادیث سے استفادہ کیا ہے، یہ استفادہ کہیں صرف الفاظ وتعبیر کی حد تک ہے اور کہیں اپنے الفاظ وتعبیر میں حدیث پاک کے کسی مضمون کی تلمیح ہے۔

اس سلسلے میں بھی ہم صرف تین مثالوں پر اکتفا کر رہے ہیں باقی مثالیں اور تفصیلات آپ ترجمہ وتشریح کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں گے۔☆

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لستُ من دد ولا دد مني (**مجمع الزوائد: ہیثمی، ج۸/ص۲۲۹**)

اس حدیث پاک سے استفادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِذْ مَا دَدٌ مِنِّي وَلا أَنَا مِنْ دَدٍ إِذْ جِئْتُ أَمْدَحُ رُحْلَةًلِاَوَانِيْ

ترجمہ: کیونکہ نہ مجھ سے لہو ولعب ہے اور نہ مَیں لہو ولعب سے ہوں۔ مَیں تو فقط اُس ذاتِ گرامی کی مدح سرائی کے لیے آیا ہوں جو زمانے کے لیے مرجع خلائق ہے۔ (شعر: ۳۹)

(۲) ایک شعر کے دونوں مصرعوں میں حدیث پاک سے استفادہ کیا گیا ہے، یہ شعر حضرت تاج

☆ دیکھیے نونیہ کا شعر ۷۷/۷۸/۸۲/۱۴۵/۱۵۹/۱۷۴/۱۷۵/۲۲۳/۲۲۶/۲۳۱/ اور دالیہ کا شعر ۱۹/۲۴/ اور ۳۹/ وغیرہ۔

الفحول کی مدح میں ہے، فرماتے ہیں:

فَالْقَوْمُ لا يَشْقَى بِهِمْ جُلَسَاؤُهُمْ   وَالطِّيْبُ حَظٌّ فِيْهِ لِلنَّدْمَان

ترجمہ: (یہ جماعت) وہ جماعت ہے کہ جن کے ہم نشیں بد بخت وشقی نہیں ہو سکتے اور خوشبو میں ہم نشینوں کا بھی حصہ ہے۔ (شعر: ۱۴۵)

پہلے مصرع میں ایک طویل حدیث قدسی کا اقتباس ہے، اللہ رب العزت اہل ذکر بندوں کے بارے میں فرماتا ہے:

هم القوم لا يشقى بهم جليسهم (صحیح مسلم: حدیث نمبر ۲۶۸۹)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کا ہم نشین بھی بد بخت نہیں ہوتا۔

دوسرے مصرع کے نیچے بین السطور میں لکھتے ہیں: ''إشارة إلى حديث الجليس الصالح''۔ یعنی اس مصرع میں جلیس صالح والی حدیث کی جانب اشارہ ہے، یہ حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مثل الجليس الصالح والسوء كحامل المسك ونافخ الكير فحامل المسك إما أن يحذيك وإما أن تبتاع منه وإما أن تجد منه ريحا طيبة ونافخ الكير إما أن يحرق ثيابك إما أن تجد ريحا خبيثة (صحیح بخاری: حدیث نمبر ۲۱۰۱)

ترجمہ: نیک اور بد مصاحب کی مثال مشک والے اور بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے۔ مشک والا یا تو تمہیں یوں ہی مشک پیش کر دے گا، یا تم اس سے مشک خرید لوگے، یا کم از کم تم کو اُس سے اچھی خوشبو آئے گی۔ بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا ورنہ تم کو اس سے بد بو آئے گی۔

(۳) حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

أنا عند ظن عبدي بي (بخاری: ۷۴۰۵/ مسلم: ۲۶۷۵)

ترجمہ: مَیں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے ساتھ رکھتا ہے۔

اس حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قَدْ قُلْتَ إِنِّيْ عِنْدَ ظَنِّ الْعَبْدِ بِيْ   ظَنِّيْ بِكَ الْإِحْسَانُ يَا مَنَّانِيْ

ترجمہ: تیرا فرمان ہے کہ مَیں اپنے بندے کے گمان پر ہوں، تو اے میرے منان! (بہت زیادہ احسان کرنے والے) مَیں تیرے متعلق احسان و کرم کا گمان رکھتا ہوں۔ (شعر:۲۲۶)

امثال ومحاورات:

دوسری زبانوں کے مقابلے میں عربی زبان کا دامن امثال و محاورات کے ذخیرے سے بہت زیادہ مالا مال ہے۔ امثال و محاورات مختلف اصناف بلاغت کے حسین امتزاج سے تشکیل پاتے ہیں اور عوام و خواص کا بے تکلف استعمال ان کی مقبولیت پر مہر تصدیق ثبت کر دیتا ہے۔ امثال اور بالخصوص محاورات کی حیثیت زبانوں میں ویسی ہی ہوتی ہے جیسی روح کی حیثیت جسم میں ہوتی ہے۔☆

زیرِ نظر قصائد میں فنکارانہ مہارت کے ساتھ امثال ومحاورات کا برمحل اور برجستہ استعمال کر کے شاعر نے زور بیان اور کلام کی نزاکت میں اضافہ کیا ہے۔ یہاں ہم ان دونوں کی صرف ایک ایک مثال پیش کر رہے ہیں۔

(۱) کوئی شخص کسی وصف یا کمال میں انتہائی مرتبے کو پہنچ جائے کہ اس کے بعد کوئی اور مرتبہ متصور نہ ہو تو ایسے موقع پر عربی میں ایک مثل استعمال ہوتی ہے 'ليس وراء عبادان قرية' یعنی عبادان کے بعد کوئی گاؤں نہیں ہے، چونکہ عبادان ایک ایسے مقام پر آباد تھا کہ اس کے بعد خشکی نہیں ہے بلکہ سمندر ہے۔ اس مثل کو ذہن میں رکھ کر منقبت محبوب سبحانی کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

مَنْ قَالَ لَيْسَ وَرَاءَ عَبَّادَانَ شَيْ أَنْتَ الْوَرَاءُ وَرَاءَ عَبَّادَانِ

ترجمہ: کون کہتا ہے کہ عبّادان کے بعد کوئی چیز نہیں ہے، آپ عبّادان کے ماورا ہیں۔ (شعر:۱۶۶)

حاشیے میں وضاحت فرماتے ہیں:

> مثل للعرب إذا أرادوا أن فلاناً منتهى النهايات قالوا ليس وراء عبادان قرية۔

☆ امثال ومحاورات کی تعریف و اہمیت، ان کے درمیان فرق اور ان کے دیگر اہم پہلوؤں پر تفصیلی بحث راقم الحروف کی کتاب 'عربی محاورات مع ترجمہ وتعبیرات' کے مقدمے میں ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ: یہ عرب کی ایک مثل ہے، جب وہ (اس مفہوم کا) قصد کرتے ہیں کہ
فلاں شخص آخری انتہا پر پہنچا ہوا ہے تو کہتے ہیں لیس وراء عبادان قریة

یہاں جس خوبصورتی، موقع محل اور صحیح سیاق وسباق میں مثل کو نظم کیا گیا ہے اس کا لطف اہل ذوق ہی اٹھا سکتے ہیں۔

(۲) جب کوئی شخص بڑی تیزی اور عجلت میں کہیں جا رہا ہوتا ہے تو وہ اپنے کپڑے کھینچتا ہوا یا گھسیٹتا ہوا چلتا ہے، یہیں سے محاورہ بنا کہ اگر کوئی بہت تیزی سے چلتا ہوا آئے تو کہتے ہیں 'جاء یجر ردائه' اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوا کہ 'وہ اپنی چادر کھینچتا ہوا یا گھسیٹتا ہوا آیا'، مگر مجازی طور پر بہت تیزی سے آنا مراد ہوتا ہے، محاورے کی اس تفصیل کے بعد اب آپ شعر ملاحظہ فرمائیں۔ اپنے پیرو مرشد حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہٗ کے بارے میں کہتے ہیں:

يَوْمًا أَحَاطَ بِيَ الْعِدَى وَدَنَا الرَّدَى إِذْ جَا يَجُرُّ رِدَاءَهٗ فَرَعَانِيْ

ترجمہ: اُس دن جس دن دشمنوں نے مجھے گھیر لیا اور ہلاکت قریب ہوگئی تو یکایک وہ اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے آئے اور میری حفاظت فرمائی۔ (شعر:۱۲۱)

آپ ایک منظر کا تصور کریں کہ ایک کمزور و ناتواں شخص کو ظالم، ستم پیشہ اور طاقتور لوگ گھیرے ہوئے درپئے آزار ہیں، امید قوی ہے کہ اس کو ہلاک کر کے ہی مانیں گے، بظاہر ایسی کوئی امید بھی نظر نہیں آتی کہ اب کوئی اُس شخص کو بچانے کے لیے آنے والا ہے، اچانک اس کی نگاہ اٹھتی ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ اس کے پیرو مرشد بڑی عجلت سے اس کی امداد کے لیے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ دیکھیں کہ اس نازک موقع پر جو شخص ایک قریب الہلاک کمزور آدمی کو بچانے کے لیے آئے گا وہ کس انداز میں آئے گا، بس اسی منظر میں محاورے جاء یجر ردائه کا لطف پوشیدہ ہے۔ پھر یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اس محاورے سے پہلے 'اذ' فجائیہ لگا دیا جو اچانک یا یکایک کے معنی میں ہے۔ اِس سے محاورے کی معنویت اور شعر کے حسن میں مزید اضافہ ہوگیا۔

وجوہ بلاغت:

بلاغت اپنی تینوں اقسام معانی، بیان، بدیع کے ساتھ زیر نظر قصائد میں جلوہ ریز ہے، جس سے شاعر نے اپنے کلام کی رعنائی، نزاکت، دل نشینی و دل آویزی میں اضافہ کیا ہے۔ اشعار کی شرح کے ذیل میں حسب موقع وجوہ بلاغت سجع و جناس، طباق و مقابلہ، اور تشبیہ و استعارہ و کنایہ

وغیرہ کی طرف اشارات کر دیے گئے ہیں۔ یہاں اختصار کے پیش نظر صرف تین مثالوں پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

(۱) جناس کی ایک خوبصورت مثال دیکھیں:

أَنَا قَيْسُ نَجْدٍ فِيْهِ نُزْهَةُ جَنَّةٍ　　هِيَ جُنَّةٌ مِنْ جِنَّةٍ لِجَنَانٖ

ترجمہ: مَیں ایسے نجد کا قیس ہوں جس میں باغ کی نزہت ہے اور یہی نزہت لوگوں کو دیوانگی (سے بچانے) کے لیے ڈھال ہے۔ (شعر: ۲۹)

پہلا لفظ جَنَّةٌ (گلشن) ہے، دوسرا جُنَّةٌ (ڈھال) ہے، تیسرا جِنَّةٌ (دیوانگی) ہے۔ ان کا حسن اجتماع جو لطف دے رہا ہے وہ اہل ذوق سے مخفی نہیں۔

(۲) سیف اللہ المسلول کی شان میں دو شعر ہیں جن میں تقابل کی بہت عمدہ مثال ہے۔

شَرَقَتْ شَوَارِقُ لُطْفِهٖ فَتَبَلَّجَتْ　　زُهَرُ الرَّشَادِ تَبَلُّجَ الْعِقْيَانٖ
بَرَقَتْ بَوَارِقُ سَيْفِهٖ فَتَأَجَّجَتْ　　هَامُ الْعِنَادِ تَأَجُّجَ النِّيْرَانٖ

ترجمہ: ان کے لطف و کرم کی بجلیاں کوندھیں تو رشد و ہدایت کے شگوفے ایسے چمکے جیسے خالص سونا چمکتا ہے۔ ان کی تلوار چمکی تو بغض و عناد کے سر بھڑک اٹھے جیسے آگ بھڑکتی ہے۔ (شعر: ۵۷/۵۸)

پہلے شعر میں شَرَقَتْ ہے دوسرے میں اس کے مقابلے میں بَرَقَتْ ہے۔ ایک طرف شَوَارِقُ ہے دوسری طرف بَوَارِقُ، ایک طرف لُطْفِهٖ ہے دوسری طرف سَيْفِهٖ، ایک جگہ تَبَلَّجَتْ ہے دوسری طرف تَأَجَّجَتْ، ایک طرف الرَّشَاد ہے دوسری طرف العِنَاد، ایک طرف تَبَلُّجَ العِقْيَانٖ دوسری طرف تَأَجُّجَ النِّيْرَان۔

(۳) استعارہ وتشبیہ کی ایک مثال دیکھیں، بات یہ چل رہی ہے کہ معرکہ حق و باطل میں اہل بدعت و ضلالت نجد سے اپنے مددگار بلالیں، ہم اپنی مدد کے لیے حق و صداقت کے سپاہی (حضرت سیف اللہ المسلول) کو بلالیں گے۔ اب وہ حق و صداقت کا پاسبان کیسا ہے؟ بیان کر رہے ہیں:

أَسَدٍ صَؤُوْلٍ ضَامِرٍ　　بَطَلٍ كَأَغْبَرِ اسُدٖ

سخت حملہ آور بھوکا شیر، بہادر خاکستر رنگ والے شیر کی طرح۔

حضرت سیف اللہ المسلول کو اہل باطل کا مقابلہ کرنے، ان کا رد و ابطال کرنے اور ان کا قلع قمع کرنے میں شیر سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ لیکن صرف 'شیر' کہنے سے حضرت سیف اللہ المسلول کی جرأت، ہیبت حق اور بہادری کی کما حقہ صفت بیان نہیں ہو پائی، اس لیے پھر اسد کی صفت صَــــؤُوْلٍ لائے، اس کا معنی ہے سخت حملہ کرنے والا شیر، مگر پھر احساس ہوا کہ حضرت سیف اللہ المسلول کی دلیری، شجاعت اور اہل باطل پر قہر بن کر حملہ کرنے کی صحیح تصویر کشی کے لیے صرف أَسَدٍ صَؤُوْلٍ بھی ناکافی ہے، لہٰذا اس پر ضـامر کی صفت کا اضافہ کیا، ضـامر بھوکے شیر کو کہتے ہیں، یہ بات معلوم ہے کہ بھوک کی حالت میں شیر اور بھی خطرناک اور سخت حملہ کرنے والا ہو جاتا ہے۔ اس پر پھر بـطـل (بہادر) کا اضافہ کیا، یعنی وہ اہل باطل کے مقابلے میں شیر کی طرح ہیں، شیر بھی وہ جو سخت حملہ آور ہو، وہ بھی ایسا کہ بھوک کی حالت میں ہو، پھر بہادر بھی ہو اور اس سب کے بعد وہ 'أغبـر' ہو، أغبـر خاکستری رنگ والے بھیڑیے یا شیر کو کہتے ہیں، جو حملہ کرنے میں عام شیروں کے مقابلے میں زیادہ سخت ہوتا ہے۔ أغبر بھوکے کی صفت کے طور پر بھی آتا ہے، یعنی بہت شدید بھوکا۔ اس صورت میں مطلب ہوا کہ وہ تمام شیروں میں سب سے زیادہ بھوکا ہو۔

اسرار نحویہ و لغویہ:

عربی نحو و صرف اور لغت پر گہری نظر اور مضبوط گرفت کے بغیر اس پائے کے قصیدے نظم کرنا ممکن نہیں ہے۔ قصیدوں کے حواشی اور بین السطور میں مصنفِ علام نے اسرار نحویہ اور لغویہ کی جانب جو اشارات کیے ہیں وہ مفید اور دلچسپ بھی ہیں اور قواعد و لغت پر دسترس کی دلیل بھی۔ ضیافت طبع کے لیے صرف دو مثالیں قواعد نحویہ کی اور دو مثالیں اسرار لغویہ کی ہدیۂ قارئین ہیں۔ باقی تفصیلات ترجمہ و شرح میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) شعر ۲۲۵ر میں فرمایا:

نَبَعَ الزُّلَالُ بِكَفِّهِ الْمُزْدَان

(ترجمہ: ان کی مبارک ہتھیلی سے میٹھے پانی کے چشمے پھوٹے۔)

یہاں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ لفظ 'کف' مؤنث ہے، اس کی صفت الـمزدان مذکر ہے، یہاں موصوف صفت میں مطابق نہیں پائی گئی۔ حاشیے میں اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اكتسبت التذكير من المضافة إليه كالسور اكتسب التانيث من

المدينة في قوله:

لـمـا أتى خبر الزبير تواضعت   سور المدينة والجبال الخشع

قاله صاحب غاية التحقيق۔

ترجمہ: (لفظ کف نے) اپنے مضاف الیہ (ھ ضمیر مجرور متصل) سے تذکیر حاصل کی ہے، جس طرح لفظ سور نے لفظ المدینہ سے تانیث اخذ کی ہے ان کے اس شعر میں:

لـمـا أتى خبر الزبير تواضعت   سور المدينة والجبال الخشع

(ترجمہ شعر: جب حضرت زبیر کی (شہادت کی) خبر آئی تو مدینہ منورہ کے درو دیوار کانپ گئے اور پہاڑ تھرائے ہوئے تھے۔)

صاحب غایۃ التحقیق نے یہ بات فرمائی ہے۔

اس میں لفظ سور مذکر ہے، اس کی مناسبت سے یہاں فعل تواضعت کا نہیں تواضع کا محل تھا، مگر چونکہ سور کا مضاف الیہ لفظ المدینۃ مؤنث ہے اس لیے سور کو بھی مؤنث مان لیا گیا۔

(۲) شعر ۲۳۱ر میں فرماتے ہیں:

أَبْـدِلْهُـمَـا دَارًا وَجَـارًا خَيِّـرًا   مِـنْ هـؤُلاءِ الـدُّوْرِ وَالْـجِيْـرَان

ترجمہ: ان کو اس دنیا کے گھر اور پڑوسیوں کے بدلے (جنت میں) بہتر گھر اور بہتر پڑوس عطا فرما۔

مصرع ثانی میں اسم اشارہ ’هؤُلاءِ‘ لائے ہیں، اس کا مشار الیہ الدور اور الجیران ہیں، یہاں شبہ پیدا ہوا ہے کہ ’هؤُلاءِ‘ ذوی العقول کے لیے لایا جاتا ہے، جب کہ یہاں ’الدور‘ غیر ذوی العقول ہے۔ اس شبہ کے جواب میں حاشیے میں لکھتے ہیں:

أولاء ربما يشار بها إلى غير ذوي العقول قال تعالىٰ إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولاً قاله أبو إسماعيل الجوهري۔

ترجمہ: اولاء کے ذریعے کبھی غیر ذوی العقول کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولا ابو اسماعیل جوہری نے یہ کہا ہے۔

(۳) نونیہ کا شعر ۹/ ہے:

مَا مَضْمَضَتْ عَيْنِي بِنَوْمٍ مُذْ مَضَتْ   وَكَذَاكَ كُلُّ مُفَارِقِ الْخُلَّانِ

ترجمہ: جب سے محبوب جدا ہوا میری آنکھ (ایک لمحے کو بھی) نہیں سوئی، احباب سے جدا
ہونے والا ہر شخص ایسا ہی ہوتا ہے۔

پہلے مصرع میں لفظ ’مضمضت ‘ آیا ہے، اس کا مطلب ہے کلی کرنا، اب ترجمہ یہ ہوگا کہ جب سے وہ گیا ہے میری آنکھ نے نیند کی کلی نہیں کی۔ لیکن اہل عرب اس کو اس لغوی اور لفظی معنی کے علاوہ بطور محاورہ بھی استعمال کرتے ہیں، محاورے میں اس کا مطلب ہوگا کہ ذرا بھی نہیں سویا یا ایک لمحے کو بھی نہیں سویا۔ یہاں چونکہ شبہ ہوتا کہ مضمضہ (کلی کرنا) تو منھ کے ساتھ ہے یہ آنکھ کے ساتھ کیوں آ گیا؟ حاشیے میں اس شبہ کا ازالہ کرتے ہیں کہ:

المضمضة أصلها للفم لكنها كلمة تقولها العرب إذا أرادوا المبالغة في
نفي النوم

لفظ المضمضة دراصل منھ (سے کلی کرنے) کے لیے آتا ہے، لیکن عرب جب بے
خوابی میں مبالغہ کا ارادہ کرتے ہیں تو اس لفظ کا استعمال کرتے ہیں۔

اب بات واضح ہوگئی کہ یہاں یہ ترکیب اپنے لفظی معنوں میں نہیں بلکہ بطور محاورہ وارد ہے۔

(۴) شعر ۶۵/ میں کہتے ہیں:

أَوْ عِلْمَ تَأوِيْلِ الْقُرَانِ فَيَالَهُ   مِنْ اٰيَةٍ فِي الشَّرْحِ وَالْإِزْكَانِ

ترجمہ: یا تو تفسیر قرآن کا علم چاہتا ہے تو انہیں (یعنی ممدوح کو) شرح و تفسیر اور افہام و تفہیم
میں دسترس و مہارت تامہ حاصل ہے۔

لفظ قرآن بروزن فُعْلَان ہے، مگر پہلے مصرع میں اس کو بروزن فُعَال باندھا ہے، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

القرآن على فعال بنقل حركة الهمزة إلى الراء وحذفها لغة شائعة في
القرآن على فعلان وبهما قرء القرآن في القرآن

لفظ القرآن بروزن فعال (ہمزے کی حرکت نقل کر کے را کو دیدی اور ہمزے کو
حذف کر دیا) القرآن بروزن فعلان میں لغت شائع ہے، قرآن کریم میں

دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

یہاں قصائد کا لسانی جائزہ مکمل ہوتا ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم علامہ ڈاکٹر رشید عبیدی کی شرح و تحقیق کا تنقیدی جائزہ لیں گے۔

شرح وتحقیق از ڈاکٹر رشید عبیدی

ایک تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر رشید عبدالرحمٰن العبیدی بغدادی تحقیق، تنقید، تصنیف، تدوین اور شعر وادب کا ایک بڑا اور معتبر نام ہے۔ بحیثیت محقق، ناقد، ادیب اور شاعر ان کی شہرت عراق سے نکل کر عالم عرب کے عام علمی اور ادبی حلقوں میں پھیلی ہوئی ہے۔☆

۲۰۰۱ء میں انہوں نے زیر نظر قصائد کی شرح وتحقیق کا کام کیا، جو ۲۰۰۲ء میں المجمع الرضوي العليمي کے زیر اہتمام بغداد سے شائع ہوا۔ قصیدوں کی جن خوبیوں نے ان کو تحقیق و تشریح پر آمادہ کیا ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> وإنما قمت بتحقيق هذين النصين الشعريين لما لمست فيهما من المعاني الرائعة التي نظمها الشاعر وما تضمنت أبياتها من الأمثال العربية ، والصور القرآنية والدلالات الحديثية ودقة الإشارات البارعة إلى ذلك كله بأسلوب شعري رشيق جميل (مقدمہ ص:۶)

☆ ڈاکٹر عبیدی کی ولادت ۱۹۴۰ء میں اعظمیہ (عراق) میں ہوئی، جامعہ بغداد سے ۱۹۶۱ء میں بی. اے، جامعۃ القاہرہ (مصر) سے ۱۹۶۶ء میں ایم. فل اور وہیں سے ۱۹۷۲ء میں پی. ایچ. ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ کلیۃ الدراسات الاسلامیۃ بغداد، کلیۃ الآداب مکہ مکرمہ، کلیۃ الآداب مراکش سمیت کئی اہم درسگاہوں میں لغت وادب کے استاذ رہے۔ آخر میں جامعہ صدام (موجودہ جامعہ اسلامیہ) بغداد میں شعبہ عربی وعلوم قرآن کے استاذ اور صدر رہے۔ ڈاکٹریٹ کے ۸۰/ اور ایم. فل کے ۱۰۰/ سے زیادہ مقالے ان کے زیر نگرانی لکھے گئے۔ ۲۰/ کتابوں کی تصنیف وتالیف اور تحقیق وترتیب کا کارنامہ انجام دیا۔ فنون ادبیہ کی مختلف شاخوں پر کم وبیش ۵۰۰/ تحقیقی مقالے اور مضامین قلم بند کیے۔ ۳/ شعری دیوان اپنی یادگار چھوڑے۔ محرم ۱۴۲۸ھ/ فروری ۲۰۰۷ء میں وفات ہوئی۔

ماخوذ از: السيرة العلمية للأستاذ الدكتور رشيد عبدالرحمن العبيدى (مشمولہ شرح قصیدتان رائعتان از عبیدی)

الأستاذ الدكتور رشيد عبدالرحمن العبيدى حياته و جهوده: ڈاکٹر شاکر محمود السعدی، بغداد، ۲۰۱۱ء۔

الدكتور رشيد عبدالرحمن العبيدى و جهوده اللغوية: ڈاکٹر آمنہ محمد حیدر، بغداد، ۲۰۱۱ء۔

> ترجمہ: مَیں نے ان دونوں قصیدوں کی تحقیق کا کام کیا جب کہ مَیں نے ان کے اندر عمدہ معانی محسوس کیے جن کو شاعر نے نظم کیا ہے، (مَیں نے محسوس کیا کہ) ان قصیدوں کے اشعار عمدہ، نازک اور خوبصورت شعری پیرایے میں اپنے اندر امثال عربی، صور قرآنی، دلالات حدیثیہ اور ان سب کی جانب دقت اور مہارت کے ساتھ اشارات رکھتے ہیں۔

کتاب پر ڈاکٹر محمد مجید السعید (رئیس جامعہ صدام، بغداد) کی مختصر مگر جامع تقریظ اور ڈاکٹر عبیدی کا قدرے تفصیلی مقدمہ ہے۔ مقدمے میں انہوں نے فاضل بریلوی کی مختصر حیات، تصنیفی خدمات اور علمی و شعری مقام و مرتبے پر گفتگو کی ہے۔ شرح و تحقیق کے ضمن میں وہ حسب موقع و ضرورت معانی مفردات، ترکیب نحوی اور وجوہ بلاغت بیان کرتے ہیں، پھر شعر کا عمومی مفہوم کہیں اختصار کہیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

فاضل بریلوی کی عربی شاعری کا تعارف کرواتے ہوئے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> يتميز شعر البريلوي بأنه شعر تقليدي ملتزم أي أنه عمودي البنية يهتم بالصياغة الشعرية التي درج عليها شعراء القرن الثالث عشر والرابع عشر الهجريين، وهذه الصياغة تنظر إلى:
>
> ١-نظام التفعيلية الخليلية و عددها في كل شطر
>
> ٢-نظام القافية والروي
>
> ٣-الصياغه اللغوية المباشرة المعتمدة على مبدأ استخدام المحسنات اللفظية والبديعية والاستعارات والتشبيهات البلاغية التي برزت بشكل واضح في شعر الحقبة التي عاشها الشاعر في القرن المتأخرة قبل حركة التجديد في شعراء القرن الرابع عشر والخامس عشر الهجريين۔ (ص:١٩)
>
> ترجمہ: فاضل بریلوی کی شاعری کی خصوصیت میں یہ شامل ہے کہ یہ روایتی اور پابندِ اصول شاعری ہے یعنی اس کی تشکیل کالم کی صورت میں ہوتی ہے اور اس میں اُس شاعرانہ ساخت کا لحاظ شامل ہوتا ہے جس پر تیرہویں اور چودہویں صدی

ہجری کے شعرا چلتے آئے ہیں۔ یہ ساخت مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھتی ہے:

۱۔ خلیل کے ایجاد کردہ اوزان اور ہر مصرعے میں اس کے مساوی وزن کا نظام۔

۲۔ قافیہ اور روی کا نظام۔

۳۔ براہ راست لغوی تشکیل جو لفظی اور بلاغی جمالیات کے اصول پر قائم ہوتی ہے، نیز بلاغی استعارے اور تشبیہات اس میں ملحوظ ہوتے ہیں جو اس زمانے کی شاعری میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں جو پچھلی صدیوں میں شاعر (فاضل بریلوی) کا زمانہ ہے، چودھویں اور پندرہویں صدی ہجری کے شعرا میں جدیدیت کی تحریک پیدا ہونے سے پہلے کا زمانہ۔

آگے لکھتے ہیں:

ویبدو من خلال نظم البریلوي أن له القدرة علی استخدام المفردة اللغویة العربیة استخداماً صحیحاً بدلالتها المعجمیة و السیاقیة و أنه یحاول أن یعطي صورة صادقة عن شعر الحقبة المتأخرة من تاریخ الأدب العربي (ص:۱۹)

ترجمہ: علامہ بریلوی کی شاعری سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو عربی مفردات کو ان کی لغوی اور سیاقی دلالت کے ساتھ صحیح طریقے سے استعمال کرنے پر قدرت حاصل تھی اور ان کی کوشش تھی کہ تاریخ عربی ادب کی زمانہ اخیر کی شاعری کی صحیح اور سچی تصویر پیش کریں۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:

لقد رأیت أن القصیدتین تدلان علی قدرة فائقة من البریلوي في اللغةو أصول التعبیر بها (ص:٦)

ترجمہ: مَیں نے دیکھا کہ دونوں قصیدے عربی لغت اور اس کے اصول تعبیر پر علامہ بریلوی کی قدرت کاملہ پر دلالت کر رہے ہیں۔

مفردات عربی پر قدرت و مہارت کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

و مما یدل علی تمکنه من المفردة العربیة و استعمالها من دلالتها

الصحيحة والاستعمالية قوله :

اخضلت خضل خضيلتي لخضيلتي
بالجود منك ولم تذر لدهان (ص:۲۵)

ترجمہ: ان کا یہ شعر عربی مفردات کو دلالت صحیحہ کے ساتھ استعمال کرنے کی ان کی قدرت پر دلالت کر رہا ہے:

اخضلت خضل خضيلتي لخضيلتي
بالجود منك ولم تذر لدهان

(اے اللہ!) تو نے میری تازگی زندگی کے واسطے میرے مرغزار کی نبات کو اپنی کثیر بارش سے سیراب کر دیا اور قلیل بارش کے لیے نہیں چھوڑا۔

اس اعتراف فن کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر عبیدی نے زیر نظر قصائد پر نحو ولغت یا عروض وقوافی کی جہت سے بعض تنقیدات بھی کی ہیں۔

فاضل بغداد ڈاکٹر رشید عبیدی بغدادی کی فنی و تحقیقی عظمت، لغوی ونحوی مہارت اور بلند علمی مقام کے اعتراف کے باوجود ان کی بعض تشریحات، تحقیقات اور تنقیدات سے مَیں خود کو متفق نہیں پاتا۔ اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کے احساس واقرار کے ساتھ جن مقامات پر مجھے تأمل ہے بطور تطفل اس کا ایک مختصر جائزہ ہدیہ قارئین ہے۔

ہمیں جہاں فاضل بغداد کی رائے سے اتفاق نہیں ہے وہ کئی طرح کے مقامات ہیں۔ مثلاً

الف: ان میں بعض اشعار وہ ہیں جو اپنے پیچھے ایک مخصوص تاریخی پس منظر، کوئی شخصیت یا کسی واقعے کی تلمیح رکھتے ہیں ان کو جانے بغیر شعر کا معنی یا تو واضح نہیں ہو سکتا یا پھر شاعر کی مراد کے خلاف ہو جائے گا۔ ایسے اکثر مقامات پر بغدادی صاحب کی تشریح سے شعر کا معنی شاعر کی مراد کے خلاف ہو گیا۔ علمی دیانت کے طور پر یہاں یہ بات لکھنا ضروری ہے کہ ان تسامحات کی حد تک ہم بغدادی صاحب کو معذور سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے سامنے وہ مخصوص تاریخی پس منظر نہیں تھا جو شعر کی درست تفہیم کے لیے لازمی تھا لہٰذا اگر ایسے مقامات پر ان کے قلم سے لغزش ہوئی ہے تو یہ قابل عفو ہے۔

ب: بعض مقامات وہ ہیں جہاں شاعر نے بین السطور یا حاشیے میں اپنے استعمال کردہ لفظ کا

معنی لکھ کر اپنی مراد ظاہر کر دی تھی، مگر فاضل بغداد نے اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے لفظ کا ایسا معنی بیان کر دیا جس سے شعر کا معنی ہی خبط ہو گیا۔ ایسے مقامات پر بھی بغدادی صاحب کی جانب سے یہ عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ مصنف کے وہ بین السطور یا حواشی فارسی میں تھے اس لیے ان کے لیے نا قابل فہم رہے۔ لیکن جو حواشی یا بین السطور عربی میں تھے وہاں یہ عذر پیش نہیں کیا جا سکتا، ان پر بہر حال بغدادی صاحب کو توجہ کرنا چاہیے تھی۔

ج: چند ایک مقامات ایسے بھی ہیں جہاں فاضل بغداد 'تصحیف' کے ورطے میں پڑ گئے، یعنی شعر میں موجود کسی لفظ کو غلط پڑھ لیا اور اسی کی بنیاد پر مصرع کے وزن کو ساقط یا زبان کو کمزور قرار دے دیا۔

د: بعض مقامات ایسے ہیں کہ شاعر کے استعمال کردہ لفظ کا معنی یا لفظ کا وہ مخصوص وزن بغدادی صاحب کو کسی قاموس میں نہیں ملا، اس بنیاد پر انہوں نے لفظ کی فصاحت یا عربیت پر تأمل کا اظہار کر دیا۔

ہ: ہمیں ان مقامات پر بھی تأمل ہے جہاں فاضل بغداد نے فن عروض وقوافی کی جہت سے بعض مصرعوں یا قوافی پر نقد کیا ہے۔

اب اختصار کے ساتھ ہم فاضلِ بغداد کی شرح کا تنقیدی جائزہ پیش کر رہے ہیں۔ بالترتیب پہلے مقدمے، پھر قصیدۂ نونیہ، اس کے بعد قصیدۂ دالیہ کے متعلق ان کی تحقیق کا جائزہ لیا جائے گا۔

مقدمے کے آغاز میں لکھتے ہیں:

> وعدة أبيات القصيدة الأولى مئتان وأربعة وأربعون بيتاً وعدة أبيات القصيدة الثانية سبعون بيتاً فيجتمع من ذلك ثلاث مائة وأربعة عشر بيتاً (ص:۵)
>
> ترجمہ: پہلے قصیدے کے اشعار کی تعداد ۲۴۴ ہے اور دوسرے قصیدے کے اشعار کی تعداد ۷۰ رہے، کل ملا کر یہ ۳۱۴ اشعار ہو گئے۔

لیکن چونکہ خود مصنف قصائد نے اپنے اشعار کی تعداد اصحاب بدر کی مناسبت سے ۳۱۳ بتائی ہے، اس لیے اپنی تحقیق ۳۱۴ اور شاعر کے بیان ۳۱۳ کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> يمكن تفسيره على أن الثانية وهي التي جاءت على المجزوء الكامل عدتها ٦٩ بيتاً لأن الأبيات الأخيرة منها وردت بشكل

> يدل على تكرار في بعض أشطر القصيدة كما أشرت في آخر التحقيق۔ (ص:۵)
>
> ترجمہ: اس (مصنف کے قول ۳۱۳؍اشعار) کی تفسیر اس طور پر ممکن ہے کہ دوسرا والا قصیدہ جو بحر مجزو کامل میں ہے اس کے اشعار کی تعداد ۶۹؍ ہے، اس لیے کہ اس قصیدے کے آخر کے کچھ اشعار اس طور پر وارد ہوئے ہیں کہ وہ قصیدے کے بعض مصرعوں کی تکرار پر دلالت کر رہے ہیں، جیسا کہ میں نے آخر میں اشارہ کیا ہے۔

یہاں بغدادی صاحب سے اشعار گننے میں سہو ہوا ہے، پہلے قصیدے میں ۲۴۴؍ نہیں بلکہ ۲۴۳؍ اور دوسرے میں ۷۰؍اشعار ہیں، جن کا مجموعہ ۳۱۳؍ ہوتا ہے۔ خود بغدادی صاحب والی اشاعت میں قصیدۂ اول کے اشعار پر ہم نے قلم سے نمبر ڈالے تو ان کی تعداد ۲۴۳؍ ہی ہوئی۔ پھر یہ کہ انھوں نے دونوں اقوال میں تطبیق کی جو صورت بیان کی ہے وہ بھی محل نظر ہے۔

مقدمے میں لکھتے ہیں کہ ان قصیدوں پر ان کے کچھ اعتراضات ہیں جن میں سے بعض کا تعلق تراکیب نحویہ وصیاغات لغویہ سے ہے اور بعض شبہات عیوب قافیہ سے متعلق ہیں۔ عیوب قافیہ سے متعلق لکھتے ہیں:

> شاعر کا تاسیس اور عدم تاسیس کے درمیان اختلال قافیہ کا شکار ہونا۔ یہ ان عیوب میں سے ہے جن کی طرف عروضیوں نے اشارہ کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان کا دوسرا قصیدہ (جو بحر مجزو کامل میں ہے) بغیر تاسیس کے دال کے قافیہ پر پورا ہو رہا ہے، یعنی 'محمد' مؤید، اور تردد وغیرہ لیکن علامہ بریلوی نے کثرت سے تاسیس بھی استعمال کی ہے، جیسے قصیدے کے تیسرے شعر میں:
>
> والآل أمطار الندى
> والصحب سحب عوائد
>
> نواں شعر اس طرح ہے:
>
> يارب يا رباه يا
> كنز الفقير الفاقد

یہ عیب قصیدے میں ۱۶؍مرتبہ آیا ہے۔ (ترجمہ ملخصاً: ص: ۲۳)

یہ درست ہے کہ سناد تاسیس عیوب قافیہ میں سے ہے، مگر دیانت علمی کا تقاضا تھا کہ فاضل بغداد یہاں وضاحت کرتے کہ یہ ان عیوب میں سے ہے جن کو عروضیوں نے مولدین شعرا کے لیے جائز رکھا ہے، لیکن انہوں نے اس جانب کوئی اشارہ نہیں کیا جس سے ایک عام قاری کو یہی تاثر ملتا ہے کہ قصیدے کے ۱۶؍اشعار میں قافیہ کا عیب موجود ہے۔

ماہرین عروض نے قافیے کے ۷؍عیوب کی نشاندہی کی ہے۔ ۱- الاکفاء، ۲- الاقواء، ۳- الاجازۃ، ۴- الاصراف، ۵- الایطاء، ۶- التضمین، ۷- السناد۔☆

ان عیوب میں سے پہلے ۴؍ممنوع ہیں، جب کہ عروضیوں نے آخری ۳؍یعنی ایطا، تضمین اور سناد (مع پانچ اقسام) کو مولدین شعرا کے لیے جائز رکھا ہے۔ علامہ محمد دمنہوری الازہری 'الارشاد الشافی' میں لکھتے ہیں:

> واعلم أن الجائز من هذه السبعة للمولدين الإيطاء و التضمين، و السناد بأقسامها☆☆
>
> ترجمہ: جان لو کہ ان سات (عیوب قافیہ) میں سے مولدین کے لیے ایطا، تضمین اور سناد مع اپنی اقسام کے جائز ہے۔

علامہ دمنہوری نے سناد کی جن اقسام کا ذکر کیا ہے وہ پانچ ہیں: سناد الاشباع، سناد التوجیہ، سناد الحذف، سناد الردف اور سناد التاسیس۔

عروضی و محقق احمد الہاشمی اپنے مشہور منظومے میں قافیے کے عیوب شمار کرانے کے بعد کہتے ہیں:

وَمِثْلُ ذَا يُقَالُ فِيْمَا قَدْ تَلا　　وَلِلْمَوَلَّدِ أَجازَ الْفُضَلا
أن يَنْتَحِی الإيطاءَ وَالتَّضْمِيْنا　　كَذَا السِّنَادُ كُلُّهُ يَقِيْنا ☆☆☆

سناد تاسیس کی مثال میں خطیب تبریزی نے عجاج کے کلام سے حوالہ دیا ہے:

يا دار سلمى أسلمي ثم أسلمي
بسمسم وعن يمين و سمسم

☆ ملخصاً از الكافي في علمي العروض و القوافي: خطیب تبریزی، مکتبۃ الخانجی قاہرہ، ۱۹۹۴ء

☆☆ الارشاد الشافي: دمنہوری، ص ۱۰۳، مطبوعہ حلبی قاہرہ، ۱۳۴۴ھ

☆☆☆ ميزان الذهب في صناعة شعر العرب: احمد الہاشمی، ص ۱۴۲، بیروت ۲۰۰۶ء

اس کے بعد کے ایک شعر میں قافیہ مؤسس ہے:

فخندف هامة هذاالعالم ☆

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سناد تاسیس گو کہ قافیہ کے عیوب میں سے ہے مگر مولدین شعرا کے لیے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے، لہٰذا علمی دیانت کے طور پر ڈاکٹر عبیدی کو اس بات کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔

ڈاکٹر عبیدی نے قصیدتان رائعتان پر دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ ان میں شاعر بنائے تعبیر میں ضعف کا شکار ہوئے ہیں، مثلاً کہیں وزن کی سلامتی کی خاطر متحرک کو ساکن کیا ہے، جیسے:

فبها الزلازل والفتنْ

یہاں وزن کی خاطر نون متحرک مضموم کو ساکن کیا گیا ہے۔ کہیں اشباع حرکت کے ذریعے مد پیدا کیا گیا ہے، جیسے:

يا نفس طاب أوانكِ

یا جیسے:

ونبيك المتفضلُ

یہاں 'متفاعلن' کو پورا کرنے کے لیے اوانك کے کاف اور المتفضل کے لام میں اشباع حرکت ہے۔ کہیں وزن کی سلامتی کے لیے ہمزہ کی تسہیل کا سہارا لیا ہے، مثلاً الرجاء کو الرجا ، الدعاء کو الدعا، ماء کو ماوغیرہ (ملخصاً: ص۲۴/ ۲۵)

ہمارے ناقص خیال میں یہاں بھی فاضل بغداد نے شاعر کے ساتھ انصاف نہیں کیا، انہوں نے تصویر کا صرف ایک رخ پیش کرنے پر اکتفا کیا جس سے ایسا لگتا ہے کہ قصیدتان رائعتان کے شاعر نے قواعد نحویہ وعروض سے ناواقفیت کی بنیاد پر ان غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے، بلکہ معاملہ برعکس ہے۔ یہ قضیہ قدرے تفصیل چاہتا ہے۔

ماہرین فن نے 'ضرورات شعریہ' کو ایک مستقل عنوان کے تحت کتب عروض میں درج کیا ہے اور اس پر نفیاً واثباتاً اور جوازاً وامتناعاً ہر پہلو سے بحث کی ہے، ڈاکٹر محمد بن حسن بن عثمان لکھتے ہیں:

☆ الكافي في علمي العروض و القوافي: خطیب تبریزی، ص: ۱۶۴/ مکتبہ الخانجي قاہرہ، ۱۹۹۴ء

الضرورات الشعرية هي رخص أعطيت للشعراء دون الناثرين في مخالفة قواعد اللغة وأصولها المالوفة، وذلك بهدف استقامة الوزن وجمال الصورة الشعرية، فقيود الشعر كثيرة منها الوزن والقافية واختيار الألفاظ، فيضطر الشاعر أحياناً للمحافظة عليها إلى الخروج على قواعد اللغة من صرف ونحو وماإليها۔

والنظم أربعة أنواع: نظم خالٍ من العيب والضرورة، ونظم فيه عيب، فيضرب به عرض الحائط، و نظم فيه ضرورة قبيحة وهذا مبتذل ونظم فيه ضرورة مقبولة يجوز للشاعر ارتكابها بدون مؤاخذة عليه☆

ترجمہ: 'ضرورات شعریہ' لغت کے قواعد اور اس کے اصول مالوفہ کی مخالفت کے سلسلے میں دی گئی یہ وہ رخصتیں ہیں جو صرف شعرا کو حاصل ہیں نثر نگاروں کو نہیں۔ یہ رخصتیں وزن کی سلامتی اور صورت شعری کی خوبصورتی کے مقصد سے ہوتی ہیں، کیوں کہ شعر کی بہت سی قیدیں ہیں مثلاً وزن، قافیہ اور اختیار اللفظ وغیرہ تو کبھی شاعر ان قیود کی پابندی کی خاطر صرف ونحو کے قواعد کو نظر انداز کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ نظم کی چار قسمیں ہیں: ۱- وہ نظم جو عیوب سے بالکلیہ پاک ہو۔ ۲- وہ نظم جس میں عیب ہوں تو وہ قابل اعتنا نہیں۔ ۳- وہ نظم جس میں ضرورت قبیحہ ہو، یہ نہایت مبتذل (گھٹیا) ہے۔ ۴- وہ نظم جس میں ضرورت مقبولہ ہو، (ایسی نظم میں) شاعر کو جائز ہے کہ وہ (قواعد کی مخالفت) کا ارتکاب کرے بغیر کسی گرفت کے۔

پھر اس کے بعد انہوں نے ان 'ضرورات مقبولہ' کی مندرجہ ذیل صورتیں مع مثال پیش کی ہیں:

صرف ما لاينصرف، قصر الممدود مد المقصور، إبدال همزة القطع وصلاً، قطع همزة الوصل، تخفيف المشدد، تسكين المتحرك و تحريك الساكن، تنوين العلم المنادى، إشباع الحركة، تحريك ميم الجيم، كسر آخر الكلمة إن كان ساكناً۔

فاضل بغداد نے قصیدتان رائعتان سے جو چند مثالیں پیش کی ہیں ان کو آپ بغور دیکھیں تو

☆ المرشد الوافي في العروض والقوافي: ڈاکٹر محمد بن حسن بن عثمان، ۱۹۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۴ء

ضرورات مقبولہ کی مندرجہ بالا صورتوں سے باہر نظر نہیں آئیں گی۔

خلاصہ یہ کہ اگر فبهـا الـزلازل والفتنْ میں متحرک کو ساکن کیا گیا ہے تو یہ ضرورت مقبولہ میں سے ہے، راعی النميری کہتا ہے:

تـأبى قَضاعَةُ **أن تَعْرِفْ** لكُمْ نسباً
وابـنـا نـزارٍ فـأَنْتُم بَيْضَةُ البَلَـدِ

یہاں أن تعرفَ کا محل تھا، ضرورت شعری کی وجہ سے تعرف کی فا کو ساکن کر دیا گیا۔

اسی طرح یـا نـفـس طـاب أوانك میں اگر اشباع حرکت ہے تو اس ضرورت مقبولہ کے ارتکاب سے امراء القیس بھی محفوظ نہیں ہے، کہتا ہے:

ألا أيهـا الـليلُ الطويلُ ألا **انجَلِي**
بِصُبْحٍ وما الإصبـاح منك بأَمثلي

یہاں انجل کے لام کے کسرے کو اشباع کے ذریعے یا بنایا گیا ہے۔

اگر قصیدتان رائعتان میں چند جگہ ضرورت شعری کی بنیاد پر ممدود کو مقصور کیا گیا ہے تو یہ بھی انہیں ضرورات مقبولہ جائزہ میں شمار ہوتا ہے جن کے ارتکاب پر مواخذہ نہیں کیا جاتا، ابوتمام کہتا ہے:

ورث الندى وحوى النهى وبنى العلا
وجلا الدجى ورمى **الفضا** بهداءِ

یہاں ضرورت شعری کی وجہ سے الفضاء ممدود کو مقصور اور هدى مقصور کو ممدود کیا گیا۔

ضرورت شعری کی بنیاد پر اس قسم کے تصرف کی اجازت عرب، غیر عرب، متقدمین اور مولدین ومتاخرین سب کو ہے۔ ابن جنی نے 'الخصائص' میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اپنے استاذ ابوعلی الفاسی سے سوال کیا کہ کیا ہمارے لیے بھی ضرورت شعری کی بنیاد پر ان تصرفات کی اجازت ہے جن کی عرب کو ہے؟، ابوعلی فاسی نے جواب دیا کہ:

> کـمـا جاز أن نقيس منثورنا من منثورهم فكذلك يجوز لنا أن نقيس شـعـرنـا على شعرهم فما أجازته الضرورة لهم أجازته لنا وما حظرته عليهم حظرته علينا۔
>
> وإذا كـان كـذلك فما كان من أحسن ضروراتهم فليكن من أحسن ضروراتنا وما كان من أقبحها عندهم فليكن من أقبحها عندنا☆

ترجمہ: جیسا کہ ہمارے لیے یہ جائز ہے کہ ہم ان کی نثر پر اپنی نثر کو قیاس کریں،

☆الخصائص: ابن جنی، ص۱۵۴، الحكم في جواز ضروريات الشعر

> اسی طرح ہمارے لیے یہ بھی جائز ہے کہ ہم ان کے شعر پر اپنے شعر کو قیاس کریں، لہٰذا ان کو ضرورت جس بات کی اجازت دیتی ہے ہمیں بھی دیتی ہے، جو چیز ان کے لیے ممنوع ہے ہمارے لیے بھی ممنوع ہے۔
>
> (ابن جنی کہتے ہیں) جب یہ معاملہ ہے تو پھر جو ان کے لیے ضرورات حسنہ ہیں وہ ہمارے لیے بھی ضرورات حسنہ ہیں اور جو ان کے لیے قبیحہ ہیں وہ ہمارے لیے بھی قبیحہ ہیں۔

یہ ہے تصویر کا وہ دوسرا رخ جو فاضل بغداد نے پیش نہیں کیا۔

مقدمے میں چند ایک تنقیدات اور ہیں جن پر اشعار کی شرح و تحقیق کے ضمن میں نظر ڈالی جائے گی۔ اب یہاں سے ہم فاضل بغداد کی شرح و تحقیق پر سلسلہ وار گفتگو کریں گے۔

﴿۱﴾ شعر ۳/ میں مصرع اول ہے:

بكت الغزير فهيجت مني البكا

مطلب واضح ہے کہ شعر نمبر ۲/ میں جس فاختہ کے رونے کا ذکر تھا وہ اتنا زار و قطار روئی کہ اس کے رونے نے مجھے رلا دیا۔ الغزیر کا معنی موسلا دھار بارش ہے، لیکن جب البكا یا الدمع وغیرہ کے ساتھ استعمال ہو تو بہت رونا، زار و قطار رونا، پھوٹ پھوٹ کر رونا وغیرہ معانی مراد ہوتے ہیں۔ عباسی شاعر البحتری اپنے مشہور لامیہ میں کہتا ہے:

فَكَائِنْ فُضَّ مِنْ دَمْعٍ غَزِيْرٍ وأُضْرِمَ مِنْ جَوَى كَمَدٍ دَخِيْلِ

اسی لیے مصنف علام نے 'الغزیر' کے اوپر بین السطور میں اس کا معنی واضح کیا ہے ''اي البكاء الكثير''۔ لیکن فاضل بغداد نے اس کو الغریم سمجھ لیا، متن میں اس کو الغریم لکھا، حاشیے میں اس کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں: الغريم: المغرم ، المولہ المدنف (ص: ۳۴) یعنی عشق و محبت میں وارفتہ، مریض عشق وغیرہ۔ ہمارے خیال میں شاعر نے اپنے لفظ کی جو تشریح خود کی ہے وہی صحیح ہے ورنہ الغزیر کو الغریم ماننے کی وجہ سے نحوی ترکیب اور شعر کے معنی میں جو تکلف کرنا پڑے گا وہ اہل فہم سے مخفی نہیں۔

﴿۲﴾ شعر ۱۰/ میں فرماتے ہیں کہ محبوب نے مجھ سے دل کا سودا کیا، مول بھاؤ کیا، لیکن پھر قیمت ادا نہیں کی، اے کاش وہ مول بھاؤ کیے بغیر ہی میرا دل لے کر بھاگ جاتا، کیوں کہ مول

تول کر کے پھر سامان نہ خریدنا دکاندار/ عاشق پر گراں گزرتا ہے۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

سَـامَـتْ فُـؤَادِيْ ثُـمَّ لَـمْ تُـعْطِ الثَّمَنْ   يَـا لَيْتَهَـا طَـرَّتْ بِلَا إِثْـمَـان

ترجمہ: اس نے میرے دل کا سودا کیا پھر قیمت تک ادا نہیں کی۔ اے کاش! اس نے بغیر مول بھاؤ کے ہی (میرا مال) لوٹ لیا ہوتا۔

اس میں سَامَتْ اور اِثمان دونوں ایک ہی معنی میں ہیں یعنی مول بھاؤ کرنا، سَامَتْ کے نیچے 'نرخ کرد' اور اِثـمـان کے اوپر 'نرخ کردن' لکھ کر مصنف نے اپنی مراد ظاہر کر دی، اثمان باب افعال کا مصدر ہے۔ لیکن فاضل بغداد نے اس کو 'ثَـمَنْ' کی جمع 'أَثْمَان' بروزن اَفعال سمجھ لیا، دوسرے یہ کہ سَـامَـتْ کا معنی بجائے 'مول بھاؤ کرنے' کے تکلیف دینا، مشقت میں ڈال دینا سمجھ لیا۔ اسی بنیاد پر شعر کی تشریح یوں کرتے ہیں:

وأراد أنها آذته وشقت عليه وكلفتني ثمناً باهضاً (ص:۳۵)

ترجمہ: شاعر نے مراد لیا کہ محبوب نے اس کو اذیت پہنچائی، مشقت میں ڈالا اور مجھے ایک مشقت بھری قیمت سے دشواری میں ڈال دیا۔

اگرچہ سامه الأمر کا ایک معنی كلفه اياه بھی ہے، (دیکھیے لسان العرب: مادہ سوم) لیکن اس کے باوجود اس شعر سے مذکورہ معنی نکالنا غیر ضروری تکلف اور کھینچ تان سے خالی نہیں، نیز یہ کہ یہ معنی شاعر کی مراد کے بھی خلاف ہے۔

﴿۳﴾ شعر ۱۴ ار میں محبوب کی تلون مزاجی کا بیان ہے کہ کبھی تو وہ شربت دیدار عطا کرتا ہے تو مریض عشق کو سیراب کر دیتا ہے اور کبھی ایسے کام کرتا ہے جس سے عاشق مشقت میں پڑ جائے، اس کا جگر پارہ پارہ ہو جائے اور اس کی آنکھوں سے تارِ اشک جاری ہو جائے۔ شعر ملاحظہ کریں:

تَسْقِي فَتَشْفِي ثُـمَّ تُشْقِيْ بِـالْعَنَـا   وَتَـفَـلُّـقِ الْأَكْبَـادِ وَالْـعَيَـنَـان

شعر کا آخری لفظ (قافیہ) الـعَيَنَان ہے، یہ یا کے زبر کے ساتھ عَان کا مصدر ہے بمعنی پانی کا بہنا یا آنسو بہنا، المنجد میں ہے:

عَانَ– عَيْناً وعَيَانًا وعَيَنَانًا الماء أو الدمع: جرى (المنجد: مادہ عین)

اسی لیے مصنف علام نے الـعَيَـنَـان کے اوپر بین السطور میں لکھا کہ "بہ فتحتین روانی اشک"، اس کے علاوہ العينان کی یا پر واضح طور پر زبر بھی لگا ہوا نظر آ رہا ہے۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے اس کا

عطف 'تَفَلُّق' پر ہے، جو 'العَنا' کا معطوف ہے۔ 'با' حرف جار کی وجہ سے العنا، تفلق اور العینان تینوں حالت جری میں ہیں العینان کا جر نون کے کسرہ میں ظاہر ہو رہا ہے۔ اس تفصیل کے بعد اب فاضل بغداد کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں:

> وقد أباح لنفسه أن يجر العينين بالألف وهي لغة معروفة في بعض لهجات العرب
>
> ترجمہ: شاعر نے اپنے لیے جائز رکھا کہ وہ العینین کو الف کے ذریعے جر دیں، یہ عرب کے بعض لہجات میں معروف و مستعمل ہے۔

پھر انہوں نے مثال میں دو شعر پیش کیے ہیں جن میں سے ایک میں ابـــا کو حالت جری میں الف سے استعمال کیا گیا اور دوسرے میں حالت جری میں العینین کی جگہ العینان استعمال کیا گیا ہے۔ اسی اعتراض کو انہوں نے مقدمے میں بھی ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

> وقد يرتكب الشاعر خطأ نحوياً، فيرفع في موضع الجر، أو ينصب في موضع الرفع، ذلك غالباً ما يكون ضرورة شعرية ومن ذلك قوله في البيت المذكور فقد جاء بلفظ العينان مرفوعة، وحكمها الجر، لأنها معطوفة على مجرور مضاف اليه۔ (ص:۲۶)
>
> ترجمہ: شاعر (فاضل بریلوی) کبھی خطائے نحوی کا ارتکاب کرتے ہیں، اس طور پر کہ وہ موقع جر میں رفع دیتے ہیں یا موقع رفع میں نصب دیتے ہیں، یہ عموماً ضرورت شعری کی بنیاد پر ہوا ہے، مثال کے طور پر مذکورہ شعر میں ان کا قول العینان مرفوع آیا ہے حالانکہ اس کا حکم جر تھا کیوں کہ وہ مضاف الیہ مجرور پر معطوف ہے۔

ہمارے خیال میں یہاں نہ کوئی خطائے نحوی ہے، نہ کہیں ضرورت شعری ہے اور نہ ہی بعض لہجات عرب کے مطابق مجرور کو مرفوع پڑھنے کا تکلف کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ تمام الجھنیں اس لیے پیدا ہوئیں کہ فاضل بغداد نے العَینان کو العین بمعنی آنکھ کا تثنیہ سمجھ لیا، ظاہر ہے کہ جب العَیْنَان العَیْن کا تثنیہ ہے تو اس کو حالت جری میں العَیْنَیْن ہونا چاہیے تھا، یہی بات فاضل بغداد کی الجھن کا باعث ہے۔ جب یہ بات خود مصنف کے بین السطور سے واضح ہو گئی کہ یہ العین کا تثنیہ نہیں بلکہ عان کا مصدر ہے جس کا جر نون کے کسرے کے ساتھ ہے تو الجھن اپنے آپ رفع ہو گئی۔

لیکن ابھی ہماری ایک الجھن باقی ہے۔ کچھ دیر کو ہم مان لیتے ہیں کہ یہ العین (آنکھ) کا تثنیہ العَیْنان ہی ہے اور فاضل بغداد کی تحقیق کے مطابق یہ الأکباد (مجرور مضاف الیہ) کا معطوف ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ ’تفلق العینین‘ (آنکھوں کا پھٹنا) کا مطلب کیا ہوا؟ محبوب مشقت میں ڈالتا ہے، جگر پارہ پارہ کر دیتا ہے یہ تو سمجھ میں آتا ہے لیکن کیا وہ آنکھیں بھی پھاڑتا یا پھوڑتا ہے؟ اور پھر کیا ’تفلق العینین‘ کا کوئی استعمال کسی شاعر کے یہاں دکھایا جا سکتا ہے؟۔

﴿۴﴾ شعر ۱۶ر میں فرماتے ہیں:

آھا إذا أذنت لهجرٍ آن

مطلب واضح ہے کہ وائے افسوس و نامرادی! جب میرا محبوب عنقریب آنے والے ہجر و فراق کے لیے اجازت طلب کرے۔ آخری الفاظ ’لِھجْرٍ‘ اور ’آنٍ‘ ہیں، ان میں پہلا لفظ ہجر ہے جس پر لام جارہ داخل ہے، آن اسی ہجر مجرور کی صفت ہونے کی بنیاد پر مجرور ہے۔ حضرت مصنف نے ھجر کی را کے نیچے دو زیر لگائے ہیں جو واضح طور پر پڑھنے میں آ رہے ہیں، نیز انھوں نے آنٍ کے نیچے بین السطور میں لکھا ہے ’قریب‘۔ لیکن فاضل بغداد نے اس کو لِھجْرَانٍ سمجھ کر مصرع بحر سے خارج قرار دے دیا۔ مصرع کی چول بٹھانے کے لیے ھجران سے پہلے حرف جر الی کا اضافہ کر کے اس کو الی الھجران کر دیا۔ فرماتے ہیں:

> زدنا ’إلى‘ على الأصل لأن الشطر فی الأصل ’أذنت لهجران‘ وھو غیر مستقیم عروضاً ووزناً (ص:۳۶)
>
> ہم نے اصل پر ’الی‘ کا اضافہ کیا ہے، کیوں کہ اصل میں مصرع اذنت لهجران تھا، جو عروض و وزن کے اعتبار سے درست نہیں ہے۔

آپ ملاحظہ فرما چکے کہ نہ یہ ’لِھجْرانٍ‘ تھا، نہ مصرع بحر سے خارج تھا اور نہ ہی ’الی‘ کے اضافے کی ضرورت تھی، بس لفظ کو غور سے پڑھنے کی ضرورت تھی۔

﴿۵﴾ شعر ۱۹ر میں فرماتے ہیں کہ ازمان (عرب کی ایک خوبصورت عورت) اپنے حسن و جمال کی وجہ سے فوقیت و برتری لے گئی، لیکن میرا محبوب اپنے زمانے میں ازمان پر بھی فوقیت لے گیا۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

أَزْمَانُ فَاقَتْ بَيْدَ أَنَّ عَشِيقَتِيْ   بِزَمَانِهَا فَاقَتْ عَلَى أَزْمَانٍ

’ازمان‘ کے نیچے بین السطور میں وضاحت فرماتے ہیں ”نام زن عربیہ مشہورہ بجمال“۔ مطلب واضح ہے کہ ’ازمان‘ ایک عربی عورت کا نام ہے۔ ہمارے ناقص خیال میں یہ علم اور تانیث کی بنیاد پر غیر منصرف ہے، کیونکہ ہر وہ علم مؤنث جس میں تین حرف سے زائد ہوں وہ غیر منصرف ہے جیسے فاطمہ، زینب وغیرہ، اسی لیے اس کو بغیر تنوین کے نون کے ضمے کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے یہ مبتدا ہے اور اس کے بعد کا جملہ فاقت الخ اپنے متعلقات سے مل کر اس کی خبر ہے۔ اب فاضل بغداد کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

> أزمان: جعلها الشاعر خبراً لمبتدأ محذوف تقديره : هي أزمان ولكنه لم ينون ، فجعله كأنه ممنوع من الصرف ، وعمله هذا ضرورة۔ (ص:۳۸)
>
> ترجمہ: ازمان کو شاعر نے مبتدا محذوف کی خبر بنایا ہے، اس کی تقدیر ’هي أزمان‘ ہے۔ لیکن شاعر نے اس پر تنوین نہیں لگائی، گویا اس کو غیر منصرف بنا لیا ہے، ان کا ایسا کرنا ضرورت (شعری) کی بنیاد پر ہے۔

حالانکہ نہ یہاں کوئی مبتدا محذوف ہے، نہ ازمان اس کی خبر ہے اور نہ کسی منصرف کو ضرورت شعری کی بنیاد پر غیر منصرف کیا گیا ہے، دراصل یہ سارے تکلف اس لیے کرنا پڑے کہ فاضل بغداد نے اس کو عربی عورت کے نام کی بجائے الزَّمَن (بمعنی زمانہ) کی جمع ازمان بروزن افعال سمجھ لیا۔ شرح میں لکھتے ہیں ’إن الأزمان تفوق و تطول ‘، اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ان کی نظر میں یہاں ازمان زمن کی جمع ہے۔ ہاں البتہ شعر کے آخر میں جو ازمان ہے وہ علی کا مدخول ہے اور حالت جری میں ہے، غیر منصرف ہونے کی وجہ سے اس کا جر فتحہ کے ساتھ ہونا تھا، مگر قافیے کی رعایت کی وجہ سے اس کا جر کسرے کے ساتھ کیا گیا ہے، ایسا تصرف ضرورت مقبولہ ’صرف مالا ینصرف‘ کے تحت آتا ہے، جس کے جواز کے بارے میں ہم پیچھے لکھ چکے ہیں۔

شعر کے خلاصے کے طور پر فاضل بغداد نے جو بات لکھی ہے وہ بھی ہماری فہم ناقص سے بالا تر ہے، لکھتے ہیں:

> يقول إن الأزمان تفوق و تطول ولكن عشيقتي فاقت الأزمان وطالت عليها (ص:۳۸)

ترجمہ: شاعر کہتے ہیں کہ زمانے طویل ہو رہے ہیں لیکن میرا محبوب زمانے سے بھی طویل ہو گیا۔

اولاً تو 'تفوق' کی شرح 'تطول' سے کرنا قابل غور امر ہے، دوسرے یہ کہ اگر یہ درست بھی ہو تو آخر محبوب کا زمانے سے بھی زیادہ لمبا ہونا کیا معنی رکھتا ہے!!

﴿٦﴾ شعر ۲۰ / میں محبوب کے در کے خادموں اور دربانوں سے مخاطب ہیں کہ تم مجھ پر ملامت و عتاب مت کرو، مَیں تو صرف اپنے محبوب کے کاشانے پر پڑے ہوئے پردوں کا بوسہ لینا چاہتا ہوں، شعر ملاحظہ فرمائیں:

يَا سَادِنِي أَعْتابِهَا لَا تَعْتِبُوا   مَارُمْتُ إِلَّا لَثْمَ تِي الْأَ سْدَانِ

ترجمہ: اے درِ محبوب کے خادمو! مجھ پر عتاب مت کرو۔ مَیں نے تو صرف ان (دروں پر پڑے ہوئے) پردوں کے بوسے کا ارادہ کیا ہے۔

پہلے مصرع میں ایک لفظ 'سَادِن' ہے جو کعبے یا بت خانے کے خادم و مجاور کو کہتے ہیں، یہاں محبوب کے دربان و خدام مراد ہیں۔ دوسرے مصرع میں لفظ 'أَسْدَان' ہے، جس سے پردے مراد ہیں۔ خود حضرت مصنف نے پہلے لفظ کے نیچے 'خدام' اور دوسرے لفظ کے اوپر 'پردہا' لکھ کر اپنی مراد ظاہر کردی۔ مگر فاضل بغداد نے شعر کی بالکل مختلف تشریح کی ہے، لکھتے ہیں:

فيقول: لا تعتبوا علي ، لأنني أروم لثم الذين يسدنون عتبة منزلها (ص: ۳۸)

ترجمہ: شاعر کہتے ہیں کہ مجھ پر عتاب مت کرو کیوں کہ مَیں تو ان لوگوں کے بوسے کا قصد کر رہا ہوں جو محبوب کے گھر کی چوکھٹ کی خدمت کرتے ہیں۔

عاشق محبوب کے گھر میں پڑے ہوئے پردوں کا بوسہ لینا چاہتا تھا، لیکن فاضل بغداد نے محبوب کے گھر کے خادموں کا بوسہ دلوا دیا۔ دراصل یہ سہو 'سَادِن' اور 'أَسْدَان' کے معنی میں التباس کی وجہ سے ہوا۔ غالباً بغدادی صاحب نے أَسْدَان کو سَادِن کی جمع گمان فرما لیا حالانکہ أَسْدَان سَادِن (خادم) کی جمع نہیں بلکہ 'السَّدَن' (پردہ) کی جمع ہے، سادن کی جمع تو السَّدَنَة آتی ہے۔ ابن منظور لکھتے ہیں:

السَّادِنُ : خادم الكعبة و بيت الأصنام ، والجمع السَّدَنَةُ (لسان

العرب: مادہ سدن)

پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

والسَّدَن : السِّتْرُ والجمع أَسْدَان (مرجع سابق)

﴿۷﴾ شعر ۲۱ر کا پہلا مصرع ہے:

سحرتني العينا بلحظة طرفها

مطلب ہوا کہ خوبصورت آنکھ والے محبوب نے اپنی دزدیدہ نگاہی سے مجھ پر جادو کر دیا۔ مصرع میں سحرت فعل، ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول اور العینا اس کا فاعل ہے۔ بین السطور میں العينا کی وضاحت فرماتے ہیں کہ 'زن خوش چشم' یعنی خوبصورت آنکھ والی عورت۔ المنجد میں ہے:

العيناء : الحسنة العين۔ (المنجد: مادہ عین)

اب اس سلسلے میں بغدادی صاحب کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

> جاء ت العينا هكذا في القصيدة وتحتمل وجهين، الوجه الأول أنه أراد سحرت العين، فأشبع الفتحة فأصبحت ألفاً، والوجه الآخر هو أن العينين هما اللتان سحرتا الشاعر، وحذف النون ضرورة والوجه الثاني هو الأقرب (ص:۳۸)
>
> ترجمہ: العینا قصیدے میں اسی طرح وارد ہے، یہ دو وجہ کا احتمال رکھتا ہے، پہلی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے سحرت العین (آنکھ نے جادو کر دیا) مراد لیا ہے، فتحہ کو اشباع دیا گیا تو وہ الف بن گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ العینان (دونوں آنکھوں) نے شاعر پر جادو کر دیا، ضرورت شعری کی بنیاد پر (العینان کا) نونِ (تثنیہ) حذف کر دیا گیا، دوسری وجہ اقرب الی الصواب ہے۔

اگر تھوڑی دیر کو مان بھی لیں کہ یہ سَحَرَتِ الْعَیْن تھا، فتح کو اشباع دے کر الف بنا دیا گیا تو سوال یہ ہے کہ العین کے نون پر فتحہ تھا ہی کب؟ اس پر تو سَحَرَتْ کا فاعل ہونے کی وجہ سے ضمہ ہونا تھا! ۔ دراصل دو وجہ نکال کر یہ سارا تکلف اس لیے کرنا پڑا کہ العینا (زن خوش چشم) کا معنی فاضل بغداد کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا۔ زیادہ سے زیادہ یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دراصل العیناء تھا، ضرورت شعری کی بنیاد پر العیناء کا ہمزہ حذف کر کے العینا کر دیا گیا، اس قسم کا حذف ہمزہ جائز ہے جس

کے بارے میں ہم پیچھے لکھ چکے ہیں۔

﴿۸﴾ شعر ۲۳ر میں عاشق کی ایک خاص کیفیت کا ذکر ہے، فرماتے ہیں کہ اے نرم اور ہموار زمین کے باسیو! تم اپنے خیموں میں جاؤ اور غمزدہ (یعنی عاشق/ شاعر) کو سخت زمین میں چلنے کے لیے چھوڑ دو، گویا:

نہ چھیڑ اے نکہت بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

شعر ملاحظہ فرمائیں:

یَـا أَهْـلَ سَهْـلٍ أَسْهِـلُـوْا بِـخِيَـامِكُمْ   وَذَرُوا أَخَـاالْأَحْـزَانِ لِـلْإِحْـزَانِ

شعر کا قافیہ الِاحـزان ہے، جو باب افعال کا مصدر ہے، مصنف نے ہمزے کے نیچے زیر لگایا ہے جو صاف پڑھنے میں آ رہا ہے، اس کا معنی بین السطور میں لکھتے ہیں ’بزمین درشت آمدن‘ یعنی سخت زمین میں آنا۔ معنی بالکل درست ہے، ابن منظور ’لسان العرب‘ میں لکھتے ہیں:

أحزن الرجل إذا صار في الحَزْن (لسان العرب: مادہ حزن)

پھر الحَزْن کا معنی لکھتے ہیں کہ

والحَزْنُ : ما غلظ من الأرض في ارتفاع

لیکن فاضل بغدادی نے اِحزان کو الـحُزْن کی جمع أحزان سمجھ لیا، جس سے شعر کا معنی ہی خبط ہو گیا، لکھتے ہیں:

> یـقول: یا من ینزل السهل من الأرض، یسروا لنا النزول في خیامکم، لنلقی عندکم السرور والراحة واترکوا المحزون لحزنه (ص:۳۸)
>
> ترجمہ: شاعر کہتے ہیں کہ اے نرم زمین پر اترنے والو! ہمیں تمہارے خیموں میں اترنا بہت مسرور کرے گا، تاکہ ہم تمہارے پاس مسرت و راحت حاصل کریں اور غمگین کو اس کے غم کے لیے چھوڑ دو۔

اس تشریح سے سمجھ میں آتا ہے کہ عاشق/ شاعر خود ان کے ساتھ جانے کو تیار ہے، حالانکہ مصرع ثانی میں ’أخـا الأحـزان‘ سے خود عاشق/ شاعر کی ذات مراد ہے، وہ اہل سہل سے کہہ رہا ہے کہ تم لوگ اپنے خیموں میں جاؤ اور غمزدہ (یعنی عاشق/ شاعر) کو سخت زمین پر جانے کے لیے چھوڑ دو۔

﴿۹﴾ شعر ۲۹/ میں فرمایا کہ مَیں ایسے نجد کا قیس ہوں جس میں باغ کی نزہت ہے اور یہ نزہت ایک ڈھال ہے جو لوگوں کو دیوانگی سے محفوظ رکھتی ہے۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

أَنَـا قَيْـسُ نَـجْـدٍ فِيْـهِ نُـزْهَةُ جَـنَّةٍ　　　هِـيَ جُـنَّةٌ مِـنْ جِـنَّةٍ لِـجَـنَـان

اس میں جَنَّةٌ باغ، جُنَّةٌ ڈھال، جِنَّةٌ دیوانگی اور جَنَان لوگوں کی جماعت کے معنی میں ہے۔ لفظ جنان کی تشریح کرتے ہوئے مصنف علام بین السطور میں لکھتے ہیں 'بالفتح جماعة الناس'۔ ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں:

> جَنَانُهُمْ جَمَاعَتُهُمْ وَ سَوَادُهُمْ۔ (لسان العرب: مادہ جنن)

لیکن فاضل بغداد نے اس کو جِنان (جیم کے زیر کے ساتھ) بمعنی قلب سمجھ لیا۔ لکھتے ہیں:

> في داخله نزاهة الجنة التي هي درع يحميه من الجنون الذي يقع في القلب (ص: ۳۹)
>
> ترجمہ: اس نجد میں باغ کی نزہت ہے، یہی نزہت وہ ڈھال ہے جو اس دیوانگی سے بچاتی ہے جو دل میں واقع ہوتی ہے۔

پھر ایک سطر بعد جب مفردات کی تشریح کرتے ہیں تو وہاں بھی لکھتے ہیں الجنان : القلب۔ اس سے شعر کے معنی پر تو کوئی خاص فرق نہیں پڑا، لیکن جب شاعر خود اپنے استعمال کردہ لفظ کا معنی بیان کر رہا ہے اور وہ معنی درست بھی ہے، پھر ہم تاویل القول بما لا یرضی به القائل کے مرتکب کیوں ہوں؟!۔

﴿۱۰﴾ شعر ۲۹، ۳۰/ میں فرمایا کہ مَیں ایک نجد کا قیس ہوں اور میری لیلیٰ ایک رات ہے۔ پھر شعر ۳۳/ میں سوال کرتے ہیں کہ اے مخاطب! کیا تجھے معلوم ہے کہ مَیں جس نجد کا قیس ہوں وہ کون سا نجد ہے؟ اور کیا تو جانتا ہے کہ جو رات میری لیلیٰ ہے وہ کون سی رات ہے؟ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں کہ وہ نجد تعلیم و تعلم کا نجد ہے اور وہ رات غور و فکر کی رات ہے۔ یعنی تم یہ گمان مت کرنا کہ وہ نجد عشق و عاشقی اور ٹیلوں و خیموں والا نجد ہے اور رات عیش و عشرت اور فضولیات کی رات ہے۔ اب شعر ملاحظہ فرمائیں:

أَعَـلِـمْـتَ مَـاذَا الـنَّـجْـدُ نَـجْدُ تَعَلُّمٍ　　　وَالـلَّـيْـلُ لَيْـلُ الْـفِـكْـرِ وَالإِمْـعَـان

آپ شعر نمبر ۲۹/ سے ۳۳/ تک بغور پڑھیں گے تو ہمارے بیان کردہ معنی سے اتفاق کریں گے،

یہ بالکل واضح اور صاف معنی ہے۔ لیکن فاضل بغداد نے اس شعر میں دو احتمال نکالے ہیں فرماتے ہیں:

> يقول إن هذا النجد ليس نجد تعلم ، ولا الليل ليل الفكر والجهد والتعب، أو يكون قد أورد ’ما‘ استفهامية فهو يستفهم عن كون النجد نجد تعلم والليل ليل فكر و إمعان ، والمعنى الأول هو الأقرب (ص:۴۰)
>
> ترجمہ: شاعر کہتے ہیں کہ یہ نجد تعلم کا نجد نہیں ہے اور نہ ہی یہ رات فکر، محنت اور تعب کی رات ہے۔ یا شاعر ’ما‘ استفہامیہ لائے ہیں، تو وہ نجد کے نجد تعلم اور رات کے شب فکر و امعان ہونے کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ پہلا معنی اقرب (الی الصواب) ہے۔

ہمارے ناقص خیال میں یہ دونوں ہی معنی صواب سے بعید ہیں، جن میں پہلا معنی ’ابعد‘ (زیادہ بعید) ہے، کیوں کہ اس میں ’ما‘ استفہامیہ کو خواہ مخواہ نافیہ مان لیا گیا ہے۔ آپ شعر ۲۹/ سے پڑھتے ہوئے آیئے اور ’ما‘ کو نافیہ مان کر اس شعر پر غور کریں، پھر اگلا شعر پڑھیں تو آپ محسوس کریں گے کہ اشعار کا پورا معنی ہی خبط ہو گیا۔ پھر یہ کہ بغدادی صاحب نے ’ما‘ کو استفہامیہ مان کر جو تشریح کی ہے ہمیں اس میں بھی تأمل ہے۔ ہمارے ناقص خیال میں ’ماذا النجد‘ سوال ہے اور ’نجد تعلم‘ اس کا جواب، اسی طرح ’ماذا الليل‘ سوال ہے ’ليل الفكر و الإمعان‘ اس کا جواب۔ یعنی کیا تم نے جانا کہ وہ نجد کون سا نجد ہے؟ جواب: تعلم کا نجد، کیا تم نے جانا کہ وہ رات کون سی رات ہے؟ جواب: غور و فکر کی رات۔ النجد اور اللیل پر جو الف لام ہے وہ عہد کا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اِس نجد اور لیل سے وہ نجد اور لیل مراد ہیں جن کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔ بغدادی صاحب کی تشریح کے مطابق ترجمہ کریں تو یہ ہوگا کہ ’کیا تم نے جانا کہ تعلم کا نجد کون سا نجد ہوتا ہے؟‘ اور غور و فکر کی رات کون سی رات ہوتی ہے؟‘ یہ معنی اس لیے پیدا ہوا کہ بغدادی صاحب نے ماذاالنجد نجد تعلم کو پورا کا پورا جملہ استفہامیہ سمجھ لیا۔ واللہ اعلم

﴿۱۱﴾ شعر ۳۹/ میں فرماتے ہیں کہ مجھے کھیل کود اور لہو و لعب سے کیا مطلب؟ میں تو زمانے کی ایک مرجع خلائق ہستی (حضرت سیف اللہ المسلول) کی مدح و ستائش کے لیے آیا

ہوں۔ شعر کا دوسرا مصرع یہ ہے:

إِذْ جِئْتُ أَمْدَحُ رُحْلَةًلِاَوَانِيْ

اس میں امدح فعل وفاعل، رُحْلة مفعول، لام حرف جار أوان (بمعنی وقت/ زمانہ) مجرور۔ اسی لیے حضرت مصنف نے لام حرف جار کے نیچے زیر اور أوان کے ہمزہ کے اوپر زبر لگایا ہے جو صاف لِأَوان پڑھا جا سکتا ہے۔ مطلب واضح ہے کہ مَیں جن کی مدح کے لیے آیا ہوں وہ 'اوان' کے لیے 'رحلة' ہیں، یعنی زمانے کے لیے مرجع ہیں۔ مگر فاضل بغداد نے لِاَوان کو لَا وَان پڑھ کر ایک الگ ہی مطلب پیدا کر دیا۔ انہوں نے لا کو نافیہ مان کر تشریح یوں کی:

لا وان: اي غير متوان ولا متاطئ (ص:۴۱)۔

دوسرے یہ کہ رحلة کی تشریح مصنف علام نے حاشیے میں ان الفاظ میں کی تھی:

الرحلة بالضم من العلماء هو العلم المقتدى الذى يرتحل إليه من كل حدب للاستفادةوالاستفاضة

'رُحلة' را پر پیش کے ساتھ علما میں سے ان مقتدر اور پیشوا حضرات کو کہتے ہیں کہ ان سے استفادہ کرنے اور فیض حاصل کرنے کے لیے ہر چہار جانب سے لوگ سفر کر کے آئیں۔

مشہور لغوی الجوہری 'الصحاح' میں لکھتے ہیں:

الرُّحلة بالضم :الوجه الذي تريده، يقال أنتم رحلتي، أي الذي أرتحل اليهم (**الصحاح فی اللغۃ: مادہ رحل**)

ترجمہ: رحلة ضمے کے ساتھ، وہ سمت جس کا تم قصد کرو، کہا جاتا ہے کہ 'تم ہمارے رحلہ ہو' یعنی وہ جس کی جانب مَیں قصد کر کے آتا ہوں۔

المنجد میں ہے:

عالم رحلة : عالم يرتحل إليه من الآفاق (**المنجد: مادہ رحل**)

لیکن فاضل بغداد نے رحلة کا یہ معنی بیان کیا ہے:

الرحلة الذي يرحل من أجل العلم والمعرفة (ص:۴۱)

ترجمہ: رحلہ وہ شخص جو علم و معرفت کی خاطر سفر کرے۔

اولاً رحلہ کا یہ معنی کسی معروف و متداول لغت میں ہمیں نہیں ملا، ثانیاً بالفرض اگر رحلہ کا یہ معنی درست بھی ہو تو شاعر کی مراد کے خلاف ہوگا۔ رحلہ کے اِس معنی کے ساتھ ’لا‘ کو نافیہ مان کر دیکھیں تو مصرع کا ترجمہ یہ ہوگا:

> مَیں اس ذات کی مدح کے لیے آیا ہوں جو ’رحلة ‘ ہے ’ وانٍ ‘ نہیں، یعنی جو علم و معرفت کی خاطر سفر کرتی ہے، سست و کمزور نہیں ہے۔

ہمارے خیال سے یہ شاعر کی مراد نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

﴿۱۲﴾ عربوں کا دستور تھا کہ میناروں یا بلند چٹانوں پر جھنڈے گاڑ دیا کرتے تھے اور رات کو ان میناروں پر آگ روشن کر دیا کرتے تھے، مقصد یہ تھا کہ مسافر دور سے اس مقام کو دیکھ کر وہاں آئیں، وہاں پر مسافروں کے آرام و راحت اور کھانے پینے کا انتظام ہوا کرتا تھا۔ اس تمہید کے بعد اب شعر نمبر ۴۴ ر کا مفہوم ملاحظہ کریں۔ اپنے ممدوح حضرت سیف اللہ المسلول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ نور ہیں، نور عطا کرنے والے ہیں، بلند مناروں پر جلنے والی آگ کی طرح ہیں، جن مناروں کے نشان راہ بھی نورانی ہیں۔ اب شعر دیکھیں:

نُوْرًا مُنِيْرًا نَيِّرًا نَارًا عَلَى   عَلْيَا مَنَائِرَ نِيْرُهَا نُوْرَانِيْ

مصرع ثانی میں ایک لفظ ’نِيْرُهَا ‘ ہے جو مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتدا اور نُوْرَانِيْ اس کی خبر ہے، ھا ضمیر مؤنث غائب کا مرجع منائر ہے۔ لفظ نِيْرٌ کے متعدد معانی ہیں، جن میں علم، جھنڈا، نشان، کپڑے کے نقش و نگار، بیلوں کے کندھے پر رکھنے کا جوا وغیرہ ہیں، اِن تمام معانی میں سے مصنف نے یہاں ’نشان راہ‘ مراد لیا ہے۔ بین السطور میں فرماتے ہیں ”بالکسر نشان راہ“۔ مطلب بالکل واضح ہے، لیکن فاضل بغداد نے مشورہ دیا ہے کہ یہاں نیرھا کی جگہ نورھا کر لیا جائے، کیوں کہ نیر کا معنی تو ’بیلوں کے کاندھوں پر رکھنے والا جوا‘ ہے، لکھتے ہیں:

> واستعمل الشاعر لفظة ’نير‘ وهي بمعنى : الخشبة المعرضة في عنق الثورين، والصحيح أن يقول ’ نورها‘ لأنها اللفظة التي يصح أن تقال هنا۔ (ص:۴۲)
>
> ترجمہ: شاعر نے لفظ ’نیر‘ استعمال کیا ہے اور یہ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو بیلوں کی گردن میں لٹکائی جاتی ہے۔ صحیح یہ تھا کہ شاعر یہاں ’نورھا‘ کہتے، کیوں کہ یہ

وہ لفظ ہے جس کا یہاں بولا جانا درست ہے۔

اولاً فاضل بغداد نے نیـــر کے متعدد معانی کو نظر انداز کر کے صرف ایک معنی کو پیش نظر رکھا اور اسی بنیاد پر لفظ میں تبدیلی کا مشورہ دے دیا۔ ثانیاً چلیے کچھ دیر کو مان لیا کہ یہاں نیــرھـــا نہیں بلکہ نــورھـــا ہونا چاہیے، تو اب مطلب یہ ہوا کہ 'ان میناروں کا نور نور والا ہے'، اس صورت میں 'حمل الشی علی نفسہ' سے بچنے کے لیے منطقی داؤ پیچ کا سہارا لینا پڑے گا مگر سوال یہ ہے کہ اس تکلف کی ضرورت ہی کیا ہے۔؟!

﴿۱۳﴾ شعر نمبر ۴۶ ر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یہ بات درست ہے کہ لوگوں کے نام آسمان سے اترتے ہیں تو پھر ہمارے ممدوح کے نام (فضل رسول) کی قدر و قیمت اور فضیلت کا اندازہ کر لو۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

إِنْ كَانَتِ الْأَسْمَا تُنَالُ مِنَ السَّمَا   فَاقْدُرْ إِذَنْ فَضْلَ اسْمِهِ الْمُزَّان

اس میں 'فضل' 'مضاف'، اسم 'مضاف الیہ مضاف'، 'ہ' ضمیر اسم کا مضاف الیہ اور المزان اسم کی صفت ہے۔ الـمُـزّان کے بارے میں مصنف علام بین السطور میں لکھتے ہیں ''آراستہ''۔ لفظی ترجمہ یوں ہوگا 'اُن کے آراستہ نام کا فضل'۔ اب فاضل بغداد کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

> أما المزان فأراد به النازل من السماء كالمزنة من المطر۔ وهو بناء لم يرد في المعجمات وقد استجازه الشاعر۔
>
> ترجمہ: رہا المزان تو اس سے آسمان سے اترنے والا مراد لیا ہے، جیسے کہ مطر سے المزنة آتا ہے۔ یہ وزن معجموں (لغتوں) میں وارد نہیں ہوا ہے، حالانکہ شاعر نے اس کو جائز سمجھا ہے۔

لیکن ہم نے جب عربی کی معروف و مستند معجم 'لسان العرب' کھولی تو اس میں لفظ المزان کے بارے میں یہ تفصیلات ملیں:

> وتزين هو و ازدان بمعنىً، وهو افتعل من الزينة إلا أن التاء لما لان مخرجها ولم توافق الزاي لشدتها أبدلوا منها دالاً، فهو مزدان، وإن أدغمت قلت مزان وتصغير مزدان مزين مثل مخير تصغير مختار (لسان العرب: مادہ زین)

> ترجمہ: تَزَیَّنَ اور اِزْدَانَ ایک ہی معنی میں ہیں۔ ازدان الزینة سے افتعل ہے، مگر یہ کہ 'تا' کا مخرج نرم تھا وہ 'زا' کی شدت کے موافق نہیں تھی تو اس کو (یعنی تا کو) دال سے بدل دیا، تو وہ مزدان ہوا، اگر تم ادغام کر دو تو مُزَّان کہو گے۔ مزدان کی تصغیر مُزَیَّن آتی ہے جیسے مختار کی مُخَیَّر آتی ہے۔

ابن منظور کی اس تشریح کے بعد آپ مصنف کے بیان کردہ معنیٰ 'آراستہ' کو دیکھیں تو کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔ خدا جانے فاضل بغدادنے اس کو کس معجم میں اور کس مادے کے تحت تلاش کیا!۔

﴿۱۴﴾ شعر ۵۵/ ۵۶/ میں فرماتے ہیں کہ گویا مَیں چشم تصور میں حضرت سیف اللہ المسلول کی اُس ادائے تبسم کو دیکھ رہا ہوں جو وہ مہمانوں کے سامنے کرتے تھے، گویا مَیں اس وقت ایک صاف وشفاف آئینے کے سامنے ہوں جس میں مسکراتے ہوئے گلاب کے دو پھول منقش ہیں۔ شعر ملاحظہ کریں:

فَكَأَنَّنِيْ بِسَجَنْجَلٍ صَافٍ بِهٖ　　　وَرْدَانِ مُبْتَسِمَانِ مُرْتَسِمَانِ

دوسرے مصرع میں ایک لفظ 'وردان' ہے، یہ الورد کا تثنیہ ہے، الورد کے کئی معنی ہیں مثلاً زعفران، شیر، بہادر، گلاب کا پھول وغیرہ۔ ہمارے خیال میں یہاں گلاب کا پھول ہی مراد ہے، اس سے یا تو ممدوح کے رخسار مراد ہیں یا آنکھیں یا دونوں لب جن کو گلاب کے پھول سے تشبیہ دی گئی ہے۔ فاضل بغداد نے یہاں وردان سے دو شیر مراد لیے ہیں، لکھتے ہیں:

وردان تثنية ورد وهو الأسد (ص:۴۴)

اس تشریح کی بنیاد پر شعر کا ترجمہ یوں ہوگا کہ مَیں ایک صاف شفاف آئینے کے سامنے ہوں جس میں دو منقش شیر مسکرا رہے ہیں۔ راقم اس کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہے۔

﴿۱۵﴾ شعر ۵۷/ میں حضرت سیف اللہ المسلول کی مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شَرَقَتْ شَوَارِقُ لُطْفِهٖ فَتَبَلَّجَتْ　　　زُهَرُ الرَّشَادِ تَبَلُّجَ الْعِقْيَانِ

> ترجمہ: ان کے لطف وکرم کی بجلیاں کوندھیں تو رشد وہدایت کے شگوفے ایسے چمکے جیسے خالص سونا چمکتا ہے۔

دوسرے مصرع میں 'تَبَلُّجَ الْعِقْيَان' مفعول مطلق ہے، جو 'تَبَلَّجَتْ' فعل کی نوع بتا رہا ہے، یعنی آپ کے لطف وکرم کے شگوفے خالص سونے کے چمکنے کی طرح چمکے۔ العقیان کے بارے میں

حضرت مصنف بین السطور میں وضاحت فرماتے ہیں کہ ''زر خالص''۔ یعنی شاعر نے یہاں العقیان خالص سونے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ ابن منظور نے بھی العقیان کے دو معنی لکھے ہیں جن میں ایک الذهب الخالص بھی ہے۔ (لسان العرب: مادہ عقا) تائید میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان پیش کرتے ہیں:

> لو أراد الله أن يفتح عليهم معادن العقيان
>
> ترجمہ: اگر اللہ چاہتا تو ان کے اوپر خالص سونے کے معادن کھول دیتا۔

اس تفصیل کے بعد اب فاضل بغدادی کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

> العقيان جمع عقيق والعقيق هو ضرب من الحجر الغالي يكون على شكل فصوص يقتنيه الناس لكرمه وغلائه، والعقيق: واد بظاهر المدينة المنورة ۔ الصحاح: عق۔ (ص:۴۴)
>
> ترجمہ: العقیان عقیق کی جمع ہے، اور عقیق قیمتی پتھر کی ایک قسم ہے، جو موتی کی شکل کا ہوتا ہے، اس کی بزرگی اور مہنگے ہونے کی وجہ سے لوگ اسے حاصل کر کے رکھتے ہیں۔ اور عقیق مدینہ منورہ کے باہر ایک وادی کا نام ہے۔ (بحوالہ الصحاح: مادہ عقق)

ہمارے ناقص مطالعے کی حد تک عقیق کی جمع عقیان نہیں آتی، الصحاح جس کا حوالہ بغدادی صاحب نے دیا ہے اس میں العقیق کی جمع العقیان نہیں بلکہ أَعِقَّةٌ دی ہوئی ہے، لسان العرب میں أَعِقَّةٌ اور عَقَائِق دو جمعیں دی ہیں۔ اگر بالفرض عقیق کی جمع العقیان آتی بھی ہو تو یہاں العقیان سے شاعر نے عقیق مراد نہیں لیا ہے بلکہ خالص سونا مراد لیا ہے۔

﴿۱۶﴾ شعر ۶۹ر میں ممدوح کے مخالف کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ شخص فروع میں ہمارے ممدوح پر غالب آنے کی کوشش کر رہا ہے جس میں گمراہی اور عجز دونوں جمع ہیں، پھر شعر ۷۰ر میں فرماتے ہیں:

اَلْغَيُّ يَغْلُوْ فَهْوَ فِيْ حِجْرِ الصِّبَا وَالْعِيُّ يَعْلُوْ فَهْوَفِي ادْلِهْنَانِ

> ترجمہ: اُس میں گمراہی بچپن ہی سے جوش مار رہی ہے اور بڑھاپے میں عجز و مجبوری غالب آ رہی ہے۔

شعر کا قافیہ 'ادلهنان' ہے، مصنف اس کا معنی واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''پیر کہن سال شدن''۔ یعنی بہت بوڑھا ہونا۔ اس کے معنی تک فاضل بغداد کی رسائی نہیں ہوسکی، فرماتے ہیں:

> وقوله في ادلهنان لم أهتد لمعناها ولعلها ادلهمام مصدر لفعل ادلهم أي أظلم فأبدل الميم نوناً (ص:۴۷)
>
> ترجمہ: شاعر کا قول 'في ادلهنان' اس کے معنی تک میری رسائی نہ ہوسکی، یہ غالباً ادلهمام ہے، جو ادلهم فعل کا مصدر ہے، یعنی تاریک کردیا، پھر میم کو نون سے بدل دیا۔

ہم نے جب عربی معاجم میں اس لفظ کا معنی تلاش کیا تو وہی معنی ملا جو مصنف نے بین السطور میں لکھا ہے۔ علامہ مجدالدین فیروزآبادی 'القاموس المحیط' میں لکھتے ہیں:

> ادلهن ادلهناناً: كبر و شاخ لغة في ادلهم

ہمارے ناقص خیال میں 'پیر کہن سال شدن' کا عربی ترجمہ 'كبر و شاخ' ہی ہوگا، لہٰذا حضرت مصنف نے ادلهنان کا جو معنی بیان کیا ہے بالکل درست ہے۔

﴿۱۷﴾ شعر ۸۸ر میں ممدوح کے مخالفین کی ہجو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ گمراہ لوگ رات دن اپنے بڑے کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور بہت زیادہ قسمیں کھا کھا کر اس کی مدح سرائی میں مبالغہ کرتے ہیں۔ شعر یہ ہے:

ظَلُّوْا وَبَاتُوْا يَذْكُرُوْنَ كَبِيْرَهُمْ　　　مُطْرِيْنَ لَعَّابِيْنَ بِالأَيْمَانِ

مصرع ثانی میں لعابين بالأيمان ہے۔ یہ أيمان یمین کی جمع بروزن افعال ہے۔ مطلب ہوا 'قسموں سے کھیلنے والے' یعنی بات بات پر قسم کھانے والے یا بہت زیادہ قسمیں کھانے والے۔ مصنف علام نے اَیمان کے ہمزے پر زبر بھی لگایا ہے اور بین السطور میں اس کا معنی ''سوگندہا'' بھی لکھا ہے، جس سے یہ متعین ہوجاتا ہے کہ یہ یمین کی جمع أیمان ہی ہے۔ مگر فاضل بغداد نے اس کو اِیمان (أٰمَنَ کا مصدر) سمجھ لیا۔ ایمان کے ہمزے پر زیر بھی لگایا ہے اور تشریح میں لکھتے ہیں:

> فلا صدق في إيمانهم ولا إخلاص في تدينهم (ص:۴۹)

یہ تشریح شاعر کی منشا کے خلاف ہے۔

﴿۱۸﴾ شعر ۹۴ر میں خود کو مخاطب فرماتے ہیں کہ تم رسول ﷺ اور ان کے فضل پر بھروسہ

رکھواور اس مزار کی جانب متوجہ ہو جاؤ جو غالب حجت والا ہے۔ دوسرا مصرع یہ ہے:

وَائتِ الْمَزَارَ الْبَاهِرَ السُّلْطَان

اس مزار سے ممدوح حضرت سیف اللہ المسلول کا مزار مراد ہے کیوں کہ آگے کے شعروں میں کہتے ہیں کہ تم (مزار پر حاضر ہو کر) یہ ندا لگاؤ یا معین الحق! یا عین سر الحق! یا سر عین الحق! وغیرہ، (باقی تفصیل شرح میں ملاحظہ فرمائیں) لیکن فاضل بغداد نے اس مزار سے مدینہ منورہ میں حضور پُر نور ﷺ کا مزار مقدس مراد لیا ہے، (دیکھیے: ص: ۵۱) جس سے شعر کا معنی بالکل ہی تبدیل ہو گیا۔

﴿۱۹﴾ شعر ۱۰۰ر میں فرماتے ہیں کہ اے سیف اللہ المسلول! ہم آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں اور آپ سے فضل کے امیدوار ہیں کیوں کے رسول کے فضل نے آپ کو بلندیِ قرب عطا فرمائی ہے۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

جِئْنَاكَ نَرْجُوْ مِنْكَ فَضْلًا أَنْ حَبَا   فَضْلُ الرَّسُوْلِ لَكَ الْعُلُوَّ الدَّانِيْ

اس میں حبا **فعل** ہے، فضل الرسول **مضاف مضاف الیہ فاعل**، لك **جار مجرور متعلق** حبا، العلو الداني **موصوف صفت** حبا کا **مفعول**، اسی لیے مصنف نے **فاعل** ہونے کی وجہ سے فضل کے لام پر پیش اور **مفعول** ہونے وجہ سے العلو کی واو پر زبر لگایا ہے۔ لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ 'عطا کیا رسول کے فضل نے آپ کو علوِ دانی'۔ بین السطور میں حبا کا معنی وَهَبَ اور الدَّانِي کا 'نزدیک' لکھا ہے۔

اس تشریح کے بعد اب فاضل بغداد کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں، انہوں نے حبا کو **فعل**، العلو الداني کو اللہ کے اسما میں سے مان کر حبا کا **فاعل** اور فضل الرسول کو حبا کا **مفعول** مانا ہے۔ اپنی اس ترکیب کی بنیاد پر مصنف علام پر یہ اعتراض بھی کر دیا کہ انہوں نے فضل کو مرفوع بنایا ہے جب کہ اصح یہ ہے کہ اس کو منصوب کریں۔ فاضل بغداد کی ترکیب کی بنیاد پر ترجمہ یہ ہوگا:

علو دانی (اللہ) نے آپ کو رسول کا فضل عطا فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں:

> فالله تعالَی حباك أي أكرمك فضل الرسول وأعطاك المكانة العلية ، والعـلي الداني من أسماء الله تعالیٰ وصفاته الحسنى فهو عالٍ وهو قريب وبين المفردتين طباق إيجاب ، وجعل الشاعر ’ فضل الرسول‘

> مرفوعة اللام ،و الأصح نصبها لأنها مفعول به(ص:۵۲)
>
> ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضل رسول سے سرفراز کیا اور بلند مقام دیا، العلی الدانی اللہ کے اسما اور صفات حسنی میں سے ہے۔ تو وہ بلند اور قریب ہے۔ دونوں مفرد کے درمیان طباق ایجاب ہے۔ شاعر نے 'فضل رسول' کو مرفوع اللام لکھا ہے، حالانکہ اصح اس کا نصب ہے، کیوں کہ وہ مفعول ہے۔

ہمارے ناقص خیال میں یہ تاویل القول بما لا یرضی به القائل کی ایک مثال ہے۔ **العلوالدانی** سے مراد اللہ تعالیٰ کے اسما وصفات نہیں ہیں بلکہ یہ حبا کا مفعول ہے جو ممدوح کو عطا کیا گیا ہے، اس کا ایک قوی قرینہ اس کے بعد والے شعر (نمبر ۱۰۱) میں بھی موجود ہے۔ فرماتے ہیں کہ فضل رسول نے آپ کو بلندی اور قربت عطا کی تو اب بلندی عظمت والی ہوگئی اور قرب بزرگی والا ہوگیا، شعر ملاحظہ فرمائیں:

عَظُمَ الْعُلُوُّ فَأَنْتَ فِرْدَوْسُ الْمُنَى   كَرُمَ الدُّنُوُّ فَأَنْتَ قِطْفٌ دَانِ

مطلب بالکل واضح ہے۔

﴿۲۰﴾ شعر ۱۰۵ر میں حضرت سیف اللہ المسلول کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ مَیں آپ سے آپ کے والد گرامی کی بارگاہ میں شفاعت کی امید کرتا ہوں، یعنی آپ اپنے والد کی بارگاہ میں میری سفارش فرمادیں۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

أَرْجُو الشَّفَاعَةَ مِنْكَ عِنْدَ أَبِيْكَ إِذْ   بَابُ الْعِنَايَةِ لا يُسَدُّ لِعَانِ

> ترجمہ: مَیں آپ کے والد بزرگوار کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کی امید رکھتا ہوں کیونکہ عنایت وبخشش کا دروازہ کسی رنج وتکلیف کے اسیر کے واسطے بند نہیں کیا جاتا ہے۔

یہاں ابیك (آپ کے والد) سے مراد حضرت سیف اللہ المسلول کے والد محترم حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید ہیں، آگے کے کم از کم بیس پچیس اشعار اس بات پر قوی قرینہ ہیں، آپ زیر نظر کتاب میں متعلقہ مقام کھول کر اِس شعر کے بعد کے تقریباً ۲۰ر اشعار پڑھتے چلے جائیں بات آپ کی سمجھ میں آجائے گی کہ یہاں ابیك سے کون مراد ہے۔ لیکن فاضل بغداد نے یہاں ابیك سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات مراد لے لی، جس سے نہ صرف یہ شعر بلکہ آگے کے متعدد شعر بے معنی اور بے ربط ہوکر رہ گئے۔ لکھتے ہیں:

> أنا راجٍ شفاعتك عند أبيك بإذن الله ويعني به سيدنا عثمان رضى الله تعالیٰ عنه لأن الممدوح هو من السادة الشرفاء(ص:۵۲)
>
> **ترجمہ: مَیں اللہ کے حکم سے آپ کے والد کی بارگاہ میں شفاعت کا امیدوار ہوں۔ اس سے ان کی مراد سیدنا عثمان غنی ہیں کیوں کہ ممدوح سادات اشراف میں سے ہیں۔**

﴿۲۱﴾ شعر ۱۱۵، ۱۱۶/ میں شاہ عین الحق عبدالمجید بدایونی قدس سرہٗ کو مخاطب کر کے عرض کرتے ہیں کہ اے ابن حمزہ (حضرت آل احمد اچھے میاں قدس سرہٗ) کے غلام! آپ کا کوئی مد مقابل نہیں ہے، سوائے آل محمد کے پھول کے، کیوں کہ وہ آپ کے مخدوم زادے اور میرے شیخ ہیں، شعر ۱۱۵/ اور ۱۱۶/ یہ ہیں:

قَدْ كُنْتَ يَا تَيْمَ ابْنِ حَمْزَةَ سَيِّدًا　　فَرْداً فَرِيْدًا فَاقِداً لِمُدَان
أَىْ مَا خَلَا رَيْحَانَ الِ مُحَمَّدٍ　　ذَاكَ ابْنَ شَيْخِكَ سَيِّدِيْ وَ أَمَانِيْ

> ترجمہ: اے ابن حمزہ (یعنی شمس مارہرہ اچھے میاں) کے غلام! آپ سردار، یکتائے روزگار، معاصر و مماثل کو پیچھے چھوڑنے والے ہو گئے۔ سوائے آلِ محمد کے خوشبو دار پھول (یعنی حضور خاتم الاکابر) کے، کیونکہ وہ آپ کے شیخ کے فرزند، میرے سردار اور میری جائے پناہ ہیں۔

پہلے شعر میں یا تیم سے حضرت شاہ عین الحق بدایونی اور ابن حمزہ سے حضرت اچھے میاں قدس سرہما کی ذات گرامی مراد ہے، دوسرے شعر میں ریحان آل محمد سے حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی کی ذات مراد ہے۔ (ان دو شعروں کی مزید تفصیل زیر نظر کتاب کے متعلقہ مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔)

لیکن فاضل بغداد نے ان دونوں شعروں کی جو تشریح فرمائی ہے اس سے ان کا معنی بالکل ہی مختلف ہو گیا۔ پہلے شعر کی تشریح میں فرماتے ہیں:

> كنت ياتيم ابن حمزة سيداً لأنك تنتسب إلى جدك الرسول فأنت فرد فريد لا يدانيك أحد من الناس في المكان۔(ص:۵۴)
>
> **ترجمہ: اے ابن حمزہ کے غلام! آپ سردار ہیں کیوں کہ آپ اپنے جد رسول**

> کریم ﷺ کی جانب منسوب ہیں، تو آپ یکتا ہیں لوگوں میں سے کوئی مقام میں آپ کے قریب نہیں پہنچے گا۔

خدا جانے یہاں فاضل بغداد نے 'ابن حمزہ کے غلام' سے کس کی ذات مراد لی ہے، اس لیے کہ ممدوح کی ذات مراد ہو نہیں سکتی کیوں کہ شعر نمبر ۱۰۶/ اور ۱۱۱/ میں وضاحت ہے کہ ممدوح حضرت عثمان غنی کی اولاد میں ہیں، پھر رسول کریم ﷺ ان کے جد کیسے ہو گئے؟ خیر اب اگلے شعر کی تشریح ملاحظہ کریں، لکھتے ہیں:

> ثم استدرك على نفسه ، أن الحسين الشهيدوهو ريحانة رسول الله من آل محمد ، لا يمكنك أن تدانيه في المكانة لأنه ابن الإمام علي (ص:۵۴)
>
> ترجمہ: پھر (شاعر) اپنے اوپر استدراک کرتے ہیں، بے شک امام حسین شہید کربلا وہ ریحانۂ رسول اللہ ہیں، آل محمد سے ہیں، تمہارے لیے ممکن نہیں کہ تم مقام و مرتبے میں ان کے قریب جا سکو، اس لیے کہ وہ امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہیں۔

یہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ بغدادی صاحب اگر یہ اشارات نہیں سمجھ سکے تو ان کے لیے عذر معقول ہے، کیوں کہ ان کے سامنے وہ تاریخ اور وہ شخصیات نہیں تھیں جن کا ذکر ان دونوں شعروں میں ہے۔ ہمیں آپ کی بات سے اتفاق ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ حیرت بھی کہ آخر فاضل بغداد کی نگاہ مصنف علام کے اس حاشیے پر کیوں نہیں گئی جو 'آل محمد' پر نمبر ڈال کر رقم فرمایا گیا ہے، اگر اس حاشیے کو بغور دیکھا جائے تو معاملہ کافی حد تک صاف ہو جاتا ہے، لکھتے ہیں:

> إن شئت أردت المعنى الإضافى فصلى الله تعالىٰ عليه وسلم و إن شئت جعلته علماً فهو أبو جد سيدنا الشيخ رضى الله تعالىٰ عنهم
>
> ترجمہ: اگر تم چاہو تو اس کا (آل محمد کا) معنی اضافی مراد لو تو حضور اکرم ﷺ کی ذات مراد ہو گی۔ اور اگر تم چاہو تو اس کو (آل محمد کو) علم بنا لو تو وہ ہمارے شیخ کے دادا کے والد ہیں۔

﴿۲۲﴾ شعر ۱۲۴/ میں حضرت سیف اللہ المسلول اور ان کے والد حضرت شاہ عین الحق

عبدالمجید قدس سرہما کے بارے میں فرماتے ہیں:

فَسَبَقْتُمَا فِي الْفَضْلِ مَنْ سَابَقْتُمَا   وَبَقِيْتُمَا لا تُقْدَرَانِ لِمَانِ

> ترجمہ: آپ فضل وکرم میں ہر اُس شخص سے سبقت لے گئے جس سے بھی آپ نے مقابلہ کیا اور آپ اس حال میں باقی رہے کہ کسی اندازہ لگانے والے کے لیے آپ دونوں حضرات (کی عظمت) کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔

ترجمے سے مطلب واضح ہورہا ہے۔ لا تقدران کے بارے میں بین السطور میں وضاحت کرتے ہیں کہ ''اندازہ کردہ نمی شوید''، اور مان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''مانی اندازہ کنندہ''۔ مان کے معنی کی مزید وضاحت لغت کے مشہور امام ابن فارس قزوینی کی زبانی سنیے، فرماتے ہیں:

> المیم والنون والحرف المعتل الصحیح یدل علی تقدیر شي ء ونفاذ القضا به منه قولهم منی له المانی أي قدر المقدر (مقاییس اللغة لابن فارس: مادہ منی)

اس سے واضح ہوگیا کہ مان کا معنی اندازہ کرنے والا ہے جیسا کہ مصنف علام نے بین السطور میں لکھا ہے، لیکن فاضل بغداد نے لاتقدران اور مان دونوں ہی کے معنی مصنف کی مراد کے خلاف بیان کیے ہیں، لکھتے ہیں:

> مان : اسم فاعل من منی بمعنی قصد وطلب ومنه تمنی والمعنی: بقیتما غیر مغلوبین ، فلا یقدر علیکما من کان قصده أن یغلبکما (ص:۵۵)
>
> ترجمہ: مانی منی سے اسم فاعل ہے، قصد کرنے اور طلب کرنے کے معنی میں، اسی سے تمنی آتا ہے۔ (شعر کا) معنی یہ ہے کہ آپ دونوں غیر مغلوب رہے، تو جس کا قصد وارادہ ہے کہ آپ پر غالب آئے وہ آپ پر (غالب آنے کی) قدرت نہیں رکھتا۔

یعنی بغدادی صاحب نے لا تقدران کو قادر ہونے کے معنی میں اور مان کو طالب کے معنی میں قرار دیا ہے، جب کہ آپ دیکھ چکے کہ مصنف لاتقدران کو 'اندازہ کردہ نمی شوید' کے معنی میں اور مان کو 'اندازہ کنندہ' کے معنی میں لائے ہیں۔

﴿۲۳﴾ شعر نمبر ۱۲۸؍ میں حضرت سیف اللہ المسلول اور حضرت شاہ عین الحق عبد المجید قدس سرہما کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

مَنْ شِئْتُ أَسْئَلُ مِنْكُمَا مَا أَنْتُمَا   إِلَّا لِشَيْخِكُمَا الْكَرِيْمِ يَدَانِ

آپ دونوں میں سے جن سے مَیں چاہوں مانگ لوں، آپ دونوں تو اپنے داتا شیخ کے دو دست (عطا) ہیں۔

مصرع ثانی میں شیخ سے حضرت آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ کی ذات گرامی مراد تھی، لیکن فاضل بغداد نے شیخ سے حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کی ذات مراد لے لی، لکھتے ہیں:

> يعني به الشيخ عبدالقادر الكيلاني ، وسيذكره بالإشارة إليه بـ البغداني (ص:۵۶)
>
> اس سے شاعر کی مراد شیخ عبد القادر جیلانی ہیں، عنقریب وہ ان کی جانب لفظ البغدانی سے اشارہ کریں گے۔

حالانکہ آگے جو السید البغدانی آ رہا ہے وہ کسی اور مقصد سے ہے، جس کی وضاحت ہم آگے کریں گے۔ پیچھے شعر ۱۱۶؍ میں بھی شَيْخك آیا ہے وہاں بھی اس سے حضرت اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ کی ذات مراد تھی اور یہاں بھی انہیں کی ذات مراد ہے۔ اس سے پہلے کسی شعر میں حضرت محبوب سبحانی کا کوئی تذکرہ نہیں آیا ہے جو یہاں ان کی ذات مراد لینے کے لیے قرینہ ہو اور نہ ہی اِس شعر میں اس طرف کوئی اشارہ ہے۔

﴿۲۴﴾ شعر ۱۳۱؍ میں فرماتے ہیں کہ دعا مکمل ہوئی اب انعام واکرام پا کر واپس لوٹو اور شہنشاہ بغداد کے ہمنام کا قصد کرو۔ فرماتے ہیں:

تَمَّ الدُّعَا فَارْجِعْ غَنِيًّا غَانِمًا   وَاقْصِدْ سَمِيَّ السَّيِّدِ الْبَغْدَانِيْ

ترجمہ: دعا مکمل ہوگئی۔ اب انعام واکرام پا کر واپس لوٹ اور تاجدار بغداد کے ہم نام کا قصد کر۔

’تاجدار بغداد کے ہمنام‘ سے حضرت تاج الفحول محبّ رسول مولانا عبد القادر قادری بدایونی کی ذات مراد تھی، مگر فاضل بغداد نے حضرت محبوب سبحانی کی ذات مراد لے لی۔ پھر آگے کے تقریباً ۱۵؍ اشعار حضرت تاج الفحول کی مدح میں ہیں، فاضل بغداد نے ان سب کو حضرت محبوب

سبحانی کی شان میں سمجھ لیا۔

یہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ فاضل بغداد کو معلوم نہیں تھا کہ ممدوح کے ایک فرزند ’عبدالقادر‘ نام کے ہیں اس لیے ان سے تسامح ہوا۔ مگر یہ سوال بہر حال اپنے جواب کا مطالبہ کرے گا کہ آخر فاضل بغداد نے لفظ ’سمي‘ کا کیا مطلب سمجھا؟ سمي ایک عام مشہور و معروف لفظ ہے جس کا ترجمہ ’ہمنام‘ ہے، کوئی ایسا شخص جو حضرت تاج الفحول سے واقف نہ بھی ہو تو بھی اس کو اس شعر سے کم از کم اتنا ضرور سمجھنا چاہیے کہ اب کسی ایسی شخصیت کی مدح کا آغاز کیا جا رہا ہے جو السید البغداني (حضرت غوث پاک) کا سَمِي (ہمنام) ہے۔

﴿۲۵﴾ شعر ۱۳۳/ میں حضرت تاج الفحول کے علم و فضل کو ایک بحر بیکراں سے تشبیہ دے رہے ہیں جس کے پانی میں بیک وقت دو مختلف قسم کے اوصاف ہیں......ع

ماء له وصفان مختلفان

پانی کے ان دو اوصاف کا بیان شعر ۱۳۴/ میں ہے، فرماتے ہیں:

فَهَلَا هَلٌ مُرْوٍ لِأَرْبَابِ الْوِلا   أَوْ هَلْهَلٌ مُرْدٍ أُوْلِي الْأَضْغَان

ترجمہ: وہ اہل عشق و محبت کے لیے صاف و شفاف سیراب کرنے والا پانی ہے اور کینہ پرور لوگوں کے لیے زہر قاتل ہے۔

یہ بالکل صاف شعر ہے جس میں کوئی اغلاق نہیں ہے، اس کے باوجود حضرت مصنف علام نے بین السطور میں مفرادت کے معنی بھی لکھ دیے، جس سے شعر کا معنی بالکل آئینہ ہو گیا۔ فرماتے ہیں:

هَلَاهَلٌ: آب صافی/ مُرْوٍ: سیراب کنندہ/ هَلْهَلٌ: زہر قاتل/ مُرْدٍ: مہلک/ الْأَضْغَان: کینہ ہا۔

پہلے مصرع میں لفظ هَلَاهَلٌ ہے جس کی تفسیر مصنف نے ’آب صافی‘ کے ذریعے کی ہے۔ عربی کی عام متداول لغات میں اس کا معنیٰ ’الماء الكثير الصافی‘ ہی دیا ہوا ہے اور یہی معنی یہاں مطلوب ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ بعض معاجم میں اس کو ضمہ اور کسرہ کے ساتھ هُلَاهِلٌ بھی لکھا ہے۔

دوسرے مصرع میں ایک لفظ هَلْهَلٌ ہے، جس کی تفسیر مصنف نے ’زہر قاتل‘ کے ذریعے کی ہے اور یہی معنی یہاں مطلوب ہے۔ الجوہری لکھتے ہیں:

الهلهل: سم وهو معرب (الصحاح في اللغة: مادہ هلل)

علامہ مجدالدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

> الهلهل : بالضم الثلج، وبالفتح سم والثوب السخيف النسج (**القاموس المحيط : ماده هلل**)

ابن منظور نے قدرے تفصیل بیان کی ہے، لکھتے ہیں:

> الهلهل : السم القاتل وهو معرّب ،قال الأزهري ليس كل سم قاتل يسمى هلهلاً ولكن الهلهل سم من السموم بعينه قاتل ، قال وليس بعربي وأراه هندياً (**لسان العرب: ماده هلل**)

اسی صفحے پر ابن منظور نے هلهل **کا ایک معنی یہ بھی لکھا ہے:**

> ثوب هلهل: رديء النسج (**مرجع سابق**)

بات واضح ہے کہ ھلھل کے دو معنی ہیں، ایک زہر قاتل دوسرا کمزور بنائی والا کپڑا، زیر بحث شعر میں پہلا معنی مراد ہے۔

اس تفصیل کے بعد اب فاضل بغدادی کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

> هلا أداة تحضيض ، وهل بالتنوين حرف استفهام (**ص:۵۷**)

آگے لکھتے ہیں:

> الهلهل : الواهي من النسج وغيره (**ص:۵۷**)

ھلاھل اور ھلھل کی اس تشریح کی بنیاد پر مَیں شعر کا ترجمہ کرنے یا اس کا معنی سمجھنے سے قاصر ہوں۔ پھر اگر کسی طرح کھینچ تان کر کے کوئی معنی پیدا کر ہی لیا جائے تو اولاً تو وہ شاعر کی مراد کے خلاف ہوگا، دوسرے یہ کہ پہلے مصرع میں وزن کے لالے پڑ جائیں گے کیوں کہ حرف تحضیض ھَلَا نہیں بلکہ ھلّا بالتشدید ہے، تیسرے یہ کہ حرف استفہام ھَل تو مبنی بر سکون ہے یہ تنوین سے کیسے ہوگیا؟ چوتھے یہ کہ هلهل **موصوف مُرْد صفت ہے لہٰذا معنی یہ ہوا کہ 'ہلاک کرنے والا کمزور بنا ہوا کپڑا'۔ غرض یہ کہ یہ پوری تحقیق ہی 'مبنی بر کسر' ہے، جس نے شعر کو بالکل بے معنی کر دیا ہے۔**

﴿۲۶﴾ شعر ۱۳۶ر میں حضرت تاج الفحول کے بحر علم کی موجوں کا بیان ہے کہ آپ کا سمندر علم ایسا تلاطم خیز ہے کہ پہاڑ پر چڑھنا کنعان کو نہیں بچا سکتا بلکہ وہ اس کو بہا لے جائے گا۔ (تفصیل شعر ۱۳۶ر کی شرح کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔) شعر ملاحظہ فرمائیں:

هَـاجَـتْ وَمَـاجَـتْ وَالسَّمَاءُ تُفِيْضُ وَالْـ   إِجْبَـالُ لَيْـسَ يَـذُبُّ عَـنْ كِـنْـعَـانِ

ترجمہ: موجوں نے جوش مارا، آسمان نے بارش کی، اب پہاڑ پر چڑھنا کنعان کو نہیں بچا سکتا۔

دوسرے مصرع کا پہلا لفظ الإِجْبال ہے، جو باب افعال کا مصدر ہے بمعنی 'پہاڑ پر چڑھنا'، مصنف نے اس کے ہمزے کے نیچے زیر لگایا ہے جو واضح طور پر پڑھنے میں آرہا ہے، مزید یہ کہ بین السطور میں اس کی تفسیر 'بہ کوہ رفتن' کے ذریعے کی ہے۔ ابن منظور لکھتے ہیں:

أجبل القوم : صاروا إلى الجبل (لسان العرب: مادہ جبل)

مطلب واضح ہے کہ اب پہاڑ پر چڑھنا کنعان کو ڈوبنے سے نہیں بچا سکتا۔ مگر فاضل بغداد نے اس کو اِجبال (باب افعال کا مصدر) کی بجائے جبل کی جمع أجبال بروزن أفعال سمجھ لیا۔ فرماتے ہیں: الأجبال : جمع جبل (ص: ۵۷)

اس سے شعر کے معنی پر کوئی بہت زیادہ فرق نہیں پڑا لیکن دو خرابیاں لازم آئیں، ایک تو خود شاعر کی منشا کے خلاف ہو گیا، دوسرے یہ کہ اگر یہ جبل کی جمع أجبال ہے تو یہ واحد مؤنث کے حکم میں ہو گی، پھر اس کے بعد لیست اور تذب ہونا چاہیے نہ کہ لیس اور یذب۔

﴿۲۷﴾ حضرت فاضل بریلوی نے حضرت تاج الفحول کے علم کو سمندر سے، آپ کی تصانیف اور کلام کو اس سمندر کی موجوں سے تشبیہ دی ہے۔ آپ کی تصانیف نے اہل باطل کا جو رد بلیغ کیا ہے اس کو ایک حسین انداز میں نظم فرماتے ہیں، دیکھیے شعر ۱۳۷:

فَـعَـلَـتْ بِهِـمْ مَـا فِيْـهِ عِبْـرَةُ مِثْلِهِمْ   فَـعَـلَـتْ عَـلَـى نَـجْـدٍ سُيُـوْلُ رَثَـانِ

ترجمہ: اِن موجوں (یعنی تصانیف) نے اُن (بددین و گمراہ) لوگوں کا وہ حشر کیا جو اِن جیسوں کے لیے نمونہ عبرت ہے۔ مسلسل بارش کے سیلاب نجد (بلند زمین) سے بھی بلند ہو گئے۔

پہلے مصرع میں فَـعَـلَـتْ بمعنی کِیا ہے، بین السطور میں مصنف نے 'کرد' سے اس کی تفسیر کی ہے۔ اس کی هي ضمیر سابق میں مذکور أمواجها کی جانب راجع ہے۔ یعنی موجوں نے وہ حشر کیا الخ۔

دوسرے مصرع میں فَـعَـلَـتْ کی فا برائے تعقیب ہے، عَـلَـتْ فعل بمعنی بلند ہوا ہے، جس کی تفسیر مصنف نے 'بلند شد' کے ذریعے کی ہے۔ نَـجْـدٌ سے مراد بلند زمین، سُيُـوْل سیل کی جمع بمعنی سیلاب، رَثَـان بمعنی لگاتار بارش، مصنف نے 'باران پیاپے' سے اس کی تفسیر کی ہے۔ ترکیب نحوی

یوں ہوگی کہ عَلَتْ فعل، علی نجد جار مجرور ظرف لغو، سیول مضاف رثان مضاف الیہ سے مل کر علت کا فاعل۔ لفظ رثان کی جو تفسیر مصنف نے بین السطور میں 'باران پیاپے' کے ذریعے کی ہے وہ بالکل درست ہے۔ ابن منظور لکھتے ہیں:

> الـرثـان قـطار المطر يفصل بينها سكون۔ وقال ابن هاني : الرثان من الأمـطـار الـقطار المتتابعة يفصل بينهن ساعات ، أقل ما بينهن ساعة وأكثر ما بينهن يوم وليلة (لسان العرب: ماده رثن)

القاموس المحیط میں ہے:

> الرثان كسحاب : القطار المتتابعة من المطر بينهن سكون (القاموس المحيط :الرثان)

اب فاضل بغداد کی تشریح ملاحظہ فرمائیں، انہوں نے پہلا والا فَعَلَتْ جس کا فاعل (ضمیر هي کے توسط سے) أمواج ہیں اس کا فاعل الأيام کو قرار دے دیا، فرماتے ہیں:

> أن الأيام قد فعلت ما فعلت من نكبات تكون عبرة لمثلهم (ص:۵۷)
>
> ترجمہ: ایام (زمانے) نے جو کچھ کیا وہ کیا مصیبتوں میں سے جوان جیسوں کے لیے عبرت بن گیا۔

دوسرا یہ کہ رثان یا ثان کو نجد کا ایک مقام سمجھ لیا، لکھتے ہیں:

> كما سيول/ثان وهو موضع في نجد

معلوم نہیں کہ کتابت کی غلطی سے رثان کی را نے شرطہ کی شکل اختیار کر لی، یا جناب رثان کو ثان سمجھ کر نجد کا موضع قرار دے رہے ہیں۔ جو کچھ بھی ہو مطلب یہ ہوا کہ رثان یا ثان نجد میں کسی مقام کا نام ہے، وہاں ایسی مصیبتیں نازل ہوئیں کہ لوگوں کے لیے نمونہ عبرت بن گیا۔ لا حول ولا قوة إلا بالله۔

﴿۲۸﴾ شعر ۱۳۹ر میں حضرت تاج الفحول کے لیے دعا کی جا رہی ہے کہ اللہ آپ کو ایمان و یقین، ثابت قدمی اور خیر کثیر کے ساتھ سلامت رکھے، شعر ملاحظہ فرمائیں:

فَـالـلّٰـهُ رَبُّكَ سَيِّـدِيْ أَبْـقَـاكَ بِـالْـ　　　　إِيْـقَـان وَالْـإِتْـقَـان والْـإِبْـقَـان

ترجمہ: سیدی! آپ کا پروردگار آپ کو یقین کامل، ثبات اور خیر کثیر کے ساتھ سلامت رکھے۔

اس میں قافیہ الإبـقان ' ہے، جس کے بارے میں مصنف بین السطور میں لکھتے ہیں 'خیر کثیر'، شعر کا مطلب بالکل واضح ہے۔ اب فاضل بغداد کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

> لم أهتد لمعنى الإبـقان ووضع المحشي على حاشية القصيدة كلمة خير ولست منها على ثقة (ص:۵۸)
>
> ترجمہ: ابقان کے معنی تک میری رسائی نہیں ہوسکی، قصیدے کے حاشیے پر محشی نے لفظ 'خیر' لکھا ہے، لیکن مجھے اس پر وثوق نہیں ہے۔

یعنی ابقان کا معنی 'خیر' ہے مجھے اس پر یقین نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ محشی نے حاشیے میں صرف 'خیر' نہیں بلکہ 'خیر کثیر' لکھا تھا، دوسرے یہ کہ ابقان أبـــقـــن کا مصدر ہے، جس کا مطلب ہے سرسبز و شاداب ہونا، ابن منظور ثعلب کی روایت سے ابن الاعرابی کا قول لکھتے ہیں:

> روَى ثـعـلب عن ابن الأعرابى : أَبْقَنَ إذا أَخْـضَـبَ جَنَابُه واخْضَرَّتْ نِعَالُه ـ والنِّعال الأرضون الصلبة (لسان العرب: مادہ بقن)
>
> ترجمہ: ثعلب نے ابن الاعرابی سے روایت کی کہ ابقن یعنی اس کی زمین (یا صحن) سرسبز ہوا، اس کی نعال ہری بھری ہوئی اور نعال کا مطلب سخت پتھریلی زمین ہے۔

ابقن کا یہی معنی ملحوظ رکھتے ہوئے مصنف علام نے اس کی تفسیر 'خیر کثیر' کے ذریعے کی ہے جو بالکل درست ہے۔

﴿۲۹﴾ شعر ۱۴۱ر میں حضرت تاج الفحول کے سلسلہ روایت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ اپنے بزرگوں سے حدیث روایت کررہے ہیں وہ اپنے بزرگوں سے، وہ مالک سے وہ نافع سے جو کہ ثقہ اور معتمد علیہ ہیں۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

غَـضًّـا طَـرِيًّـا كَـابِراً عَـنْ كَـابِرٍ   عَـنْ مَـالِكٍ عَـنْ نَـافِـعٍ أُمَّـانِ

> ترجمہ: (آپ حدیث علم وعرفان روایت کررہے ہیں اس حال میں کہ وہ) تروتازہ ہے (اپنے) بڑوں سے، وہ اپنے بڑوں سے، وہ مالک سے، وہ نافع سے جو امین وثقہ ہیں۔

دوسرے مصرع میں مالک سے امام مالک بن انس اور نافع سے حضرت نافع مولی ابن عمر کی طرف اشارہ ہے، لیکن بطور توریہ مالک سے حضرت شمس مارہرہ اچھے میاں اور نافع سے حضرت

سیدنا شاہ حمزہ قدس سرہما مراد ہیں، اس کی وضاحت حضرت مصنف نے حاشیے میں فرمائی ہے جو خیر سے عربی زبان ہی میں ہے۔ فاضل بغداد نے اولاً تو اس حاشیے پر کوئی توجہ نہیں دی، دوسرے یہ کہ نافع سے مشہور قاری نافع بن عبدالرحمٰن مراد لے لیے۔ جس سے شعر کا مفہوم ہی خبط ہو کر رہ گیا، کیوں کہ 'مالک عن نافع' میں سلسلہ روایت کے مضبوط، معتمد علیہ اور سلسلۃ الذہب ہونے کی طرف جو لطیف اشارہ تھا وہ نافع بن عبدالرحمٰن مشہور قاری مراد لینے سے فوت ہو گیا (مزید تفصیل زیر نظر کتاب میں اس شعر کی تشریح کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔)

مصنف علام نے قافیہ 'أُمَّان' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے ''الأمين الثقة المعتمد عليه''۔ یہ معنی بالکل صحیح ہے۔ ابن منظور لکھتے ہیں:

رجل أَمِيْنٌ وأُمَّانٌ : أي له دين ، وقيل مامون به ثقة (لسان العرب: مادہ امن)

ابن فارس لکھتے ہیں:

العرب تقول : رجل أُمَّان إذا كان أميناً (مقاييس اللغة: مادہ امن)

فیروز آبادی لکھتے ہیں:

أُمَّان كَرُمَّان : مامون به ثقة (القاموس المحيط : مادہ امن)

اب ذرا فاضل بغداد کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں، رقم طراز ہیں:

مالك : هو مالك بن أنس الفقيه ، ونافع : هو المقرىء المشهور، وأمان : تثنية أم (ص:۵۸)

ترجمہ: مالک سے مراد فقیہ مالک بن انس ہیں، نافع یہ مشہور قاری ہیں، اور أُمّان یہ أُمّ کا تثنیہ ہے۔

أُمّان کو أُمّ (بمعنی والدہ یا اصل) کا تثنیہ مان کر یہ بے بضاعت راقم الحروف شعر کا ترجمہ کرنے سے قاصر ہے۔ بالفرض اگر کوئی صاحب اس تقدیر پر شعر کا ترجمہ کرنے کا کارنامہ انجام دے بھی دیں تو بہر حال وہ شاعر کی مراد سے بعید ہوگا۔

﴿۳۰﴾ شعر ۱۵۴؍ کا پہلا مصرع ہے:

هذاكَ ظَنُّهُمُ الَّذِيْ أَرْداهُمُ

یعنی یہ ان کا گمان ہے جس نے ان کو ہلاک کر دیا۔ اس میں هذاك اسم اشارہ مبتدا ہے، ظَنُّهُم

اپنے مابعد سے مل کر خبر ہے۔ هـذاكَ اصل میں ’ذاك‘ اسم اشارہ ہے جو مشار الیہ متوسط کے لیے آتا ہے، اس پر کبھی ہائے تنبیہ بھی لگا دیتے ہیں، المنجد میں ہے:

ذاك اسم إشارة للمتوسط ، ومع ها التنبيه تقول هذاك (المنجد: مادہ ذا)

لیکن فاضل بغداد نے اس کو هذا اسم اشارہ سمجھا، کاف جارہ حرف تشبیہ اور ظنهم کو کاف کا مدخول مجرور قرار دے کر مصرع یوں لکھا:

هـذا كَـظَـنِّهِـمُ الَّـذِيْ أَرْداهُـمُ

﴿۳۱﴾ حضرت تاج الفحول کے مخالفین جو اہل بدعت وضلالت ہیں ان کی ہجو چل رہی ہے، اسی سلسلے میں حضرت فاضل بریلوی شعر ۱۵۶ر میں فرماتے ہیں:

مَـا مُـذنِـبٌ يَـحْـلُـو لَـدَيْـهِ مَذَاقُهُمْ　　　إِلَّا أُذِيْـقَ مِـنَ الْـحَـمِيْـمِ الْانِـي

ترجمہ: کسی گنہگار کے نزدیک بھی ان کا مشرب شیریں نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے بھی بالکل ایسا ہے کہ جیسے سخت گرم گرم پانی اسے پلایا جا رہا ہو۔

مطلب یہ ہے کہ وہ مخالفین ومعاندین ایسے گمراہ اور بد دین ہیں کہ ان کا مشرب ومذاق کسی گنہگار و بدکار کو بھی پسند خاطر نہ ہوگا، چہ جائے کہ نیک اور پاک باز لوگوں کو۔ بلکہ گنہگار کو بھی ایسا لگتا ہے کہ سخت گرم گرم کھولتا ہوا پانی بمشکل پی رہا ہو۔

اس میں مذنب اور مذاق میں جو توریہ ہے اس سے قطع نظر اب فاضل بغداد کی تشریح ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

الـمـذنـب لا يـحـلو له مذاق ولا طعم مهما حلا ولذ، ولا يليق به إلا الـحـمـيـم الآني الساخن الذي أعده الله للمذنبين الكافرين الذين لم يؤمنوا بالله تعالىٰ ورسله عليهم السلام (ص:۶۰)

ترجمہ: گنہگار کا ذوق اور مزہ میٹھا نہیں ہوتا خواہ (کھانا) کتنا ہی میٹھا اور لذیذ کیوں نہ ہو، گنہگار کے لائق تو صرف سخت گرم کھولتا ہوا پانی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں اور کافروں کے لیے تیار کر کے رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں علیہم السلام پر ایمان نہیں لاتے۔

ہماری ناقص رائے میں شعر کی مذکورہ تشریح شاعر کی مراد کے بالکل خلاف ہے۔

﴿۳۲﴾ شعر ۱۵۷/اور ۱۵۸/قطعہ بند ہیں یعنی دونوں کو ملا کر مفہوم مکمل ہو رہا ہے، فرماتے ہیں:

لَا يَقْتَفِيْهِمْ سَنْبَلِيٌّ أَوْشِنَا   نِيٌّ فَيَنْجُ بِسَنْبَلٍ وَ شِنَانِ
إِذْ أَنَّ حُكْمَ اللّٰهِ لَيْسَ بِقَاصِرٍ   وَالشَّرْعُ جَاءَ لِسَائِرِ الْعِمْرَانِ

ترجمہ: ان کی پیروی کوئی سنبلی (رومی) اور شنانی (شامی) نہیں کرے گا کہ مقام سنبل اور شنان میں ہی نجات پائے۔ کیونکہ اللہ کا حکم قاصر و محدود نہیں ہے، شریعت اسلامیہ ہر آبادی کے لیے آئی ہے۔

مصنف حاشیے میں وضاحت فرماتے ہیں کہ سنبل روم میں ایک جگہ ہے اور شنان ملک شام میں ایک مقام ہے، سنبلی اور شنانی انہیں کی جانب منسوب ہیں۔ خیر سے یہ حاشیہ عربی زبان میں ہے۔ اس میں جو تو ریہ ہے اس کی تفصیل شعر مذکور کی تشریح کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

ان دونوں شعروں کا مجموعی مطلب یہ ہوا کہ ان پاک باز حضرات کی پیروی صرف سنبلی اور شنانی ہی نہیں کرتے کہ صرف سنبل اور شنان کے لوگ ہی نجات پائیں، بلکہ اللہ کا حکم تو عام ہے اور شریعت اسلامیہ کسی خاص خطے و علاقے کے لیے نہیں بلکہ عام طور پر پورے عالم کے لیے آئی ہے۔ اب فاضل بغداد کی تشریح ملاحظہ فرمائیں:

> لا يتبعهم سنبلي – منسوب إلى السنبل – أو الشناني المنسوب إلى الشنان، وهو الوعاء الذي يكون للشراب ، أي : لا ينفع الذي يدخر لشربه وطعامه ، ما يقتات به في حياته ،ما دام مذنباً كافراً فالسنبل والشنان لا ينجيان من العذاب الذي أعده الله تعالیٰ للمذنب (ص:۶۱)
>
> ترجمہ: ان کی اتباع کوئی سنبلی (سنبل کی طرف منسوب ہے) یا شنانی نہیں کرے گا۔ شنانی یہ الشنان کی طرف منسوب ہے، یہ وہ پیالہ ہے جو پینے کے لیے ہوتا ہے۔ یعنی (شعر کا مطلب یہ ہے کہ) اس کو وہ چیز فائدہ نہ پہنچائے گی جو اس نے اپنے کھانے پینے کے لیے محفوظ کر کے رکھی ہے، جس کے ذریعے سے وہ اپنی زندگی میں خوراک حاصل کیا کرتا تھا، جب تک کہ وہ گنہگار اور کافر ہے، پس سنبل اور شنان اس کو نجات نہیں دلوا سکتے اس عذاب سے جو اللہ نے گنہگار کے لیے تیار کیا ہے۔

ممکن ہے کہ شعر کے الفاظ مذکورہ تشریح کے محتمل یا متحمل ہوں لیکن بہر حال شاعر کی یہ مراد نہیں ہے۔

﴿۳۳﴾ شعر ۱۶۴/ کا پہلا مصرع ہے:

أعـي البـصــائـر درك سـرك والنهـى

فاضل بغداد لکھتے ہیں:

رسمت أعي في الأصل : أعى والصواب ما أثبتنا (ص:٦٢)

ترجمہ: لفظ اعي اصل میں اعی لکھا ہے، حالانکہ جو ہم نے لکھا ہے وہ درست ہے۔

ہمارے سامنے بھی وہی نسخہ ہے جو فاضل بغداد کے سامنے تھا (یعنی المجمع الاسلامی مبارک پور کا شائع شدہ) اس میں اعي کی 'یا' کے نقطے صاف نظر آرہے ہیں۔

﴿۳۴﴾ شعر ۱۸۱/ میں حضرت محبوب سبحانی کو مخاطب کر کے عرض کرتے ہیں کہ اگر میرے گناہوں نے آگ کو بھڑکا دیا ہے تو کیا ہوا؟ آپ ان کی دشمنی کی آگ کو پانی کے چھینٹوں سے بجھا دیں گے۔ دوسرا مصرع یہ ہے:

تُـطْـفِـيْ حَـرِيْـقَ شَـنَـانِـهَـا بِشُنَـان

اس میں تطفي فعل، حريق شنانها، تطفي کا مفعول اور بشنان جار مجرور تطفي کا متعلق۔ پہلا والا زبر کے ساتھ شَنَان ہے، دشمنی کے معنی میں، دوسرا والا پیش کے ساتھ شُنَان ہے، بمعنی پانی کا چھینٹا۔ تُـطْفِي صیغہ واحد مذکر حاضر ہے، جس سے حضرت محبوب سبحانی کو خطاب کیا جا رہا ہے، یعنی آپ بجھا دیں گے، لیکن فاضل بغداد نے تطفي کو صیغہ واحد مؤنث غائب مانا ہے، کیوں کہ تشریح میں لکھتے ہیں:

فإن الذي يطفي غضبها و نيرانها هو ماء (ص:٦٤)

جو اس کے غضب کو ٹھنڈا اور آگ کو بجھائے گا وہ پانی ہے۔

﴿۳۵﴾ شعر ۱۹۰/ کا پہلا مصرع ہے:

قَلْبٌ شَجٍ مُشْجًى شَجِيْجٌ شَاجِنٌ

اس کے بین السطور میں مصنف نے خود ہی اپنے استعمال کردہ الفاظ کے معانی بیان کیے ہیں، لکھتے ہیں: شَجٌ: غمناک/ مشجى: در غصہ انداختہ شدہ/ شجيج: زخمی/ شاجن: محزون

اس میں تیسرا لفظ شـجـيـج (ش ج ی ج) ہے، جس کا معنی زخمی ہے۔ دونوں جیم کے نقطے

صاف پڑھنے میں آرہے ہیں، مگر فاضل بغداد نے اس کو شحیح (ش ح ی ح) بمعنی بخیل سمجھ لیا، لکھتے ہیں: الشحیح : البخیل (ص:٦٦) آپ پورا شعر پڑھیں اس میں کہیں شحیح بمعنی بخیل فٹ ہوتا ہوا نظر نہیں آئے گا۔

﴿٣٦﴾ شعر ۲۰۹ر میں فرماتے ہیں:

يَـا هَـيَّ لَيْـسَ الْـمَـلْكُ يَسْـأَمُ مِنْ نَدىً　　　وَالْـعَبْـدُ عِـنْـدَ الْـحَـفْـدِ فِـي ارْثِـعْـنَـان

ترجمہ: اے تعجب و حیرت! آقا بخشش و عطا کرنے سے ملول و رنجیدہ نہیں ہوتا ہے اور غلام خدمت کے وقت سستی و کاہلی کرتا ہے۔

شعر کا مطلب ترجمے ہی سے واضح ہے، بین السطور میں مفردات کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

يا هي : كلمة معناها و اعجبا / الحفد: شتافتن بخدمت/ ارثعنان: سستی۔

پہلا لفظ يا هيَّ کلمہ تعجب ہے، جیسا کہ خود حضرت مصنف نے لکھا ہے۔ القاموس المحیط میں ہے:

يا هَيَّ مالي: كلمة تعجب ، لغة في المهموز (القاموس المحیط : ماده الهاء)

لیکن فاضل بغداد نے اس کو وہ 'هَيُّ' سمجھ لیا جو بے نام ونسب لوگوں کے لیے بولا جاتا ہے، لکھتے ہیں:

> يا هي ضبطها في الأصل بالفتح و الأصح مبنية على الضم و هي كلمة تقال لمن لا أصل له ، أو للمغمور من الناس (ص:٦٩)
>
> ترجمہ: یا هي اس کو اصل میں فتحہ کے ساتھ لکھا ہے، حالانکہ اصح یہ ہے کہ یہ مبنی بر ضم ہے اور یہ وہ کلمہ ہے جو اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جس کی کوئی اصل نہ ہو، یا اس شخص کے لیے جو گمنام ہو۔

جس هَيُّ کے بارے میں فاضل بغداد بتا رہے ہیں وہ واقعی مبنی بر ضم ہے، لیکن یہاں وہ هَيُّ ہے ہی نہیں، بلکہ یہاں تو یا هَيَّ ہے جو تعجب کے لیے آتا ہے اور وہ مبنی علی الفتح ہی ہے۔

شعر کا قافیہ 'ارثعنان' ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے فاضل بغداد لکھتے ہیں:

المرثعن من المطر: الكثير (اللسان: ۱۷/۳۴ رثعن)

مطلب یہ ہوا کہ مرثعن اگر بارش سے ہو تو اس کا معنی 'کثیر بارش' ہوتا ہے۔ ساتھ ہی بغدادی صاحب نے لسان العرب کا حوالہ بھی دیا ہے۔ آپ اگر مصرع پر غور فرمائیں تو یہاں ارثعنان بمعنی کثیر بارش فٹ ہی نہیں ہوگا، لسان العرب کے جس صفحے کے حوالے سے فاضل بغداد نے

المرثعن کا معنی کثیر بارش بیان کیا ہے لسان العرب کے اسی صفحے پر چند سطروں کے بعد یہ معنی بھی لکھا ہے کہ:

المرثعن : الرجل الضعیف المسترخی

یعنی مرثعن کا معنی ہے کمزور، سست، ڈھیلا آدمی۔ یہی معنی شعر میں مراد بھی ہے، مصنف علام نے بھی بین السطور میں ''سستی'' لکھ کر اسی کی جانب اشارہ کیا ہے۔ ارثعنان کو کثیر بارش کے معنی میں ماننے کی وجہ سے اس شعر کی تشریح میں فاضل بغداد کو جو تکلف کرنا پڑا وہ آپ بھی دیکھیں:

> یقول : لا یسأم اللہ –تعالیٰ– من الکرم والجود ، والعبد یتلقی الجود والکرم في تدفق متواصل کما یتدفق المطر (ص:٦٩)
>
> ترجمہ: شاعر کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کرم وبخشش کرنے سے ملول نہیں ہوتا اور بندہ بھی تیزی سے مسلسل کرم وبخشش حاصل کرتا ہے جس طرح تیزی سے بارش ہوتی ہے۔

ہمارے خیال سے یہ معنی شاعر کی مراد سے بہت بعید ہے۔

﴿۳۷﴾ شعر ۲۱۲ میں فرماتے ہیں:

إِنْ فَاتَهُ ذَنْبٌ فَعَجْزًا أَوْ كَمَا قَصُرَتْ عَنِ الْحَلْوَا يَدُ الشَّبْعَانِ

> ترجمہ: اگر اس سے کوئی گناہ فوت ہوتا ہے تو وہ صرف عجز ومجبوری کی بنا پر (ہوتا ہے) یا جیسے شکم سیر کا ہاتھ مٹھائی سے رک جاتا ہے۔

کہنا یہ چاہتے ہیں وہ غلام اتنا بدکار وخطا کار ہے کہ اُس سے کوئی گناہ نہیں چھوٹتا اگر اتفاقاً وہ کبھی کسی گناہ سے باز رہتا ہے تو خوف خدا کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے باز رہتا ہے کہ اُس کو اس کا موقع نہیں ملا یا گناہ کرنے میں کوئی مجبوری حائل ہوگئی۔ یہ بالکل اس شکم سیر آدمی کی طرح ہے جو مٹھائی سامنے آنے کے بعد صرف اس لیے اس سے ہاتھ روکتا ہے کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے اور اس وقت مٹھائی کی گنجائش نہیں ہے ورنہ اس کو مٹھائی کھانے سے کوئی پرہیز نہیں ہے اگر اس کا پیٹ خالی ہوتا تو وہ ضرور مٹھائی کھالیتا۔

یہ بالکل سامنے کی بات ہے، اس میں ذرہ برابر غموض واغلاق نہیں ہے، مگر فاضل بغداد نے مصرع ثانی میں 'الشبعان' (شکم سیر) کو السبعان (درندہ) سمجھ لیا اور شعر کا مفہوم پستی فرش سے فراز عرش

پر جا پہنچا۔ فرماتے ہیں:

> أي إن لم يفعل ذنباً ولم يرتكبه فهو لم يرتكبه عجزاً وضعفاً و إلا فهو مجبول على المعصية ، وقصوره عن المعصية أشبه بمن يريد أن ينال الحلواء وهي بعيدة عن متناول يده مع أنه معدود في السباع الشجاع (ص:٦٩)
>
> ترجمہ: یعنی اگر وہ گناہ نہیں کرتا تو وہ عجز اور کمزوری کی وجہ سے گناہ نہیں کرتا ورنہ وہ تو گناہوں کا عادی ہے، گناہ سے اس کا رک جانا اُس شخص کے مشابہ ہے جو حلوا لینا چاہتا ہے اور حلوا اس کی دسترس سے دور ہے حالانکہ وہ (شخص) درندوں اور بہادروں میں شمار ہوتا ہے۔

﴿۳۸﴾ شعر ۲۳۰ر میں حضرت فاضل بریلوی اپنے والد گرامی اور جد محترم کے لیے دعا کر رہے ہیں کہ اے پروردگار! ان کی قبر میں ان کو حور، غلمان اور رضوان کے ذریعے سے انس عطا فرمانا۔ دوسرا مصرع یہ ہے......ع

بالحور والغلمان والرضوان

الرضوان کے بارے میں بین السطور میں وضاحت کرتے ہیں کہ 'خازن الجنة' یعنی یہاں رضوان سے شاعر نے 'داروغہ جنت' مراد لیا ہے۔ لیکن فاضل بغداد نے اس سے صرف نظر کر کے الرضوان کا معنیٰ 'الرضا والقبول' بتایا ہے (ص:۷۲) گوکہ اس سے شعر کے معنی پر کوئی خاص فرق نہیں پڑا مگر شاعر کے بیان کردہ معنی کے خلاف ضرور ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ شاعر نے قصیدے میں تکرار قافیہ سے احتراز کا التزام کیا ہے، وہ التزام فوت ہوا جاتا ہے، کیوں کہ شعر ۱۲۹ر میں الرضوان بمعنی رضا پیچھے بھی آچکا ہے۔

﴿۳۹﴾ دوسرے قصیدے کے شعر ۴۴ر میں حضرت سیف اللہ المسلول کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

تَسْطُوْ عَلَى أَهْلِ الْجَفَا　　سَطْوَ الْمُؤَمَّرِ مِنْ عَدِيْ

ترجمہ: آپ بے وفا غدار لوگوں پر حملہ کرتے ہیں قبیلہ عدی کے سردار و امیر (حضرت عمر فاروق) کے حملہ کرنے کی مانند۔

مصرع ثانی میں المؤمر من عدی سے حضرت عمر فاروق کی ذات مراد ہے، آپ قبیلہ قریش کی شاخ 'بنی عدیٰ' کے تھے، لفظ عدي سے اسی جانب اشارہ ہے، خود مصنف علام نے بین السطور میں اپنی مراد ظاہر کر دی ہے، لکھتے ہیں: أراد الفاروق رضی الله تعالیٰ عنه

لیکن فاضل بغداد فرماتے ہیں: العدي: العادي الظالم ۔ (ص:۸۰)

عَدِيْ کی اس تفسیر سے شعر کا مفہوم شاعر کی مراد کے بالکل خلاف ہو گیا۔

﴿۴۰﴾ شعر ۵۲ ر میں حضرت سیف اللہ المسلول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آپ اچھے معزز مہمان کی طرح جنت میں جمع ہوں، اس حال میں کہ آپ ان کے پسند خاطر ہوں۔ شعر دیکھیں:

فَحُشِرْتَ مَرْضِيًّا إِلَى عَدْنٍ كَأَحْسَنِ وَافِدِ

اس سے پہلے والے شعر میں 'بك يهتدي' ہے، اس کے بعد والے شعر میں 'نبيك' ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حاضر کا صیغہ حشرتَ ہے نہ کہ متکلم کا صیغہ حشرتُ، پھر حضرت مصنف نے حشرتَ کی تائے خطاب پر زبر بھی لگایا ہے، لیکن نہ معلوم کیوں فاضل بغداد نے اس کو صیغہ واحد متکلم حشرتُ سمجھ لیا۔ فرماتے ہیں:

> حشرت : أي جمعت يوم القيامة مع الخلق وأنا مرضي إلى جنة عدن (ص:۸۱)
>
> ترجمہ: یعنی مَیں جمع ہوں گا مخلوق کے ساتھ اس حال میں کہ مَیں راضی کیا گیا ہوں گا جنت نعیم کی جانب۔

راقم یہاں پر 'أنا مرضي' کا موقع محل سمجھنے سے قاصر ہے۔

﴿۴۱﴾ قصیدۂ دالیہ کے آخر میں فرماتے ہیں کہ یہ اُس ذات گرامی کا عرس ہے کہ جس کے فیض کی بارش سے ہماری کھیتیاں سرسبز ہیں۔ اے نفس! تو اس عرس کی مدح کا حق ادا نہیں کر سکتا کیوں کہ تو کوتاہ دست ہے۔ (مفہوم شعر ۶۲، ۶۳) اس کے بعد شعر ۶۴، ۶۵ میں فرماتے ہیں:

لَكِنْ أَبِيْنِيْ عَامَهُ وَزَمَانَ رِحْلَةِ سَيِّدِيْ
فِيْ مِصْرَ عَيْنِ كَدُرَّتَي نِ بِنَظْمِ سِلْكٍ مُفْرَدِ

ترجمہ: لیکن بیان کر عرس کا سال اور میرے سردار (سیف اللہ المسلول) کے سفر آخرت

کے زمانے کو ان دومصرعوں میں جو نظم کی ایک لڑی میں دو موتیوں کے مثل ہوں۔
مطلب یہ ہے کہ اگر چہ تم اس عرس کی تعریف و توصیف کما حقہ نہیں کر سکتے لیکن دو مصرعوں میں تم عرس کا سال اور ممدوح کا سنہ وصال بیان کر دو۔ پھر اگلے شعر میں فرماتے ہیں:

يَا فَضْلَ عُرْسِ أَمَاجِدٍ   فَضْلُ الرَّسُوْلِ مُؤَيَّدٌ

اس کے پہلے مصرع سے ممدوح کا سنہ وصال (۱۲۸۹ھ) اور دوسرے سے عرس کا سال (۱۳۰۰ھ) برآمد ہوتا ہے۔ یہ ایک مسلسل مضمون ہے جو شعر ۶۲/ سے شروع ہو کر ۶۶/ پر ختم ہو رہا ہے۔

لیکن فاضل بغداد نے مصرع اول میں واقع فِيْ مِصْرَ عَيْنِ کو فِيْ قَصْر عَيْنِ کر دیا، پھر كَدُرَّتَيْنِ کی تشریح میں فرماتے ہیں:

الدرتان : هما الا بن وأبوه المذكوران في القصيدة (۸۳)

ترجمہ: الدرتان (دو موتی) یہ دونوں وہ فرزند اور ان کے والد ہیں جو قصیدے میں مذکور ہوئے۔

شعر میں مِصْرَ عَيْنِ کی جگہ قَصْرَ عَيْنِ اور درتین سے والد اور فرزند مراد لے کر ہم شعر کا معنی سمجھنے سے قاصر ہیں۔ بالفرض اگر یہاں کوئی معنی خوامخواہ ٹھونس بھی دیا جائے تب بھی اس کو خارج کر دیا جائے گا کیوں شعر ۶۲/ سے شعر ۶۶/ تک جو مسلسل مفہوم ہے وہ غارت ہوا جاتا ہے۔

سر دست یہ اکتالیس مقامات ہیں جو غور و فکر اور نظر ثانی کے متقاضی ہیں، ان کے علاوہ چند ایک مقامات اور ہیں جہاں فاضل بغداد نے شعر کی زبان یا عروض پر اپنے تأمل کا اظہار کیا ہے، لیکن وہاں بھی صورت حال وہی ہے جو آپ نے ان اکتالیس مقامات میں ملاحظہ فرمائی، اس لیے ہم ان سے صرف نظر کر رہے ہیں۔
اس بحث کے آخر میں بمصداق......ع

عیب وے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

یہ لکھنا ضروری ہے کہ کسی فنی شہ پارے کی تحقیق و تعلیق کا جو رائج علمی طریقہ ہے فاضل بغداد ڈاکٹر رشید عبیدی کی زیر نظر شرح و تحقیق (چند تسامحات کے استثنا کے ساتھ) اس پر پوری اترتی ہے، انہوں نے بڑی باریکی اور فنی مہارت سے قصیدوں کا مطالعہ کیا، زبان کا تجزیہ کیا، عروض و قوافی پر غور کیا، شعریت اور حسن ترسیل کو پرکھا پھر جو خوبیاں یا خامیاں ان کو محسوس ہوئیں انہوں نے بے کم

وکاست خالص علمی پیرایے میں ان کو زینت قرطاس کر دیا۔

ان کی اس شرح وتحقیق سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ عرب بالخصوص عراق کے علمی حلقوں میں قصیدوں کے ممدوح حضرت سیف اللہ المسلول اور ناظم حضرت فاضل بریلوی کے علمی مقام و مرتبے کا تعارف ہوا۔ ڈاکٹر رشید عبیدی چونکہ اپنی ایک پہچان رکھتے ہیں، علمی حلقوں میں ان کا قد بلند اور بات باوزن تسلیم کی جاتی ہے اس لیے ان کے ذریعے ان قصائد کے تعارف اور تحقیق و تعلیق سے عراق کے ارباب شعروسخن ان قصائد کی جانب سنجیدگی سے متوجہ ہوئے، جس سے بحیثیت قادر الکلام عربی شاعر 'رضا شناسی' کا ایک اہم پہلو اجاگر ہوا، اس کارنامے پر رضویات سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو ڈاکٹر رشید عبیدی کا ممنون ہونا چاہیے۔

☆☆☆

مصادر مقدمہ

☆الإشاد الشافي: محمد دمنہوری ازہری/ مطبع حلبی، قاہرہ/۱۳۴۴ھ۔

☆الأستاذ الدکتور رشید عبدالرحمن العبیدی حیاتہ و جھودہ: ڈاکٹر شاکر محمود السعدی /مطبوعہ بغداد/ ۲۰۱۱ء۔

☆بساتین الغفران: مرتبہ ڈاکٹر حازم محمد محفوظ/ لاہور، پاکستان/ ۱۹۹۷ء۔

☆تیسیر البیان فی ترجمۃ القرآن معروف بہ ترجمہ قادری: مفتی عزیز احمد قادری بدایونی/ ادارہ مظہر حق، بدایوں/ ۱۹۸۶ء۔

☆حدائق بخشش حصہ سوم: مرتبہ مولانا محبوب علی خاں/ باہتمام افتخار ولی خاں/ مطبوعہ نظامی پریس بدایوں/ سنہ ندارد۔

☆الخصائص: ابن جنی/ آن لائن ایڈیشن۔

☆الدکتور رشید عبدالرحمن العبیدی و جھودہ اللغویۃ: ڈاکٹر آمنہ محمد حیدر/ مطبوعہ بغداد/ ۲۰۱۱ء۔

☆رحب الساحة: مشمولہ فتاویٰ رضویہ (جدید): جلد دوم/ پور بندر، گجرات/ ۲۰۰۳ء۔

☆شاعر من الهند: ڈاکٹر محمد مجید السعید/ مطبوعہ بغداد/ ۲۰۰۳ء۔

☆الشيخ أحمد رضا خان البريلوي الهندي شاعراً عربياً: ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری/ مؤسسۃ الشرف، لاہور/ ۲۰۰۲ء۔

☆الصحاح في اللغة: اسماعیل بن حماد جوہری/ دار العلم للملائین، قاہرہ/ ۲۰۰۸ء۔

☆ قاری (ماہنامہ، دہلی) امام احمد رضا نمبر: ایڈیٹر قاری محمد میاں مظہری/ شمارہ اپریل ۱۹۸۹ء۔

☆القاموس المحيط: مجد الدین فیروز آبادی/ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت/ ۲۰۰۵ء۔

☆ قصیدتان رائعتان: شرح و تحقیق ڈاکٹر رشید عبیدی/ المجمع الرضوي العليمي، بغداد/ ۲۰۰۲ء۔

☆ قصیدتان رائعتان: مطبوعہ المجمع الإسلامی مبارکپور/ ۱۹۸۹ء۔

☆ الكافي في العروض و القوافي: خطیب تبریزی/ مکتبہ الخانجي، قاہرہ/ ۱۹۹۴ء۔

☆لسان العرب: ابن منظور افریقی/ دار المعارف، بیروت/ طبع ششم۔
☆ماہ تابان اوج معرفت: مرتبہ محمد اعظم علی قادری بدایونی/ مطبوعہ میرٹھ/ ۱۳۰۰ھ۔
☆ المرشد الوافي في العروض والقوافي: ڈاکٹر محمد بن حسن بن عثمان/ دار الکتب العلمیۃ، بیروت/ ۲۰۰۴ء۔
☆مصباح اللغات: عبد الحفیظ بلیاوی/ مکتبہ برہان، دہلی۔
☆المنجد في اللغة: لوئس معلوف/ مطبوعہ طہران، ایران/ سنہ ندارد۔
☆میزان الذهب في صناعة شعر العرب: احمد الہاشمی/ بیروت/ ۲۰۰٦ء۔

☆☆☆

القصیدۃ الاولیٰ النونیۃ

المسماۃ بـ

مدائح فضل الرسول

۱۳۰۰ھ

نتیجہ فکر عالی

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی

ترجمہ و تشریح

مولانا عاصم اقبال قادری مجیدی

هو

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين والصلاة والسلام على الحبيب وأهل بيته أجمعين ۔

قصيدتان مشتملتان على ٣١٣ شعرا بعدد أصحاب بدر رضى الله تعالىٰ عنهم أجمعين في مدح تاج الفحول السيف المسلول على أعداء الرسول ﷺ مولانا المولوى فضل الرسول العثماني القادري الحنفي البدايوني رحمة الله تعالىٰ عليه تولى غرس أشجارهما واجتناء ثمارهما وفتق أزهارهما الفقير إلى ربه المقر بذنبه

أحمد رضا القادري البركاتي البريلوي

غفر الله له ذنبه كله دقه وجله آمين

ترجمہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين والصلاة والسلام على الحبيب وأهل بيته أجمعين ۔

یہ دو قصیدے ہیں جو اصحاب بدر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کی تعداد کی مناسبت سے ۳۱۳/ اشعار پر مشتمل ہیں۔ یہ علما کے تاجدار، رسول ﷺ کے دشمنوں کے لیے شمشیر بے نیام مولانا مولوی فضل رسول عثمانی قادری حنفی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں ہیں۔

ان قصائد کا پیڑ لگایا، ان کے پھل چنے اور ان کے پھول توڑے

احمد رضا قادری برکاتی بریلوی

نے جو اپنے رب کی بارگاہ کا فقیر اور اپنے گناہوں کا معترف ہے۔

اللہ اس کے چھوٹے بڑے تمام گناہ معاف فرمائے۔

﴿۱﴾

رَنَّ الْحَمَامُ عَلَى شُجُوْنِ الْبَانِ	يَا مَا أُمَيْلِحَ ذِكْرَ بِيْضِ الْبَانِ

بان درخت کی شاخوں پر فاختہ نے نغمہ سرائی کی، واہ مقام بان کی گوری (خوبصورت) عورتوں کا ذکر کتنا حسین وملیح ہے۔

حل لغات: رَنَّ رَنِيْناً: [فریاد کرد] فریاد کرنا، بلند آواز سے رونا/فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب۔ شجون: [شاخہا] شجن کی جمع بمعنی پیچیدہ ٹہنی، درخت کی شاخ۔ ماأُمَيْلِحَ: [چہ قدر نمکین است] یہ تصغیر ہے ما أملح فعل تعجب کی بمعنی کیا ہی خوبصورت ہے، کیا ہی حسین وملیح ہے۔ بیض: أبیض کی جمع بمعنی سفید، یہاں خوبصورت عورتیں مراد ہیں۔

تشریح: پہلے مصرع میں 'البان' درخت کے معنی میں ہے۔ 'البان' اس درخت کو کہتے ہیں جس کے پتے بید کے پتوں کی طرح ہوتے ہیں۔ اس کے پھل سے خوشبودار تیل نکلتا ہے۔ یہ درخت لمبا اور اونچا ہوتا ہے اس لیے عربی شعرا محبوب کی بلندئ قد اور کشیدہ قامتی کو 'بان' کے درخت سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جس طرح اردو میں محبوب کے قد وقامت کو 'سرو' کے درخت سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ حضرت ناظم حاشیہ میں فرماتے ہیں:

شجرة عربية تشبه بها قدود الحسان في الإستواء والرشاقة۔

دوسرے مصرع میں 'البان' ایک مقام کا نام ہے جہاں کا حسن وجمال مشہور تھا۔ بین السطور میں وضاحت کرتے ہیں:

اسم موضع أهلها معروفون بالحسن والجمال

(بان) ایک جگہ کا نام ہے جہاں کے رہنے والے حسن وجمال کی وجہ سے مشہور ہیں۔

لفظ 'ما امیلح' کے بارے میں حاشیے میں فرماتے ہیں:

فعل تعجب هو تصغير 'ما أملح' ولم يصغروا من الفعل غيره و'ما أحيسنه'۔ قاموس۔

یہ فعل تعجب ہے جو ما أملح کی تصغیر ہے، ما أمیلح اور ما أحیسنه کے علاوہ عربی میں کسی فعل کی تصغیر نہیں لاتے۔ بحوالہ قاموس۔

﴿۲﴾

تَبْكِيْ دَمًا وَتَقُوْلُ فِيْ أَسْجَاعِهَا	اَللّٰهُ يُضْحِكُ سِنَّ مَنْ أَبْكَانِي

وہ فاختہ خون کے آنسو رو رہی ہے اور اپنے نغموں میں کہہ رہی ہے کہ ’اللہ اسے شاداں و فرحاں رکھے جس نے مجھے رُلایا ہے‘۔

حل لغات: أسجاع : سجع کی جمع بمعنی کبوتر یا فاختہ کی بولی۔ الله يضحك سن : یہ دعائیہ جملہ ہے، لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ ’اللہ اس شخص کے دانتوں کو ہنسائے مجازاً مراد ہے کہ اللہ اس شخص کو خوش رکھے، شاد و آباد رکھے۔ سن : [دندان] دانت۔

تشریح: وہ فاختہ اپنے ساتھی کی یاد میں اور اس کے ہجر و فراق میں رو رہی ہے، مگر اس کی شکایت نہیں کرتی کہ اس نے اسے اِس حال کو پہنچا دیا بلکہ اس کو دعا دے رہی ہے کہ اے اللہ جس نے ہجر و فراق کے ذریعے میرا یہ حال کیا ہے تو اس کو خوش و خرم اور ہمیشہ ہنستا ہوا رکھ۔

﴿۳﴾

بَكَتِ الْغَزِيْرَ فَهَيَّجَتْ مِنِّي الْبُكَا	إِنَّ الْحَزِيْنَ لَسَائِلُ الْأَجْفَانِ

وہ (فاختہ) ایسا زار و قطار روئی کہ اس کے رونے نے مجھے رونے پر آمادہ کر دیا۔ یقیناً غمزدہ تو نم دیدہ ہی ہوتا ہے۔

حل لغات: الغزير : [البكاء الكثير] بمعنی بہت، کثیر، جب بکاء یا دموع وغیرہ کے ساتھ آتا ہے تو معنی ہوتا ہے زار و قطار رونا، پھوٹ پھوٹ کر رونا، بہت زیادہ رونا۔ المطر الغزير : موسلا دھار بارش۔ أجفان : [پلک ہائے چشم] جفن کی جمع بمعنی پپوٹہ۔ سائل الأجفان : یہ مجاز عقلی کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اس لیے کہ پپوٹے نہیں بہتے بلکہ آنسو بہتے ہیں اور ان کا محل پپوٹے ہیں جیسا کہ عربی میں کہا جاتا ہے يجري النهر (دریا بہہ رہا ہے) حالانکہ دریا نہیں بہتا بلکہ اس میں پانی بہتا ہے۔

تشریح: شعر کا مطلب واضح ہے۔ اکبر الہ آبادی کہتے ہیں:

اشک خوں آلود آنکھوں سے نمایاں ہوگیا
دیکھیے دل بھی شریک چشم گریاں ہوگیا

﴿۴﴾

وَلَـقَـدْ دَرَی مَـنْ ذَاقَ ذَوْقَ صَبَـابَـةٍ
أَنَّ الـلُّـحُوْنَ مُثِيْـرَةُ الْأَكْـنَـانِ

جس نے سوزش عشق کا مزہ چکھ لیا ہو وہ جانتا ہے کہ اچھی آوازیں پوشیدہ (چنگاری) کو بھڑکا دیتی ہیں۔

حل لغات: دری:[عَلِمَ]دری يدري جاننا، واقفیت حاصل کرنا/فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب۔ صبابة:[سوزشِ عشق]اللحون:[آوازہائے خوش]لحن کی جمع عمدہ آواز۔ مثیرة[برانگیزندہ] اسم فاعل ازأثار يثير إثارة بمعنی ابھارنے والا، بھڑکانے والا۔ الأكنان[**المكونات**] چھپی ہوئی۔

تشریح: سوال پیدا ہوا کہ فاختہ کو روتا ہوا دیکھ کر آپ کیوں رونے لگے؟ جواب دیتے ہیں کہ یہ راز عام آدمی نہیں سمجھ سکتا بلکہ جس نے محبت کا مزہ چکھا ہے اور سوزش عشق نے جس کے کلیجے کو جلایا ہے وہ یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ عمدہ آوازیں اور شیریں نغمے سینوں میں دبی ہوئی عشق و محبت کی چنگاری کو بھڑکاتے ہیں، ماضی کی یاد دلاتے ہیں، محبت کے زخم تازہ ہوجاتے ہیں اور بے اختیار عاشق کی آنکھوں سے تاراشک رواں ہوجاتا ہے۔ شاعر نے جب فاختہ کو اپنے محبوب کی یاد میں روتا ہوا دیکھا تو ان کو بھی اپنے بچھڑے ہوئے محبوب کی یاد تازہ ہوگئی اور محبوب کی یاد آتے ہی آنکھوں سے اشک جاری ہوگئے۔

﴿۵﴾

هَـلْ يَـا هِـلَالَ الْـعِيْـدِ عِنْدَکَ خُبْرَةٌ
بِشُـمَيْسَةٍ فِـي بَـدْرِهَـا قَـمَـرَانِ

اے ہلالِ عید! کیا تیرے پاس اس آفتابِ (حسن و جمال) کی کوئی خبر ہے جس کے چاند سے چہرے میں دو چاند ہیں۔

حل لغات: هلال: نیا چاند۔ خبرة: اطلاع:۔ شميسة: یہ تصغیر ہے شمس کی، آفتاب، سورج۔ بدر: چودھویں کا چاند۔

تشریح: جب فاختہ نے محبوب کی یاد تازہ کردی تو اب اس کا خیال دامن گیر ہوا۔ وہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ لہٰذا ہلال عید سے اس کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ عید کا چاند چونکہ خوشی و مسرت کا استعارہ ہے اور عید پر بچھڑے ہوئے ملتے ہیں اس لیے اپنے بچھڑے ہوئے محبوب کی خبر معلوم کرنے کے لیے شاعر نے عید کے چاند کا انتخاب کیا۔

پوچھتے ہیں کہ اے عید کے چاند! کیا تجھے میرے محبوب کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟ وہ محبوب جو آفتاب حسن و جمال ہے، جس کے چاند سے چمکتے ہوئے چہرے میں دو مزید چاند چمک رہے ہیں۔

'شمیسة' سے محبوب کی ذات مراد ہے، 'بدر' سے محبوب کا چہرہ اور 'قمران' سے اس کی خوبصورت آنکھیں مراد ہیں۔ اس شعر میں ہلال عید، شمس، بدر اور قمران چاروں الفاظ کا حسن اجتماع جو لطف دے رہا ہے وہ اہل ذوق سے پوشیدہ نہیں۔

﴿٦﴾

أَيَّا تُنَادِمُ أَيْنَ تَنْزِلُ كَيْفَ هِيْ	أَيَّانَ تَأْتِيْ كَمْ مَدَى أَيَّانِي

وہ کس کا ہم نشیں ہو رہا ہے؟ کہاں اُترتا ہے؟ وہ کیسا ہے؟ وہ کب آئے گا؟ (مَیں) کہاں تک (کہوں) 'کب' 'کب' 'کب'۔/ میرا 'کب' 'کب' 'کب' (کہنا) کہاں تک چلے گا۔

حل لغات: تناد م: [منادمة ہم نشینی] مضارع واحد مؤنث غائب از نادم ینادم منادمة بمعنی ہم نشیں ہونا۔ أَيَّانَ: اسم استفہام بمعنی مَتَی کب۔

تشــــریح: ہلال عید سے مزید دریافت فرماتے ہیں کہ اے ہلال عید! تو ہی کچھ خبر دے کہ ساعت وصل کب آئے گی؟ مَیں کب اپنے محبوب سے ہم آغوش ہوں گا؟ جب محبوب مجھ سے بچھڑ گیا تو کہاں قیام کر رہا ہے؟ کس کے ساتھ بیٹھ رہا ہے؟ مجھ سے بچھڑنے کے بعد وہ اب کس حال میں ہے؟ وہ کب آئے گا؟ وغیرہ وغیرہ۔

عاشق جب فراق میں بے چین ہوتا ہے تو اس کو یہی ایک رٹ ہوتی ہے کہ آخر وصل یار کب ہوگا؟ وہ بار بار یہی پوچھتا رہتا ہے کہ کب کب کب۔ فرماتے ہیں کہ آخر مَیں کتنی بار 'ایان' کہوں؟ بین السطور میں فرماتے ہیں:

> أراد اللفظ أي إلى ما أقول أيان و أيان
>
> (ایان سے معنیٰ نہیں بلکہ) لفظ 'ایان' ہی مراد ہے، یعنی مَیں کہاں تک کہوں ایان ایان (کب، کب)

اردو میں کسی نے کہا اور خوب کہا کہ:

وہ آرہے ہیں، وہ آئیں گے، آرہے ہوں گے		تمام رات یہ کہہ کر گزار دی ہم نے

﴿٧﴾

بَـانَـتْ وَمَـا لانَـتْ فَبَـانَـتْ لَوْعَتِيْ	يَـا خَيْبَتِـيْ فِـي الـصَّبْـرِ وَالْكِتْمَـانِ

وہ دور ہوگیا اور (مجھ پر) مہربان نہیں ہوا تو میری سوزش عشق ظاہر ہوگئی۔ وائے میری ناکامی صبر کرنے اور (عشق) چھپانے میں۔

حل لغات: بانت (اوّل) [جدا شد] بان یبین بینا **بمعنی جدا ہونا**۔ مالانت : [**نرم نہ شد**] لان یلین **بمعنی** نرم ہونا/ **ماضی منفی صیغہ واحد مؤنث غائب**۔ بانت (ثانیہ) [ظھرت] بان بیانا: **ظاہر ہونا**۔ لوعة : [سوزش عشق] لاعَ کا اسم مرۃ، **غم یا عشق و محبت کی جلن**، سوزش۔ خیبة **مصدر** از خاب **بمعنی** ناکامی۔

تشریح: وہ آفتاب صفت محبوب جدائی کا داغ دے گیا اور اِس حال میں جدا ہوا کہ عاشق پر ذرا بھی مہربان نہیں ہوا، نہ اس پر لطف و محبت کی نگاہ کی۔ اِس رویے سے عاشق کو سخت تکلیف پہنچی، وہ اس صدمے کو برداشت نہ کرسکا اور بے ساختہ آہ و فغاں کرنے لگا، جس سے اس کے عشق کا راز ظاہر ہوگیا۔ گویا وہ نہ صدمہ جدائی کو برداشت کرکے اس پر صبر کرنے میں کامیاب ہوا اور نہ ہی اپنے راز عشق کو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے میں کامیاب ہوا۔ اب عاشق اپنی اس ناکامی پر افسوس کررہا ہے۔

پہلے مصرع میں 'بانت' اور 'لانت' کے درمیان جناس ہے، پھر ایک ہی مصرع میں بانت دو مرتبہ استعمال کیا، پہلا جدائی کے معنی میں دوسرا ظاہر ہونے کے معنی میں۔

﴿٨﴾

رَاحَـتْ أَزِمَّةُ رَاحَتِـيْ مِـنْ رَاحَتِـيْ	وَكَـذَاكَ كُـلُّ مُـوَدِّعِ الْأَخْـدَانِ

میرے ہاتھ سے راحت و آرام کی لگامیں چھوٹ گئیں اور دوستوں کو الوداع کہنے والے ہر شخص کا یہی حشر ہوتا ہے۔

حل لغات: رَاحَتْ: [**رفت**] راح روحا **بمعنی جانا**۔ ازمّة: **جمع** ہے زمام کی **بمعنی** لگام۔ راحتي (اول) [آسائش] راحة **مصدر بمعنی** آسائش **مضاف بیائے متکلم**۔ راحتي (دوم) [کفی] راحة **بمعنی** ہتھیلی **مضاف بیائے متکلم**۔ أخدان : [**معشوقاں**] خدن کی **جمع بمعنی** دوست،

محبوب۔

تشـــریـــح: یعنی محبوب کی جدائی کی وجہ سے عاشق کا چین وسکون، راحت وآرام جاتا رہا۔ بین السطور میں فرماتے ہیں:

أي لست بدعاً من العشاق

یعنی عاشقوں میں مَیں ہی کوئی نرالا اور نیا نہیں ہوں جس کے ساتھ یہ حادثہ (یعنی محبوب کی جدائی کی وجہ سے آرام وسکون غارت ہونا) پیش آیا ہے، بلکہ یہ حشر ہر اس عاشق صادق کا ہوتا ہے جو اپنے محبوب اور دوستوں کو الوداع کہہ دے یعنی جدائی کا غم اٹھائے۔ جون ایلیا کہتا ہے:

یہ مجھے چین کیوں نہیں آتا
ایک ہی شخص تھا جہان میں کیا

پہلے مصرع میں راحة دو بار استعمال ہوا ہے، پہلا چین وسکون کے معنی میں اور دوسرا ہتھیلی کے معنی میں۔ اس میں جو بیانی خوبی ہے وہ روشن ہے۔

﴿۹﴾

مَا مَضْمَضَتْ عَيْنِيْ بِنَوْمٍ مُذْ مَضَتْ ‌ ‌ ‌ وَكَذَاکَ كُلُّ مُفَارِقِ الْخُلَّانِ

جب سے محبوب جدا ہوا میری آنکھ (ایک لمحے کو بھی) نہیں سوئی، احباب سے جدا ہونے والا ہر شخص ایسا ہی ہوتا ہے۔

حل لغات: مامَضْمَضَتْ: [مَانَمَتْ، صراح] نہیں سوئی، ماضی منفی واحد مؤنث غائب۔ خُلّان: خلیل کی جمع بمعنی خالص دوست۔

تشریح: ہجر وفراق کی پہلی مصیبت وہ تھی جو گذشتہ شعر میں بیان ہوئی کہ عاشق کا سکون غارت ہوگیا۔ اب ہجر وفراق کی دوسری مصیبت بیان ہو رہی ہے، یعنی جب سے محبوب جدا ہوا ہے مجھے ایک لمحے کے لیے بھی نیند میسر نہیں ہے اور اس معاملے میں بھی مَیں کوئی نرالا نہیں ہوں بلکہ ہجر وفراق کے مارے ہوئے ہر شخص کا یہی حال ہوتا ہے۔ غالؔب نے کہا:

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

پہلے مصرع میں لفظ 'مضمضت' استعمال کیا ہے، یعنی میری آنکھ نے نیند کی کلی نہیں کی، مطلب ہے

کہ ذرا بھی نہیں سویا یا ایک لمحے کو بھی نہیں سویا۔ حاشیے میں فرماتے ہیں:

المضمضة أصلها للفم لكنها كلمة تقولها العرب إذا أرادوا المبالغة في نفي النوم

لفظ المضمضة دراصل منہ (سے کلی کرنے) کے لیے آتا ہے، لیکن عرب جب بے خوابی میں مبالغہ کا ارادہ کرتے ہیں تو اس لفظ کا استعمال کرتے ہیں۔

پہلے مصرع میں مَضْمَضَتْ اور مُذْ مَضَتْ جمع ہیں، ان کے درمیان جناس ہے، چونکہ ان دونوں میں ایک حرف کا فرق ہے اس لیے یہ جناس ناقص ہے۔

﴿۱۰﴾

سَامَتْ فُؤَادِيْ ثُمَّ لَمْ تُعْطِ الثَّمَنْ
يَا لَيْتَهَا طَرَّتْ بِلَا إِثْمَانِ

اس نے میرے دل کا سودا کیا پھر قیمت تک ادا نہیں کی۔ اے کاش! اس نے بغیر مول بھاؤ کے ہی (میرا دل) لوٹ لیا ہوتا۔

حل لغات: سامت: [نرخ کرد] فعل ماضی واحد مؤنث غائب از سام یسام بمعنی سودا کرنا، مول بھاؤ کرنا۔ فُؤَادُ: بمعنی دل، مضاف بیائے متکلم۔ إِثْمَان [نرخ کردن] باب افعال سے أَثْمَنَ کا مصدر بمعنی مول بھاؤ کرنا۔

تشریح: عاشق کی خواہش و آرزو تھی کہ کسی بھی طرح اس کا دل اس کے محبوب کے حوالے ہو جاتا، محبوب نے دل کا سودا کیا، مول بھاؤ کیا لیکن خریدا نہیں، اس پر عاشق کو تکلیف اور افسوس ہے۔ عاشق کہتا ہے کہ اس مول بھاؤ کی کیا ضرورت تھی اے کاش وہ ایسے ہی بغیر مول بھاؤ کیے میرا دل لے کر بھاگ جاتا۔ گر ایک دکاندار سے قیمت طے کرے، مول بھاؤ کرے اور پھر سودا نہ لے تو یہ بات دکاندار کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے، اسی طرح عاشق سے دل کا سودا کر کے نہ خریدنا یہ عاشق کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہے۔

مصرع ثانی میں لفظ 'طرت' آیا ہے، بین السطور میں اس کی وضاحت فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کسی کا مال بغیر اس کی مرضی کے لینا، اسی سے لفظ 'الطرار' ہے یعنی جیب کترہ یا گرہ کٹ۔

قافیہ إِثْمَان ہے حضرت مصنف نے بین السطور میں اس کا معنی 'نرخ کردن' لکھا ہے، جس

کا صاف مطلب ہے کہ یہ باب افعال کا مصدر ہے، ثمن کی جمع أثمان بروزن أفعال نہیں، جیسا کہ بعض شارحین نے گمان کیا ہے۔

﴿۱۱﴾

لَا تُـنْـجِـزُ الْـمِـيْـعَـادَ لٰـكِـنْ لَمْ أَكُـنْ	لِأَعِيْبَهَـا كَلَّا وَمَـا هُـوَ شَـانِـيْ

وہ وعدہ وفا نہیں کرتا ہے لیکن (اس کے باوجود) مَیں اس کی برائی نہیں کرسکتا، ہرگز نہیں۔ یہ میرے شایان شان نہیں ہے/ یہ مجھے زیب نہیں دیتا۔

حل لغات: لا تـنـجز: مضارع منفی واحد مؤنث غائب از أَنْـجـز يُـنْـجِـز بمعنی مکمل کرنا، پورا کرنا کہا جاتا ہے أنـجـز الـوعد: وعدہ پورا کرنا۔ كَلَّا: حرف ردع، تنبیہ اور زجر کے لیے آتا ہے بمعنی ہرگز نہیں۔ شاني [کارِمن] شان بمعنی کام، معاملہ، مضاف بیائے متکلم۔

تشریح: یہاں سے محبوب کا وصف بیان کرنا شروع کررہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ انتہائی وعدہ خلاف ہے، کبھی اپنا وعدہ وفا نہیں کرتا۔ مگر اس کی وعدہ خلافی اور عہد شکنی کے باوجود مَیں اس کی نکتہ چینی اور عیب جوئی نہیں کرتا۔ عاشق صادق اور یار مخلص کی پہچان ہی یہی ہے کہ محبوب کی جانب سے ہزار اذیتیں پہنچیں مگر حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے بلکہ اس میں بھی اپنا ہی قصور سمجھتے ہیں:

بے وفائی مری فطرت کے عناصر میں ہوئی
اس کی بے مہری کو اسباب دگر پر رکھا

محبوب کی وعدہ خلافی کے لیے حضرت کعب بن زہیر نے بڑی بلیغ تشبیہ دی ہے، فرماتے ہیں:

فَلَا تَـمَسَّكُ بِـالْـعَهْـدِ الَّـذِيْ زَعَـمَـتْ
إِلَّا كَـمَـا تُـمْسِكُ الْـمَـاءَ الْغَـرَابِيْـلُ

ترجمہ: محبوبہ اپنے وعدے پر صرف اتنی ہی دیر قائم رہتی ہے جتنی دیر چھلنیاں پانی کو روکتی ہیں۔

﴿۱۲﴾

لِيْـنُ الْعَـرِيْكَةِ وَصْفُهَـا فَأَظُنُّها	تَـنْسَـاهُ وَالْإِنْـسَـانُ لِـلـنِّسْيَـانِ

نرم خوئی اس کی صفت ہے، اس لیے مجھے گمان ہوتا ہے کہ وہ (اپنے وعدے) کو بھول

جاتا ہے۔ اورانسان تو لفظ نسیان سے بنا ہے/ اورانسان تو نسیان کی گرفت میں ہے۔

حل لغات: لین : مصدر از لان بمعنی نرم ہونا۔ عریکۃ: [الطبیعۃ] جمع عرائك بمعنی عادت، طبیعت۔

تشریح: محبوب طبیعتاً بہت نرم خو ہے، اس اعتبار سے مجھے لگتا ہے کہ وہ قصداً عہد شکنی نہیں کرتا ہے بلکہ اپنی نرم خوئی کی وجہ سے وعدہ بھول جاتا ہے۔ عاشق خود اپنے محبوب کی طرف سے عذر پیش کررہا ہے کہ اس کے نرم خو ہونے کی وجہ سے عہد شکنی ہورہی ہے۔ محبوب کا اِس بات کو بھولنا کوئی جرم نہیں کیوں کہ وہ بھی تو آخر انسان ہے اور لفظ 'انسان' بنا ہی 'نسیان' سے ہے، لہٰذا اگر وہ انسان ہونے کی وجہ سے اپنی نرم خوئی کو بھول گیا تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

﴿۱۳﴾

فِيْ شَهْدِهَا سَمٌّ ثُمَالٌ فَاشْهَدُوْا	أَنِّيْ شَهِيْدُ الشَّهْدِ يَا إِخْوَانِيْ

اُس کی حلاوت و چاشنی میں زہر قاتل ہے۔ اے میرے بھائیو! تم گواہ رہو مَیں اسی حلاوت کا مارا ہوا ہوں۔

حل لغات: شهد: جمع شهاد بمعنی شہد، حلاوت، چاشنی۔ سمّ ثمال : [زہر کشندہ] زہر قاتل/ سم موصوف ثمال صفت۔

تشریح: شعر واضح اور تشریح سے بے نیاز ہے۔ فِي شَهْدِهَا اور فَاشْهَدُوْا میں اور شَهِيْدُ الشَّهْدِ میں پرلطف جناس ہے۔

﴿۱۴﴾

تَسْقِي فَتَشْفِيْ ثُمَّ تُشْقِيْ بِالْعَنَا	وَتَفَلُّقِ الْأَكْبَادِ وَالْعَيَنَانِ

وہ (شربت دید سے) سیراب کرتا ہے تو (مریض عشق کو) شفا بخش دیتا ہے۔ پھر مشقت، جگر کو چھلنی کرنے اور روانی اشک کے ذریعے وہ بدبخت کر دیتا ہے۔

حل لغات: تَسْقِي : مضارع واحد مؤنث غائب از سَقَى يَسْقِي بمعنی سیراب کرنا۔ تَشْفِي: مضارع واحد مؤنث غائب از شَفَى يَشْفِي شفاءً بمعنی شفا بخشنا، مرض دور کرنا۔ تُشْقِي: [توقع في المشقة، رنج دیدن] مضارع واحد مؤنث غائب از أَشْقَى يُشْقِي بمعنی بدبخت کرنا۔ عناء: مشقت، تکلیف تھکان۔ تفلّق: [شگافتن] مصدر بمعنی پھاڑنا، چھلنی کرنا۔ أکباد: کبد کی جمع

جگر، وسط شئے، جوف۔ العَیَنَان: [بہ فتحتین روانیٔ اشک]

تشریح: فرماتے ہیں کہ وہ ایک حال پر قائم نہیں رہتا۔ کبھی تو عاشق کو شراب دید سے سرشار کرکے شفایاب کر دیتا ہے۔ مگر پھر ایسا کام کرتا ہے جس سے عاشق مشقت وتنگی کا شکار ہو جاتا ہے، اس کا کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھوں سے تار اشک جاری ہو جاتا ہے۔ بد بخت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مشقت، جگر کو چھلنی کرنے اور روانی اشک میں مبتلا کر دیتا ہے۔

مصرع ثانی میں 'العینان' العین بمعنی آنکھ کا تثنیہ نہیں (جیسا کہ بعض شارحین نے گمان کیا ہے) بلکہ ع اور ي کے فتحے کے ساتھ یہ 'العَیَنَان' ہے بہت آنسو بہانے کے معنی میں۔

﴿۱۵﴾

تَمْشِيْ و تَغْشَاهَا الصَّبَا فَكَأَنَّهَا
غُصْنٌ سَوِيٌّ مَائِدٌ مُتَهَانِ

وہ چلتا ہے اور بادِ صبا اسے گھیر لیتی ہے گویا کہ وہ ایک سیدھی لچکتی جھومتی شاخ ہے۔

حل لغات: تغشاها: اس کو گھیر لیتی ہے، از غشی غشیا: ڈھانپنا، گھیر لینا۔ سويٌّ: [سیدھی ہموار، برابر۔ مائد: [لچکتی] اسم فاعل از مأد مأداً بمعنی نباتات کا لہلہانا، تر و تازہ ہونا، نرم و نازک ہونا۔ متهان: [جھومتی]۔

تشریح: محبوب کی چال کا وصف اور اس کے نرم و نازک ہونے کا بیان کیا جا رہا ہے۔ وہ ایسا نرم و نازک ہے کہ جب چلتا ہے تو گویا خود نہیں چلتا بلکہ بادصبا اسے چلاتی ہے۔ وہ سیدھی لچکتی جھومتی ٹہنی کی مانند ہے۔ جس طرح نرم و نازک اور لچک دار شاخ کو بادصبا حرکت دیتی ہے اور بادصبا کی وجہ سے شاخ ایسے ہلتی ہے گویا مستی میں جھوم رہی ہے۔ شاخ سخت اور کڑک ہوگی تو ہوا کے جھونکے اسے حرکت نہیں دے پائیں گے۔ محبوب کی چال پر داغؔ نے کہا:

وہ جب چلے تو قیامت بپا تھی چاروں طرف
ٹھہر گئے تو زمانے کو انقلاب نہ تھا

اسی مفہوم کو احمد فرازؔ نے باندھا ہے اور بہت خوب کہا ہے:

چلے تو گردشیں اس کا طواف کرتی ہیں
رکے تو اس کو زمانے ٹھہر کے دیکھتے ہیں

اگر اجتماع ردیفین کے عیب سے قطع نظر کر لی جائے تو احمد فرازؔ کا شعر سادگی، صفائی اور بندش کی

چستی میں داغ سے بڑھا ہوا ہے۔

﴿١٦﴾

وَاهًــا إِذَا أَدْنَــتْ وَ دَانَتْ لِلِّقَـا	آهــاً إِذَا أَذِنَـــتْ لِهِــجْــرٍ اٰنٍ

کیا بات ہے! جب وہ ملاقات کے لیے قریب کرے اور خود بھی قریب آئے۔ ہائے افسوس! جب وہ عنقریب آنے والے فراق کی اجازت طلب کرے۔

حل لغات: واها: اسم فعل کسی چیز کی خوبی کے لیے بولا جاتا ہے۔ أَدْنَتْ [نزدیک کرد] ماضی واحد مؤنث غائب بمعنی قریب کیا۔ آهــاً: اسم فعل کسی چیز پر افسوس اور تکلیف کا اظہار کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ آن [قریب]۔

تشــریح: مطلب واضح ہے۔ واهاً کے اوپر بین السطور میں لکھا ہے 'أي أقوله' یعنی مَیں کہتا ہوں۔ مطلب یہ کہ جب وہ ملاقات کے لیے قریب کرے تو مَیں وَاهًـــا (واہ کیا بات ہے) کہتا ہوں اور جب وہ ہجر وفراق کی بات کرے تو مَیں آهًا (ہائے افسوس) کہتا ہوں۔

مصرع ثانی کا آخری لفظ لِھِجْرٍ آنٍ ہے، اس کو بعض شارحین نے لِھِجْرَان سمجھ کر مصرع کو بحر سے خارج قرار دے دیا، جو درست نہیں ہے۔ تفصیل مقدمے میں ملاحظہ فرمائیں۔

﴿١٧﴾

يَـا حُسْـنَ غُصْنٍ فِيْهِ مِنْ كُلِّ الْجَنَى	عِـنَــبٌ وَ عُـنَّــابٌ بِـهٖ سُلْـوَانِـي

اے حسین وجمیل شاخ! جس میں ہر قسم کے میوے ہیں، انگور وعُنّاب ہیں جن سے میری تسلی خاطر کا سامان ہے۔

حل لغات: جني: [میوہ] جمع أجناء: چنا ہوا (پھل، پھول، سونا، شہد وغیرہ) عنّاب: ایک دوا کا نام ہے۔ سُلْوَان: [تسلی و دوائے مفرح] مصدر مضاف بیائے متکلم از سلا یسلو بمعنی بھول جانا، تسلی پانا، بے غم ہونا۔ سُلْوَان: ایک قسم کی دوا کا نام بھی ہے جو مفرح ہوتی ہے۔

تشریح: محبوب کو پھلوں اور میووں سے لدی ہوئی ایک حسین شاخ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی شاخ کے پھل عاشق کی تسلی کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ عنب انگور کو کہتے ہیں۔ عُنّـاب ایک کانٹے دار درخت ہے جس کا پھل زیتون کے مشابہ ہوتا ہے، یہ لال رنگ کا میٹھا پھل ہوتا ہے، جس کو کھایا بھی جاتا ہے اور اس کی دوا بھی بنائی جاتی ہے، یہ درخت مشرق وسطیٰ اور اس کے علاوہ میں بھی

پایا جاتا ہے۔ (المنجد: مادہ ع ن ب)

سلوان کو اگر مصدر مانیں تو ترجمہ ہوگا کہ ان میووں کے ذریعے ہی میری تسلی خاطر کا سامان ہے۔ اگر سلوان کو دوا کا علم مانیں تو ترجمہ ہوگا کہ وہ میوے میرے لیے گویا دوائے مفرح ہیں۔

﴿۱۸﴾

وَاللَّوْزُ فِيْهِ الْفَوْزُ وَالتُّفَّاحُ وَالـْ	رُّطَبُ وَلَا تَسْئَلْ عَنِ الرُّمَّانِ

اس شاخ میں بادام ہے جس میں کامیابی مضمر ہے، سیب اور تر کھجوریں ہیں اور انار (کی مٹھاس) کے بارے میں مت پوچھ۔

حل لغات: لَوْزُ: بادام۔ رُطَبْ: تر کھجور۔

تشریح: محبوب کو جس خوبصورت شاخ سے تشبیہ دی گئی تھی اس شاخ میں انواع واقسام کے میوے اور پھل ہیں۔ اس میں ایسا بادام ہے جس کے کھانے میں کامیابی مضمر ہے، سیب ہے، تر کھجور ہے۔ ’انار کے بارے میں مت پوچھ‘ کا مطلب یہ ہے کہ انار کی مٹھاس اور خوبصورتی کے بارے میں کیا پوچھتے ہو وہ تو ان سب سے زیادہ میٹھا اور خوبصورت ہے۔ بین السطور میں ’انار کے بارے میں مت پوچھ‘ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فإنہ أحسنہا کلہا یعنی انار تو ان تمام میووں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔

پہلے مصرع میں لوز اور فوز کے درمیان جناس ہے۔

﴿۱۹﴾

أَزْمَانُ فَاقَتْ بَيْدَ أَنَّ عَشِيْقَتِيْ	بِزَمَانِهَا فَاقَتْ عَلَى أَزْمَانِ

(عرب کی مشہور خوبصورت عورت) ازمان (اگرچہ خوبصورتی میں) فوقیت لے گئی، لیکن میرا محبوب اپنے زمانے میں ’ازمان‘ پر بھی فوقیت و برتری لے گیا۔

حل لغات: بید: بمعنی غیر، یہ مضاف بن کر آتا ہے اور اس کا مضاف الیہ ہمیشہ انّ کے ذریعے جملہ ہوتا ہے۔ عشیقة: محبوبہ۔

تشریح: ازمان قدیم عرب کی ایک عورت کا نام ہے، جو اپنے بے مثال حسن و جمال کی وجہ سے ضرب المثل بن گئی۔ بین السطور میں وضاحت فرماتے ہیں کہ ’نام زن عربیہ مشہورہ بجمال‘۔ بیت کا مطلب واضح ہے۔ مصرع اول میں لفظ بَیْدَ وارد ہے اس کے بارے میں بین السطور میں وضاحت

فرماتے ہیں کہ: المختار أنه بمعنى لكن قاله الطيبي (مختار قول یہ ہے کہ لفظ بَیْدَ لیکن کے معنی میں ہے، یہ بات طیبی نے کہی ہے۔)

﴿۲۰﴾

يَـا سَـادِنِي أَعْتَـابِهَـا لَا تَـعْتِبُـوا	مَـا رُمْـتُ إِلَّا لَثْمَ تِـي الْأَسْـدَانِ

اے درِ محبوب کے خادمو! مجھ پر عتاب مت کرو۔ مَیں نے تو صرف ان (دروں پر پڑے ہوئے) پردوں کے بوسے کا ارادہ کیا ہے۔

حل لغات: سادن: [خدام] جمع سَدَنَة و سَادِنُون بمعنی کعبے یا بت خانے کا خادم ومجاور، یہاں درِ محبوب کے خادم مراد ہیں۔ اصل میں سادنین تھا، اضافت کی وجہ سے نون جمع ساقط ہوگیا ہے۔ اعتاب: [جمع عتبة الباب] عتبة کی جمع بمعنی چوکھٹ، دروازہ، آستانہ۔ رمت: [قَصَدْتُّ] ماضی، متکلم از رمَی رمیا بمعنی پھینکنا، ارادہ کرنا، قصد کرنا۔ لثم: [بوسہ] مصدر از لثم لثماً بمعنی بوسہ دینا، چومنا۔ تی: [اسم اشارہ]۔ أسدان: [پردہا] سَدَن کی جمع بمعنی پردہ۔

تشریح: درِ محبوب کے دربان اور پاسبان ہمیشہ عاشق کے مخالف اور دشمن رہے ہیں، اُن کی کوشش ہوتی ہے کہ عاشق کو درِ محبوب سے دور رکھیں، اس سلسلے میں وہ عاشق کو جھڑکتے ہیں، اس پر عتاب کرتے ہیں، اس کے ساتھ سختی برتتے ہیں۔ مرزا غالبؔ کو بھی درِ محبوب کے پاسبان سے گلہ ہے، کہتے ہیں:

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی
اٹھا اور اٹھ کے قدم مَیں نے پاسباں کے لیے

عاشق انہیں سخت رو دربانوں کو مخاطب کرتا ہے کہ اے درِ محبوب کے خادمو! مَیں تم سے اور کچھ نہیں چاہتا مَیں تو صرف اپنے محبوب کے در و دیوار پر پڑے ہوئے پردوں کا بوسہ لینا چاہتا ہوں، میری آتش فراق کو ٹھنڈا کرنے کے لیے یہی بہت ہے، لہٰذا تم میرے ساتھ سختی سے پیش نہ آؤ، نہ مجھے جھڑکو بلکہ میرے دل کی یہ آرزو نکل جانے دو۔

﴿۲۱﴾

سَـحَـرَتْـنِـيَ الْـعَيْـنَـا بِلَحْظَةِ طَرْفِهَا	مَـنْ لِـي بِـرُقْيَةِ سَـاحِـرٍ فَتَّـانِ

خوبصورت آنکھ والے محبوب نے اپنی دزدیدہ نگاہی سے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔ کون ہے جو کسی ماہر جادوگر سے میرا اعلاج کرائے؟

حل لغات: سحرتني: اس نے مجھے مسحور کر دیا، واحد مؤنث غائب از سحر سحرا بمعنی جادو کرنا، دھوکہ دینا، فریفتہ بنالینا۔ العَيْنَاءُ [زن خوش چشم] خوبصورت آنکھ والی عورت۔ لحظة: [دزدیدہ نگاہی] ایک نظر، سرسری نگاہ۔ طرف: [چشم] جمع اطراف، نگاہ۔ رقية: [افسوں] مصدر از رقی رقیا و رقية جھاڑ پھونک کرنا، جادو یا آسیب کا اثر زائل کرنا۔ فتّان: فتنہ انگیز۔

تشریح: اُس حسن و جمال کے پیکر نے اپنی دزدیدہ نگاہی سے عاشق کا کام تمام کر دیا، شاعر نے کہا ہے:

ترچھی نظریں کام کر دیتی ہیں سیدھے تیر کا

جادو کرنے سے مراد یہ ہے کہ محبوب نے عاشق کو بری طرح اپنے عشق میں گرفتار کر لیا ہے۔ اب عاشق فریاد کرتا ہے کہ کوئی ہے جو ٹونے ٹوٹکے کے ذریعے اس فسوں ساز کے افسوں کی کاٹ کرے اور مجھے اس کے جادو سے نجات دلائے۔

بین السطور میں وضاحت فرماتے ہیں کہ العینا سے مراد ’زنِ خوش چشم‘ ہے۔ المنجد میں بھی ’العيناء‘ کا معنی ’الحسنة العين‘ دیا ہے۔ یہاں ضرورت شعری کی وجہ سے ہمزہ حذف کیا گیا ہے۔

﴿۲۲﴾

وَلَّتْ وَمَا وَالَتْ فَوَالَتْ عَبْرَتِيْ	لِمَ لا أَهِيْمُ إِذَا الْحَبِيْبُ جَفَانِي

وہ (مجھ سے منھ موڑ کر) چلا گیا، مجھ سے ملا تک نہیں تو میرے آنسو جاری ہو گئے۔ مَیں سرگشتہ کیوں نہ ہو جاؤں جب کہ محبوب نے میرے ساتھ جفا کی ہے۔

حل لغات: وَلَّتْ: [برگشت] فعل ماضی واحد مؤنث غائب از ولّی یُوَلِّي بمعنی والی مقرر کرنا، اعراض کرنا، دور ہونا، منھ موڑنا، پیٹھ دکھا کر بھاگنا۔ ما والت: [الفت نکرد] فعل ماضی منفی، واحد مؤنث غائب از ولاء محبت کرنا، دوستی کرنا۔ والت: [پیاپے رسید] از والی وِلاء بمعنی لگاتار ہونا۔ عبرة: [اشک] آنسو۔ أَهيم: [هيمان سرگشتگی] مضارع متکلم از هام يهيم هيما و هيوما و هيمانا محبت کرنا، آوارہ پھرنا، سرگشتہ ہونا۔

تشریح: معشوق نے ایک اور ستم ڈھایا کہ بغیر وصل کیے عاشق کو داغ مفارقت دے گیا، غالبؔ کہتے ہیں:

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

عاشق پر جدائی کی یہ گھڑی قیامت بن کر آئی، وہ اس صدمے کو برداشت نہ کر سکا اور اس کی آنکھوں سے تار اشک رواں ہو گیا۔ عاشق اپنی یہ حالت دکھا کر لوگوں سے کہتا ہے کہ آخر اب مَیں عشق میں سرگشتہ اور از خود رفتہ کیوں نہ ہو جاؤں حال یہ ہے کہ اس نے جور و جفا کی انتہا کر دی ہے۔

﴿۲۳﴾

يَـا أَهْـلَ سَهْـلٍ أَسْهِـلُـوْا بِخِيَـامِكُمْ	وَذَرُوا أَخَـا الْأَحْـزَانِ لِلإِحْـزَانِ

اے ہموار زمین کے ساکنو! تم ہموار اور نرم زمین میں اپنے خیموں میں چلے جاؤ اور غمزدہ شخص (یعنی عاشق) کو سخت اور ناہموار زمین پر چلنے کے لیے چھوڑ دو۔

حل لغات: أهل سهل [هم أهل بالبوادی] سَهْلٌ: جمع سُهُول نرم زمین، ہموار زمین۔ أَسْهِلُوا: [بزمین سہل ونرم روید] امر حاضر جمع از اَسْهَلَ يُسْهِلُ بمعنی پہاڑ سے میدانی زمین کی طرف اترنا۔ أُحْزَان: الحُزن کی جمع بمعنی غم، رنج والم۔ إحزان: [بزمین درشت درآمدن] مصدر از اِفعال بمعنی سخت زمین میں آنا۔ ذَرُوْا: بمعنی اُترکو اچھوڑو۔

تشریح: عاشق کے حزن وملال کی یہ حالت دیکھ کر لوگ اس کو تسلی دینے لگے، اُس کو اپنے خیموں میں آنے کی دعوت دی کہ وہاں راحت و آرام سے رہے تا کہ اُس کی بے کیفی کچھ کم ہو۔ مگر عاشق جو غم واندوہ کا عادی ہو گیا ہے وہ ان کی دعوت ٹھکرا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تم لوگ اپنے آرام دہ خیموں میں جاؤ، مجھے میرے حال پر چھوڑ و اور مجھے سخت اور ناہموار زمین پر ہی رہنے دو۔ گویا:

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

حاشیہ میں ’أسهلوا‘ کا معنی بیان فرماتے ہیں ’بزمین سہل ونرم روید‘ اور ’الإحزان‘ کا معنی ’بزمین درشت درآمدن‘ لکھتے ہیں۔ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں شاعر نے ’الِاحزان‘ استعمال کیا ہے جو کہ مصدر ہے، نہ کہ ’الأَحزان‘ جو ’الحزن‘ کی جمع ہے۔ بعض شارحین نے اس کو ’الحُزن‘ کی جمع ’الأحزان‘ سمجھ لیا اور شعر کا معنی کچھ کا کچھ ہو گیا۔ تفصیل کے لیے مقدمہ دیکھیے۔

﴿۲۴﴾

فَـوَ مِـحْـنَـتِـيْ أَحَـدُ الثَّـلا ثَةِ كَـائِـنٌ
أَمْــضِـيْ كَـذَا أَوْ مِـتُّ أَوْتَـلْـقَـانِـيْ

میری آزمائش وابتلا کی قسم! تین میں سے ایک بات ہوکر رہے گی۔ یا تو مَیں اسی حال میں رہوں گا یا (پھر) مرجاؤں گا یا (بالآخر) محبوب مجھ سے ملاقات کرے گا۔

حل لغات: محنةٌ: آزمائش، سختی، ابتلا، واؤ قسم کے لیے ہے۔

تشریح: مطلب واضح ہے کہ اب تین میں سے کوئی ایک بات ہونا ہے۔ یا تو مَیں غم واندوہ اور حزن وملال کی اسی حالت میں زندگی بسر کردوں گا، یا اِس صدمہ فراق کی تاب نہ لاکر جاں بحق ہوجاؤں گا، یا پھر میری آہ وفغاں اور عشق صادق رنگ لائے گا، محبوب کو میری حالت پر رحم آجائے گا اور بالآخر وہ مجھے لذت دید اور عشرت وصل سے شادکام کرے گا۔

﴿۲۵﴾

مَــهْ يَـا رِضَـا يَـاابْـنَ الْـكِـرامِ الْأَتْـقِيا
يَـا غَـرْسَ دَوْحِ الْـعِـلْـمِ وَالإِتْـقَـان

اے رضا! اے بزرگی اور تقویٰ والوں کے بیٹے! اے علم واتقان کے درخت کے نوخیز پودے! (عشق وعاشقی کی اس داستان سے) باز آ۔

حل لغات: مَهْ: [بازایست] اسم فعل بمعنی باز آ، رک جا۔ غرس: [نونہال] نوخیز پودہ۔ دَوُحٌ: [درختاں] دَوُحَةً کی جمع بمعنی بڑا پھیلا ہوا درخت۔

﴿۲٦﴾

دَعْ عَـنْـکَ هٰـذَا لَسْـتَ أَهْلَ بَطَالَةٍ
وَانْهَـضْ إِلَـى مَـا كُـنْـتَ فِيْهِ تُضَانِيْ

تو اِن چیزوں کو چھوڑ دے، تو بیکار بیہودہ لوگوں میں سے نہیں ہے۔ تو انھیں چیزوں (یعنی علم ومعرفت کے حصول) میں مشغول ہو، جس میں تو (پہلے) مشقت برداشت کر رہا تھا۔

حل لغات: دَعْ: [بگذار ایں را] اسم فعل بمعنی چھوڑ، ترک کر۔ بطَالَةٌ: [بیہودگی]۔ انهض: [قم] اٹھ کھڑا ہو۔ تُضَانِي: [تتحمل المشقة] مضارع واحد مذکر حاضر از ضَانَی مُضَانَاةً بمعنی مشقت برداشت کرنا۔

تشریح: ایک خیالی ناصح شاعر کو نصیحت کر رہا ہے کہ اے رضا! آپ تو بزرگی والوں اور پرہیزگاری والوں کے فرزند ارجمند ہیں، آپ تو علم واتقان کے ابھرتے ہوئے نوخیز پودے ہیں، آپ بیکار

لوگوں میں سے نہیں ہیں، آپ عشق و عاشقی کی اس داستان سرائی کو ترک کیجیے اور حصول علم و معرفت کے اسی کام میں مشغول رہیے جس میں آپ پہلے مشغول تھے۔

۲۷

لِلّٰـهِ دَرُّکَ يَـا نَـصِيْـحَ نَـدِيْـمِهٖ	أَيْـقَـظْـتَـنِـيْ مِـنْ غَـفْـلَـةِ الْـوَسْـنَـانِ

اے اپنے دوست کو نصیحت کرنے والے! اللہ تجھے خوش رکھے۔ تو نے مجھے ابتدائے غفلت میں ہی بیدار کر دیا۔

حل لغات: لِلّٰه دَرُّكَ: یہ دعائیہ جملہ ہے اللہ تمہیں خوش رکھے/اچھا رکھے۔ نَصِيْح: [ناصح] خیر خواہ، نصیحت کرنے والا۔ وَسْنَـان: [کسے کہ در آغاز خواب است] صیغہ صفت بمعنی وہ شخص جو ابتدائی نیند میں ہو۔

تشریح: اُس خیالی ناصح کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اس کو دعا دیتے ہیں کہ اے اپنے دوست کو عمدہ نصیحت کرنے والے اللہ تجھے خوش رکھے کہ تو نے مجھے ابتدائے غفلت ہی میں بیدار کر دیا۔

۲۸

أَحْسَـنْـتَ فِـيْـمَـا قُـلْـتَ فَاسْتُرْ زَلَّتِيْ	يُـسْـبِـلْ عَـلَـيْـکَ الـلّٰـهُ سِـتْـرَ أَمَـانِ

(اے ناصح!) تو نے جو کہا بہت خوب کہا۔ اب میری لغزش و خطا کی پردہ پوشی کر، اللہ تجھ پر (اپنی) حفظ و امان کا پردہ ڈالے۔

حل لغات: اُسْتُرْ: فعل امر واحد مذکر حاضر از سَتَرَ سَتْرًا بمعنی چھپانا، پردہ پوشی کرنا، حفاظت کرنا۔ زَلَّةٌ: غلطی، لغزش، ٹھوکر۔ يُسْبِـلُ: [يُـلْـقِـي] مضارع معروف واحد مذکر غائب از أَسْبَـلَ يُسْبِلُ پردہ لٹکانا۔

تشریح: ناصح کی تحسین کر رہے ہیں کہ تو نے جو مجھے نصیحت کی بہت خوب کی۔ جہاں تو نے نصیحت کر کے مجھ پہ ایک احسان کیا ہے وہاں ایک اور احسان کر کہ میری داستان عشق اگر تجھے معلوم ہو ہی گئی ہے تو اب اس پر پردہ پڑا رہنے دے دوسروں کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔ اے ناصح! تو میری اس لغزش کو چھپا اللہ تیری پردہ پوشی فرمائے گا۔

۲۹

أَنَـا قَيْـسُ نَـجْـدٍ فِيْـهِ نُـزْهَةُ جَنَّةٍ	هِـيَ جُـنَّـةٌ مِـنْ جِـنَّـةٍ لِـجَـنَـانِ

مَیں ایسے نجد کا قیس ہوں جس میں باغ کی نزہت ہے اور یہی نزہت لوگوں کو دیوانگی (سے بچانے) کے لیے ڈھال ہے۔

حل لغات: نَجْد: ایک جگہ کا نام۔ جَنَّةٌ: باغ۔ جُنَّةٌ: ڈھال۔ جِنَّةٌ: جنون، دیوانگی۔ جَنَان: لوگوں کی جماعت۔

تشریح: قیسؔ عرب کے قبیلہ بنو عامر کا شخص تھا، جس کو مجنوں بھی کہا جاتا ہے۔ اس کو شدت عشق اور پاکیزہ محبت کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا جاتا ہے۔ شاعر نے خود کو قیس سے تشبیہ دی ہے یہ تشبیہ محبت کی پاکیزگی کے لیے ہے۔ یعنی مَیں عاشق ضرور ہوں مگر ہوس پرست نہیں بلکہ میری محبت پاکیزہ ہے، اس معاملے میں مَیں قیس بنی عامر کی طرح ہوں۔ چونکہ مَیں جس نجد کا قیس ہوں اس میں گلستان کی نزہت و سیر ہے اور یہی سیر گلشن مجھے بیہودگی سے محفوظ رکھتی ہے۔ بین السطور میں جَنَان کی وضاحت کرتے ہیں کہ ' بالفتح جماعة الناس' یعنی یہ جیم کے فتح کے ساتھ ہے بمعنی لوگوں کی جماعت۔

شعر میں جَنَّةٌ (گلشن) جُنَّةٌ (ڈھال) اور جِنَّةٌ (دیوانگی) کے درمیان جناس ہے، ان کا حسن اجتماع لطف دے رہا ہے۔

﴿۳۰﴾

لَيْلايَ لَيْلٌ كُنْتُ فِيْهِ مُنَادِمًا	لِعَرَائِسٍ عُرْبٍ حَلَلْنَ جَنَانِيْ

میری لیلیٰ وہ رات ہے جس میں مَیں شوہر نواز عورتوں کا ہم نشیں رہا جو میرے دل میں جلوہ افروز ہوئیں۔

حل لغات: مُنَادِمٌ: [ہم نشیں] اسم فاعل۔

تشریح: گذشتہ شعر میں جب خود کو قیس سے تشبیہ دی گئی تو ضروری ہے کہ قیس کی کوئی لیلیٰ (محبوبہ) بھی ہو۔ جواب میں فرماتے ہیں کہ ہاں میری لیلیٰ وہ رات ہے جس رات میں مَیں دلہنوں کا ہم نشین رہا، وہ دلہنیں جو میرے دل پر اتریں۔

' عرائس عرب ' کی وضاحت فرماتے ہوئے بین السطور میں لکھتے ہیں 'زنان شوہر دوست'۔ اور حَلَلْنَ جَنَانِي کی وضاحت فرماتے ہیں کہ أي نزلن بقلبي۔

﴿۳۱﴾

أَسْكَنَّ قَلْبِيْ إِذْ سَكَنَّ وَبِتُّ فِيْ
نِعَمِ ارْتِشَافِ لَمىً وَرَفِّ لِسَانِ

جب وہ دل میں سکونت پذیر ہوئیں تو میرے دل کو راحت وسکون بخشا اور مَیں نے ہونٹ اور زبان چوسنے کی نعمت میں رات بسر کی۔

حل لغات: أَسْكَنَّ: [آرام دادند] ماضی جمع مؤنث غائب، سکون بخشا۔ سَكَنَّ [سکونت کردند] سکونت پذیر ہوئیں۔ ارتشاف: [مکیدن] **مصدر** از ارتشف یرتشف **بمعنی** چوسنا۔ لَمًا [لب] ہونٹ۔ رَفٌّ: [مکیدن] مصدر از رف رفاً شفتیہ ہونٹ چوسنا۔

﴿۳۲﴾

حَتَّى إِذَا أَصْبَحْتُ سَعْدًا قِيْلَ لِيْ
أَحْيَيْتَ لَيْلَکَ قُلْتُ بَلْ أَحْيَانِيْ

یہاں تک کہ جب مَیں نے خوشی ومسرت کے ساتھ صبح کی تو مجھ سے کہا گیا کہ تم نے اپنی رات بیداری کی حالت میں گزاری ہے تو مَیں نے کہا نہیں بلکہ رات نے مجھے زندگی بخشی ہے۔

تشریح: 'اِحیاء' کا معنی ہے زندگی بخشنا، لیکن جب لیل کے ساتھ آئے تو 'احیاء الیل' کا معنی ہوتا ہے شب بیداری کرنا۔ پہلا والا احییت شب بیداری کے لیے ہے دوسرا والا احیانی زندگی بخشنے کے معنی میں ہے۔

﴿۳۳﴾

أَعَلِمْتَ مَاذَا النَّجْدُ نَجْدُ تَعَلُّمٍ
وَاللَّيْلُ لَيْلُ الْفِكْرِ وَالإِمْعَانِ

(اے مخاطب) کیا تو نے جانا کہ وہ نجد کیا ہے؟ وہ علم وعرفان کا نجد ہے اور رات فکر وتدبر کی رات ہے۔

حل لغات: اِمعان: مصدر از أَمْعَنَ يُمْعِنُ اِمْعَانًا **بمعنی** گہرائی میں جانا، گہرائی کے ساتھ غور وفکر کرنا۔

تشریح: شعر ۲۹/۳۰ میں نجد اور لیلیٰ کا ذکر فرمایا تھا۔ اب مخاطب سے سوال کرتے ہیں کہ کیا تجھے معلوم ہے کہ مَیں جس نجد کا قیس ہوں وہ نجد کون سا ہے؟ اور مَیں نے جس رات کو اپنی لیلیٰ (محبوبہ) کہا ہے وہ کون سی رات ہے؟ اگر تو نہیں جانتا تو سن لے کہ مَیں جس نجد کا قیس ہوں وہ خیموں اور ٹیلوں والا نجد نہیں بلکہ وہ تعلیم وتعلم اور علم وعرفان کا نجد ہے۔ وہ رات جو میری لیلیٰ ہے وہ عیش وعشرت اور فضولیات کی رات نہیں بلکہ وہ علوم میں تدبر وتفکر اور فنون میں غور وفکر کی رات ہے۔

﴿۳۴﴾

لَيْلٌ إِذَا أَرْخَى سِتَارَ ظَلامِهِ	رَفَعَ السِّتَارَةَ عَنْ نُجُوْمِ مَعَانٍ

وہ ایسی رات تھی کہ جب اُس نے تاریکی وظلمت کے پردے ڈالے تو معانی کے ستاروں سے پردے اٹھادیے۔

حل لغات: أرخى يرخى: پردہ لٹکانا۔ سِتَار/ سِتَارَة: [پردہ]۔

تشریح: أرخى الليل ستارہ محاورہ ہے، لفظی معنی ہے کہ 'رات نے اپنے پردے لٹکائے' مجازی طور پر رات کا تاریک ہونا مراد ہوتا ہے۔ جب رات تاریک ہوئی اور ہر طرف اچھی طرح اندھیرا چھا گیا تو رات نے تاروں سے پردہ اٹھا دیا یعنی تارے چمکنے لگے۔ یہ ستارے عام ستارے نہیں تھے بلکہ یہ نجوم معانی یعنی معانی و مفاہیم کے چمکتے دمکتے تارے تھے جو شاعر کے سامنے روشن ہوئے جس کے نتیجے میں یہ اعلیٰ قصیدہ معرض وجود میں آیا۔

حاشیہ میں فرماتے ہیں:

> شبه المعاني بالنجوم في علوها وسناها والإهتداء بها ومعلوم أن الليل كلما أظلم كانت النجوم أسفر وفي لفظ الستارة مع النجوم لطف لا يخفى۔
>
> ترجمہ: معانی کو نجوم سے ان کی بلندی، چمک اور ان سے ہدایت حاصل کرنے میں تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ رات جیسے جیسے تاریک ہوتی جائے گی ستارے ویسے روشن ہوتے جائیں گے۔ نجوم کے ساتھ لفظ 'الستارة' میں جو لطف ہے وہ پوشیدہ نہیں۔

پہلے مصرع میں أرخى الستار (پردے ڈالے) اور دوسرے مصرع میں رفع الستار (پردے اٹھائے) کے تقابل میں جو حسن اور معنویت ہے وہ اہل ذوق سے پوشیدہ نہیں۔

﴿۳۵﴾

مَالِيْ وِلِلدُّمْيَاتِ مِنْ دُرَرٍ عَلَى	سُرُرٍ وَلَسْتُ بِعَابِدِ الْأَوْثَانِ

مجھے تختوں پر رکھی ہوئی موتی کی گڑیوں سے کیا کام؟ مَیں بتوں کو پوجنے والا نہیں ہوں۔

حل لغات: دُمْيَات: [مورتیں] دُمْيَةٌ کی جمع بمعنی گڑیا، تصویر، بت۔ دُرَرٌ: دُرَّةٌ کی جمع بمعنی موتی،

زیور۔ سُرُرٌ: سریر کی جمع بمعنی چارپائی، تخت۔ أَوْثَان: وثن کی جمع، وہ بت جس کی پوجا کی جائے۔

تشریح: یہاں سوال پیدا ہوا کہ جب آپ کا نجد 'نجد تعلم' اور لیلیٰ 'شب فکر و امعان' ہے پھر شروع میں یہ حسن و عشق کی گفتگو کیوں چھیڑی گئی؟۔ یہاں سے شعر نمبر ۳۸ ر تک مسلسل مضمون کے طور پر اس سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

﴿٣٦﴾

مَالِيْ وَلِلْغَزَلِ الْمُهِيْجِ فَلا أَكُنْ	غَزِلاً وَلَمْ أَرَمْرَتَعَ الْغِزْلانِ

مجھے (سامع کے جذبات کو) برانگیختہ کرنے والی غزل سے کیا مطلب؟ مَیں عشق بازی کرنے والا مرد نہیں ہوں، مَیں نے تو کبھی ہرنوں کی چراگاہ دیکھی تک نہیں۔

حل لغات: غَزَل: عورتوں کے ساتھ باتیں، کھیل کود۔ مُهِيْج: اسم فاعل از أَهاج يهيج بمعنی برانگیختہ کرنا، جوش دلانا۔ غَزِلٌ: [مرد عشق باز] عورتوں کے ساتھ باتیں اور کھیل کود کرنے والا۔ مَرْتَع: [چراگاہ]۔ غِزْلان: غِزَالٌ کی جمع بمعنی ہرن کا بچہ۔

تشریح: اصل نسخے میں مصرع اولیٰ میں فَلا أَكُنْ لکھا ہے، یہاں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ 'لا' کے بعد فعل مضارع کو جزم کیوں دے دیا گیا؟۔ ڈاکٹر رشید عبیدی کو بھی یہ شبہ پیدا ہوا، انہوں نے فَلا أَكُنْ کی جگہ ولم أَكُنْ کر دیا ہے۔ بہ نظر ظاہر یہی اصح معلوم ہوتا ہے۔

﴿٣٧﴾

مَالِيْ وَلِلإِهْوَا إِلى مَهْوَى الْهَوَى	أَفَلِيْ غَنَاءٌ فِيْ غِنَاءِ غَوَانِ

عشق و محبت کے غار کی طرف مائل ہونا میری شان نہیں۔ کیا میرے لیے خوبصورت عورتوں کے گانے میں کوئی فائدہ ہے؟۔

حل لغات: اهوا: [مَیل] مصدر بمعنی مائل ہونا۔ مهوى: [غار] اسم ظرف محبت کرنے کی جگہ۔ غَنَاءٌ: [فائدہ] بے نیازی، مالداری، فائدہ۔ غِناء: [سرود] گانا، گیت۔ حاشیہ میں 'غوان' کی تشریح فرماتے کہ "جمع غانية زنے کہ بحسن و جمالش از زیور و پیرایہ بے نیاز باشد" یعنی غوان غانية کی جمع ہے، یہ اُس خوبصورت عورت کو کہتے ہیں جو اپنے حسن و جمال کی وجہ سے زیور وغیرہ سے بے نیاز ہو۔

﴿٣٨﴾

مَاكَانَ هٰذا دَيْدَنِيْ لٰكِنَّهُ	تَشْبِيْبُ شِعْرٍ لا دَدُ الشُّبَّانِ

یہ(حسن وعشق کی باتیں) میری عادت وفطرت نہیں ہے لیکن (جومَیں نے کہاوہ تو)
قصیدے کی تشبیب ہے، جوانوں کا کھیل کودنہیں۔

حل لغات: دیدن: [عادت] طریقہ۔ تشبیب: [تمہید] دَدٌ: [بازی] کھیل، کود۔ الشبان [جوانان]

تشــریح: یہاں اس مضمون کا تسلسل ختم ہوتا ہے جس کا آغاز شعر ۳۵ / میں ہوا تھا۔ فرماتے ہیں کہ مَیں نے قصیدے کے آغاز میں جو کچھ حسن وعشق کی باتیں کی تھیں یہ میری عادت وفطرت نہیں ہے، نہ مَیں کوئی عشق باز مرد ہوں، نہ مجھے جذبات بھڑکانے والے نغموں سے کچھ لینا دینا ہے، نہ خوبصورت عورتوں کے گانے بجانے میں میرا کوئی نفع ہے مَیں نے تو ان باتوں کا تذکرہ عربی شعرا کے دستور کے مطابق محض قصیدے کی تشبیب (تمہید) کے طور پر کیا تھا نہ کہ جوانوں کے کھیل اور لہو ولعب کے طور پر۔

اپنے ایک اردو قصیدے میں اسی مفہوم کو یوں ادا فرماتے ہیں:

خامہ کس قصد سے اٹھا تھا کہاں جا پہنچا
راہ نزدیک سے ہو جانب تشبیب سفر

﴿۳۹﴾

إِذْ مَــا دَدٌ مِــنِّـي وَلا أَنَــا مِـنْ دَدٍ	إِذْ جِـئْــتُ أَمْــدَحُ رُحْـلَـةَلِأَوَانِـيْ

کیونکہ نہ مجھ سے لہو ولعب ہے اور نہ مَیں لہو ولعب سے ہوں۔ مَیں تو فقط اُس ذاتِ گرامی
کی مدح سرائی کے لیے آیا ہوں جو زمانے کے لیے مرجع ہے۔

تشریح: یہاں سے گریز کر کے مدح کی طرف آتے ہیں جو قصیدے کا اصل مقصود ہے۔ گذشتہ شعر میں جو یہ فرمایا کہ ”یہ تو شعر کی تشبیب تھی نو جوانوں کا کھیل کود نہیں تھا“، اب اُس کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہ یہ نو جوانوں کا کھیل کود ہو بھی کیسے سکتا ہے کیوں کہ نہ لہو ولعب مجھ سے ہے نہ مَیں لہو ولعب سے ہوں، مَیں تو صرف ایک مرجع خلائق ذات گرامی (حضور سیف اللہ المسلول) کی مدح سرائی اور تعریف وتوصیف کے لیے آیا ہوں۔

مصرع اول میں مَـا دَدٌ مِـنِّـي وَلا أَنَا مِنْ دَد ایک حدیث پاک سے استفادہ ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لست من دد ولا دد مني (مجمع الزوائد: ہیثمی، ج ۸/ص ۲۲۹)

مصرع ثانی میں لفظ 'رحلة' وارد ہے حاشیہ میں اس کی تشریح فرماتے ہیں:

> الرحلة بالضم من العلماء هو العلم المقتدى الذى يرتحل إليه من كل حدب للاستفادةو الاستفاضة
>
> **رحلۃ را پر پیش کے ساتھ علما میں سے ان مقتدر اور پیشوا حضرات کو کہتے ہیں کہ ان سے استفادہ کرنے اور فیض حاصل کرنے کے لیے ہر چہار جانب سے لوگ سفر کر کے آئیں۔**

آگے شعر نمبر ۴۰/ سے شعر نمبر ۴۵/ تک اسی 'رُحْـــلَة' کی صفات مذکور ہیں جو 'أمْـــدَحُ' کا مفعول ہونے کی بنیاد پر منصوب ہیں۔

﴿۴۰﴾

جَبَلاً رَفِيْـعًـا فَـائِقًـا شُـمًّـا عُـلـى	بَـطَلاً شـجَيْـعًـا سَيِّـدَ الشِّـجْـعَـانِ

(مَیں اس ذات گرامی کی تعریف وتوصیف کر رہا ہوں) جو (علم وعرفان میں) بلند وبالا، فوقیت وبرتری والا، بہادر اور دلیر ہے (بلکہ) بہادروں وجانبازوں کا سردار ہے۔

حل لغات: فائق: برتر، ممتاز۔ شُمٌّ: [جمع اشم بلند] اونچی ناک والا مرد، بلندیاں۔ عُلَی: بلندی البطل: [دلیر]۔ شَجِيْعٌ: دلیر، بہادر۔

تشریح: وہ مرجع خلائق ذات گرامی (حضرت سیف اللہ المسلول) کہ جن کی مدح وستائش کا مَیں نے قصد کیا ہے وہ اپنے زمانے میں لوگوں کے مرجع اور مشار الیہ تو ہیں ہی ساتھ ہی علم وفضل کے جبل شامخ ہیں، اپنے اقران ومعاصرین پر فوقیت لے جانے والے ہیں۔ معرکہ حق وباطل میں میدان چھوڑ کر بھاگنے والے نہیں بلکہ بہادر اور دلیر ہیں نہ صرف بہادر ہیں بلکہ بہادروں کے سردار ہیں۔

﴿۴۱﴾

بُـرْجًـا مَـنِيْـعًـا مَـانعًـا لا يُرْتَقَى	حِـصْـنًـا حَـصِيْـنًـا صِيْنَ بِالْإِرْصَا نِ

آپ ایسا بلند برج (حصار) ہیں جس پر چڑھنا ممکن نہیں اور ایسا مضبوط وپختہ قلعہ ہیں جس کی پائیدار حفاظت کی گئی ہے۔

حل لغات: بُرْجٌ: [حصار] قلعہ، منار۔ مَنِيْعٌ: [رفیع] محفوظ، مضبوط۔ لا يُرْتَقَى: مضارع مجہول

از ارتقى يرتقي ارتقاء بمعنی پہاڑ پر چڑھنا۔ حصن : قلعہ، محفوظ جگہ۔ حصین: مضبوط، طاقتور، مستحکم۔ صِیْنَ: ماضی مجہول از صان یصون بمعنی حفاظت کرنا۔ ارصان: [استوار کردن] مصدر از اِفعال بمعنی مضبوط کرنا۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضور سیف اللہ المسلول علم و فضل کا ایک ایسا بلند و بالا برج ہیں کہ علم و فضل میں ان کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں۔ علم و عرفان کا ایسا مضبوط قلعہ ہیں کہ اللہ رب العزت کی جانب سے جس کی حفاظت کی گئی ہے، کسی دشمن کے لیے اس قلعے کو فتح کرنے کی گنجائش نہیں ہے یعنی علم و فضل میں آپ کو شکست دینا ممکن نہیں۔

﴿۴۲﴾

بَحْرًا مُحِيْطًا زَاخِرًا مُتَدَفِّقًا	بَرْقًا بَرِيْقًا بَاسِمَ الْأَسْنَانِ

آپ (علم و عرفان کا) وسیع ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہیں، چمکتی ہوئی بجلی ہیں، متبسم (چہرے والے) ہیں۔

حل لغات: البحر المحیط : بڑا سمندر۔ زاخر: بھرا ہوا، ٹھاٹھیں مارتا ہوا۔ متدفق: اسم فاعل از تَدَفَّقَ يَتَدَفَّقُ بمعنی چشمے سے پانی ابلنا، پانی کا جوش مارنا۔ برق: بجلی۔ بریق: [درخشاں]۔ باسم: [البسم هو التبسم] اسم فاعل از بسم مسکرانے والا۔ الأسنان: جمع سن بمعنی دانت۔ باسم الأسنان: ہنس مکھ، خندہ رو۔

تشریح: حضور سیف اللہ المسلول علم و فضل کا دریائے ناپیدا کنار اور بحر زخار ہیں۔ مصرع اول میں لفظ متدفق وارد ہے، بین السطور میں اس کا معنی بیان فرماتے ہیں کہ ”آں کہ آبش بسبب کثرت و وفور بروں می جہد از وے“، یعنی بحر متدفق اس سمندر کو کہتے ہیں کہ جس میں اتنا زیادہ پانی ہو کہ وہ اس میں سمانہ سکے اور باہر ابلنے لگے۔ اردو میں اس کو ’ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر‘ کہتے ہیں۔

’باسم الأسنان‘ سے اس جانب اشارہ ہے کہ ممدوح میں اس قدر وسیع علم و فضل کے باوجود تکبر، نخوت اور گھمنڈ نہیں ہے، نہ وہ ترش رو ہیں، بلکہ وہ تو ہمیشہ مسکرانے والے ہیں۔

﴿۴۳﴾

جَوْدًا مُجِيْدًا مُجْدِيًا جُوْدًا جَوَا	دًا مَاجِدًا مَجْدًا مَجِيْدَ الشَّانِ

وہ کرم کی بارش، احسان کرنے والے، نفع پہنچانے والے، فیاض و سخی، اچھے اخلاق

والے، بزرگی والے اور عظیم و بلند شان والے ہیں۔

حل لغات: جَوْدٌ: [باران نیکو] موسلا دھار بارش۔ مُجِیْدٌ: [محسن] احسان کرنے والا، بھلائی کرنے والا۔ مُجْدِي: [فائدہ بخش] عطا کرنے والا، فائدہ پہنچانے والا۔ جَوَادٌ: سخی۔ مَجِیْدُ الشَّان: بزرگی والا، بڑی شان والا۔

۴۴

نُـوْرًا مُـنِیْــرًا نَیِّــرًا نَــارًا عَلَــی	عَـلْیَــا مَــنَــائِرَ نِیْـرُهَــا نُـوْرَانِـيْ

وہ خود نور ہیں، نور عطا کرنے والے ہیں، وہ ایسے بلند مناروں پر چمکنے والی روشن آگ ہیں جن (مناروں) کے نشان راہ بھی نورانی ہیں۔

حل لغات: مُنِیْرٌ: روشن کرنے والا۔ نار: آگ۔ مَنَائِر: مینار کی جمع۔ نِیْر: [بالکسر نشان راہ]

تشریح: عرب کا دستور تھا کہ صحرا میں مناروں پر یا بلند چٹانوں پر آگ روشن کر دیا کرتے تھے اور مخصوص قسم کے جھنڈے لگا دیا کرتے تھے، دن میں گزرنے والے مسافر جھنڈے دیکھ کر اور رات کے مسافر روشن آگ دیکھ کر وہاں آتے تھے، وہاں پر مسافروں کے آرام اور کھانے وغیرہ کا انتظام ہوتا تھا۔ گویا وہ آگ بھٹکنے والوں کی ہدایت اور تھکے ماندے مسافروں کے لیے آرام و راحت کی علامت ہے اس لیے اپنے ممدوح کو مناروں پر جلنے والی اسی روشن آگ سے تشبیہ دے رہے ہیں کہ اسی آگ کی طرح حضرت سیف اللہ المسلول گمراہی و ضلالت کے صحرا میں ہدایت و رہنمائی کی ایک روشن قندیل ہیں، یہ قندیل ہدایت ایسے بلند و بالا مناروں پر روشن ہے جن کے نشان راہ بھی نورانی ہیں یا ان پر نورانی جھنڈے لہرا رہے ہیں۔

۴۵

عَــلَــمًــا عَــلِیْــمًــا عَــالِـمًــا عَلَّامَةً	فَـضْـلَ الـرَّسُـوْلِ الْـفَـاضِلَ الرَّبَّانِيْ

وہ نشان منزل ہیں، جاننے والے ہیں، عالم و علامہ ہیں، (یقیناً میرے ممدوح) فضل رسول فاضل ربانی ہیں۔

حل لغات: علم: نشان منزل، پرچم، جھنڈا۔

تشریح: بیت کا مطلب واضح ہے۔

﴿۴۶﴾

إِنْ كَـانَـتِ الْأَ سْما تُنَالُ مِنَ السَّمَا
فَـاقْـدُرْ إِذَنْ فَـضْـلَ اسْمِـهِ الْمُزَّانِ

اگر نام آسمان سے حاصل ہوتے ہیں تو اس وقت ممدوح کے زینت والے نام کی فضیلت کا اندازہ کر۔

حل لغات: إذن: حرف جواب وجزا۔ اقْدُرْ: فعل امر از قَدَرَ يَقْدُرُ بمعنی اندازہ کرنا۔ مُزَّان: [آراستہ] زینت دیا ہوا۔

تشــریح: اچھے یا برے نام کا اثر انسان کی شخصیت پر پڑتا ہے اسی لیے حدیث پاک میں برے معانی کے ناموں کی ممانعت آئی ہے۔ اسی سے یہ بات مشہور ہوئی کہ نام آسمان سے اترتے ہیں، یعنی مستقبل میں انسان جیسا ہونے والا ہوتا ہے اسی کے مطابق نام اس کے گھر والوں کے ذہن میں آتا ہے، اب جیسا نام ہوتا ہے اس کا ویسا ہی کام ہوتا ہے۔ حضرت ناظم فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات درست ہو کہ نام آسمان سے اترتے ہیں تو پھر ہمارے ممدوح حضرت سیف اللہ المسلول کے نام کی فضیلت کا تم اندازہ کرلو، آپ کا نام 'فضل رسول' ہے اور یقیناً آپ کو رسول اکرم ﷺ کے فضل سے وافر حصہ ملا ہے۔

﴿۴۷﴾

رَضَـعَ الْـمَـكَارِمَ فِيْ صِبَاه وَ حُقَّ إِذْ
رَبَّتْــهُ ظُـؤْرَ الْـمَـجْـدِ فِيْ الْأَحْـضَـانِ

آپ نے مکارم اخلاق گھٹی میں پی ہیں اور آپ اس کے حق دار و مستحق تھے کیوں کہ بزرگی والی دائیوں نے اپنی گودوں میں آپ کی پرورش کی ہے۔

حـل لـغات: رَضَعَ: ماضی از رَضَعَ رَضْعًا بمعنی پستان سے دودھ پینا۔ صِبَا: بچپن۔ حُقَّ: [و كان حقيقاً بذلك] مستحق، حق دار۔ رَبَّتْ: ماضی واحد مؤنث غائب از رَبَّ رَبًّا بمعنی پرورش کرنا، پالنا۔ ظؤر: [جمع ظِئْرٌ بالکسر دایہ] دودھ پلانے والی۔ الأَحْضَان: [کنارہا] حِضْنٌ کی جمع بمعنی گود، آغوش۔

تشریح: حضور سیف اللہ المسلول نے ایک ایسے علمی و روحانی گھرانے میں آنکھ کھولی جس میں علم و فضل، شرافت و نجابت اور بزرگی و پرہیزگاری صدیوں سے میراث بن کر چلے آرہے تھے۔ آپ کی والدۂ ماجدہ جلیل القدر عباسی النسل خاندان کی عابدہ، زاہدہ اور نیک سیرت بی بی

تھیں۔ حضرت سیف اللہ المسلول کی نشو ونما آپ کے جد محترم سرمست بادۂ توحید حضرت مولانا شاہ عبدالحمید بدایونی قدس سرہٗ (وفات: ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء) کی آغوش عاطفت میں ہوئی، آپ علم ظاہر و باطن کے جامع، اپنے وقت کے جلیل القدر عالم و مدرس اور شمس مارہرہ حضور آل احمد اچھے میاں قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔

﴿۴۸﴾

حَتّٰـــى تَـــرَبّٰـى زَاكِيًـا مُتَــزَكِّيًـا	يَــرْبُــوْ عَــلَـى الْأَمْثَــالِ وَالْأَقْـرَانِ

یہاں تک کہ آپ نے پاکیزگی کے ساتھ اور ہر عیب سے منزہ ہو کر نشو و نما پائی۔ آپ معاصرین واقران پر فوقیت و برتری پاتے رہے۔

حل لغات: تربی: [نشو ونمایافت] ماضی واحد مذکر غائب، پرورش پانا، نشو ونما ہونا۔ الزاكي: عمدہ نشو نما پانے والا۔ مُتَزَكِّي: ہر عیب سے پاک ہونے والا۔ يَرْبُوْ: [يَـزِيْدُ وَيَفُوْقُ] مضارع واحد مذکر غائب از رَبـا ربوا بمعنی بڑھنا، زیادہ ہونا۔ الأقران: الـقِرْنُ کی جمع بمعنی ہمسر، مقابل، نظیر۔

تشریح: گذشتہ شعر کے مضمون کو آگے بڑھاتے ہیں کہ جب ایسے نیک نفس لوگوں کی زیر نگرانی و زیر سایہ ممدوح کی پرورش و پرداخت ہوئی تو اس کا نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ آپ پاکیزگی و طہارت کے ساتھ متصف ہوئے اور اپنے معاصرین و امثال میں امتیاز و فوقیت حاصل کرتے گئے۔

﴿۴۹﴾

خَـضَـعَـتْ لَـهُ الْأَعْنَاقُ مِنْ أَعْنَاقِهِمْ	خَــذَءَ تْ لَـــهُ الْأَعْيَـانُ مِـنْ أَعْيَـانِ

بڑے بڑے سرداروں کی گردنیں ممدوح (کے علم و فضل) کے سامنے خم ہو گئیں۔ سر برآوردہ لوگوں نے ان کی تابعداری قبول کی۔

حل لغات: خَـضَـعَتْ: جھکنا، سر تسلیم خم کرنا، مطیع ہونا۔ الأعـنـاق: عُنُقٌ کی جمع بمعنی گردن۔ أعـنـاق: [عمدگاں و سرداراں] یہ بھی الـعـنـق کی جمع ہے بمعنی رئیس، سردار۔ خَـذَءَ ت: [أي خَضَعَتْ] ماضی واحد مؤنث غائب، از خَذَأ خَذْأً بمعنی تابعدار ہونا، فروتنی کرنا۔ الأعیان: عین کی جمع بمعنی جماعت۔ دوسرا والا أعیان سردار اور سر برآوردہ لوگوں کے معنی میں ہے۔

پہلے مصرع میں لفظ أعناق دو بار آیا ہے اور دونوں الگ الگ معنی میں ہے۔ اسی طرح دوسرے

مصرع میں لفظ أعیان دو مرتبہ ہے اور دونوں کا معنی الگ الگ ہے۔

تشریح: یہاں وہ مسلسل مضمون پورا ہوتا ہے جس کا آغاز شعر ۴۷ رسے ہوا تھا۔ فرماتے ہیں کہ جب حضور سیف اللہ المسلول کو مکارم اخلاق گھٹی میں پلائے گئے، آپ کی نشو ونما مجد و بزرگی کی آغوش میں ہوئی، یہاں تک کہ آپ پاکیزگی سے متصف ہو کر عیوب سے پاک ہوئے اور اپنے اقران وامثال پر فوقیت لے گئے تو اب اس سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل زمانہ میں بڑے بڑے سرداروں اور سر برآوردہ لوگوں نے آپ کو اپنا پیشوا تسلیم کیا، ان کی گردنیں آپ کے سامنے ادب و احترام میں خم ہو گئیں، انہوں نے آپ سے استفادہ واستفاضہ کو اپنی سعادت سمجھا۔

استاذ مطلق حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیف اللہ المسلول کے بارے میں فرماتے ہیں:

> والأصيل المجدد الرائي الذى برع في تأصيل الأصول، فيعقل إليه العقول، بحل عقل المعقول، وينقل إليه الرجال رجالاً وعلى كل ضامر ليميزوا نقل المنقول (مکتوب علامہ فضل حق خیر آبادی بنام سیف اللہ المسلول: بحوالہ خیر آبادیات: ص ۲۵۵/ ۲۵۶)
>
> وہ (سیف اللہ المسلول) پختہ اور بالغ نظر مجدد ہیں جو اصول کی بنیاد رکھنے میں کامل مہارت رکھتے ہیں، اس لیے معقولات کی عقدہ کشائی کی خاطر غیر معمولی عقل وخرد والا شخص بھی ان کی پناہ میں آتا ہے، اور مردان ذی ہوش ان کی خدمت میں پیدل چل کر حاضر ہوتے ہیں، یا لاغر سواری پر آتے ہیں تا کہ منقول کی روایت میں شعور امتیاز پائیں۔

﴿۵۰﴾

عَبَدَ الْمَجِيْدَ فَجَاءَهُ فَضْلُ الرَّسُوْ	لِ مُهَنِّئاً بِالْفَضْلِ والرُّجْحَانِ

ممدوح نے مجید (اللہ) کی عبادت کی تو ان کے پاس رسول ﷺ کا فضل آیا فضیلت و غلبے کی مبارکباد دیتے ہوئے۔

حل لغات: مُهَنِّئ: [بشارت دہندہ] خوش خبری دینے والا، مبارکباد دینے والا، اسم فاعل از هنّأ يهنّأ تَهْنِيَة۔

تشــریح: یعنی ہمارے ممدوح حضرت سیف اللہ المسلول نے عبادت وریاضت کی، جس کے انعام اور صلے میں ان کو فضل رسول عطا کیا گیا، یہ فضل رسول بھی اس شان سے عطا ہوا کہ وہ ان کو فضیلت وبزرگی اور دشمنوں کے مقابلے میں غالب آنے کی مبارک باد دیتا ہوا آیا۔

مصرع اولیٰ میں ’عبد المجید ‘ اور ’فضل الرسول ‘ نے جو لطف پیدا کیا ہے وہ اہل ذوق سے پوشیدہ نہیں، عبد المجید ممدوح کے والد ماجد کا اسم گرامی ہے اور فضل رسول خود ممدوح کا نام نامی ہے۔

﴿۵۱﴾

لا تَعْجَبُوْا إِنْ عَاشَتِ الْأَطْيَارُ فِي الْ	أَبْحَارِ وَالْحِيْتَانُ فِي الْحِيْطَانِ

تعجب مت کرو اگر پرندے سمندروں میں اور مچھلیاں باغوں میں زندگی بسر کریں۔

حـل لغات : أطیار: [پرندگاں] طیر کی جمع بمعنی پرندہ، لیکن طیر کی یہ جمع شاذ ہے، اصل جمع طیور آئی ہے۔ الحیتان: [ماہیاں] حوت کی جمع بمعنی مچھلی، عموماً بڑی مچھلی پر اطلاق ہوتا ہے۔ الحیطان: [دیوار ہا] حائط کی جمع بمعنی دیوار، باغ۔

تشریح: یہ قطعہ بند شعر ہے، تشریح اگلے شعر کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

﴿۵۲﴾

فَالْبَحْرُ بَرٌّ فِيْ وِزَانِ فُيُوْضِهٖ	وَالْبَرُّ بَحْرٌ مِنْ نَدَى الفَيْضَانِ

کیونکہ سمندر آپ کے جود وسخا کے میزان میں خشکی ہے اور خشکی آپ کی بارش فیض وکرم کی وجہ سے سمندر ہے۔

حل لغات: وِزَان : میزان، ترازو۔ ندی: [باراں] شبنم، بارش، سخاوت، کرم۔

تشریح: دونوں شعروں کا مجموعی مفہوم یہ ہوا کہ پرندے باغوں میں زندگی گزارتے ہیں اور مچھلیاں سمندر میں، اگر پرندے سمندر میں رہنے لگیں اور مچھلیاں باغ میں رہیں تو یہ بڑے تعجب وحیرت کا مقام ہے۔ لیکن اے مخاطب! تو اس بات پر حیرت مت کر کہ پرندے پانی میں رہیں اور مچھلیاں خشکی میں، کیوں کہ ہمارے ممدوح کی جود وسخا کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کے دریائے کرم سے سمندر کا مقابلہ کیا جائے تو ان کے دریائے کرم کے سامنے سمندر اپنی تمام تر وسعت کے باوجود خشکی کی مانند ہے، ان کی بارش فیض وکرم ایسی ٹوٹ کر برستی ہے کہ خشکی جل تھل ہو جاتی ہے

اور حاجت مندوں پر ان کی جود وسخا کی ایسی موسلا دھار برسات ہوتی ہے کہ گویا خشک میدان سمندر بن جاتا ہے۔

﴿۵۳﴾

وَعَلَى الظِّمَاءِ يَصُبُّ هَامِرُ فَيْضِهٖ	صَبًّا مِنَ الْأَرْكَانِ وَالْجُدْرَانِ

تشنہ لبوں اور پیاسوں پر آپ کے فیض وکرم کی ایسی بوچھار ہوتی ہے جس طرح ستونوں اور دیواروں سے پانی بہتا ہے۔

حل لغات: ظِمَاءُ: [تشنگاں] ظَمَأٌ کی جمع بمعنی پیاسا۔ صَبَّ يَصُبُّ: پانی ڈالنا بہانا۔ ھامر: بارش۔ الأرکان: رکن کی جمع بمعنی ستون۔ الجُدْرَان: جِدَارٌ کی جمع بمعنی دیوار۔

تشریح: جب بارش ہوتی ہے تو دیواروں اور ستونوں پر سے بڑی تیزی سے پانی بہہ کر نیچے کی طرف آتا ہے، پانی کے اسی تیز بہنے سے ممدوح کی جود وسخا کو تشبیہ دی گئی ہے۔ شعر کا مطلب واضح ہے۔

﴿۵۴﴾

يَأْتِيْهِ قَلْبٌ كَالْهَشِيْمِ فَيَنْثَنِيْ	خَضِرًا نَضِيْرًا نَاعِمَ الْأَغْصَانِ

ان کے پاس خشک گھاس کی طرح کوئی دل آتا ہے تو سرسبز تر وتازہ نرم شاخوں کی طرح ہو کر واپس جاتا ہے۔

حل لغات: هَشِيْمٌ: [گیاہ خشک] خشک گھاس۔ يَنْثَنِيْ: [فیرجع] لوٹنا، واپس جانا۔ خَضِرٌ: [سبز] ہرا بھرا۔ نَضِيْرٌ: [تر وتازہ]۔ نَاعِمٌ: نرم، ملائم۔

تشریح: ممدوح حضرت سیف اللہ المسلول کی محفل درس یا مجلس صحبت کی فیض رسانی اور اثر پذیری کا بیان فرمارہے ہیں کہ آپ کے مدرسے میں بے علم لوگ آتے تو علم ودانش سے اپنے اذہان کو تر و تازہ کر کے واپس ہوتے۔ بے عمل لوگ آپ کی مجلس وعظ میں آتے تو ایمان وعمل کی تازگی کی خیرات پاتے۔ مضطرب قلوب، پژمردہ دل، بے چین روحیں، منتشر طبیعتیں آپ کی بارگاہ سے علم و عرفان، سکون واطمنان، ہدایت وارشاد اور ایقان وایمان کی تازگی اور شادابی لے کر واپس جاتے۔

﴿۵۵﴾

وَأَظَلُّ أَلْحَظُ فِيْ مَنَاظِرِ خَاطِرِيْ	ذِكْرَى تَبَسُّمِهٖ إِلَى الضِّيْفَانِ

مَیں چشم تصور میں ممدوح کی اُس ادائے تبسم کو ملاحظہ کرتا رہتا ہوں جو وہ مہمانوں کو دیکھ کر فرماتے ہیں۔

حل لغات: أَلْحَظُ : ملاحظہ کرنا، دیکھنا، **فعل مضارع واحد متکلم**۔ مَنَاظِر[آئینہ] ذِکْرَی : [یاد]۔ ضِیْفَان: [**مہمانان**] ضَیْفٌ کی **جمع مہمان**۔

تشریح: مہمانوں کے ساتھ ممدوح کی شفقت ومحبت بیان فرمارہے ہیں۔ مہمان کو دیکھ کر حضرت سیف اللہ المسلول کا تبسم فرمانا اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ مہمان کی آمد سے خوش ہونے والے، مہمان کی خاطر مدارات کرنے والے اور اعلیٰ درجے کی مہمان نوازی فرمانے والے تھے۔

اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے خود حضور سیف اللہ المسلول کی یہ ادائے تبسم اور شان مہمان نوازی دیکھی تھی جس کو وہ چشم تصور میں ملاحظہ فرمارہے ہیں۔

﴾۵۶﴿

فَكَأَنَّنِيْ بِسَجَنْجَلٍ صَافٍ بِهٖ	**وَرْدَانِ مُبْتَسِمَانِ مُرْتَسِمَانِ**

گویا کہ مَیں ایک صاف شفاف آئینے کے سامنے ہوں جس میں دو مسکراتے ہوئے گلاب کے پھول منقش ہیں۔

حل لغات: سَجَنْجَل: **جمع** سَنَاجِل **بمعنی** آئینہ۔ وَرْدَان: وَرْدٌ **کا تثنیہ گلاب**۔ مُرْتَسِمٌ: **منقش**، نقش کیا ہوا۔

تشریح: یہ گذشتہ شعر سے پیوستہ ہے یعنی مَیں چشم تصور میں جس مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا گویا وہ ایک صاف وشفاف آئینہ تھا جس میں دو خوبصورت گلاب کے پھول منقش تھے۔

'السجنجل' کے بارے میں بین السطور میں وضاحت فرماتے ہیں'' آئینہ لغة رومية تكلموا بها''یعنی یہ رومی زبان کا لفظ ہے اہل عرب اسے بولتے ہیں۔

السجنجل صاف وشفاف آئینے کو کہتے ہیں جو ہشت پہل ہوتا ہے، امرءُ القیس اپنے معلقہ میں کہتا ہے:

مهفهفة بيضاء غير مفاضة
ترائبها مصقولة كالسجنجل

ترجمہ: یہ خاتون پتلی کمر والی، گوری، چھریری ہے اس کی ہنسلیاں آئینے کی طرح چمکدار ہیں۔

﴿۵۷﴾

شَرَقَتْ شَوَارِقُ لُطْفِهٖ فَتبَلَّجَتْ
زُهَرُ الرَّشَادِ تبَلُّجَ الْعِقْيَانِ

ان کے لطف وکرم کی بجلیاں کوندھیں تو رشد و ہدایت کے شگوفے ایسے چمکے جیسے خالص سونا چمکتا ہے۔

حل لغات: شَرَقَتْ: ماضی واحد مؤنث غائب چمکنا۔ شَوَارِق: شَارِقَةٌ کی جمع بمعنی بجلی۔ تبَلَّجَتْ: [درخشیدن گرفت] ماضی واحد مؤنث غائب از تبَلَّجَ يَتبَلَّجُ بمعنی روشن ہونا، ظاہر ہونا۔ زُهَرٌ: [شگوفہا] زَهْرٌ کی جمع بمعنی کلی، شگوفہ، پھول۔ العِقْيَان: [زر خالص] خالص سونا۔

﴿۵۸﴾

بَرَقَتْ بَوَارِقُ سَيْفِهٖ فَتَأَجَّجَتْ
هَامُ الْعِنَادِ تَأَجُّجَ النِّيْرَانِ

ان کی تلوار چمکی تو بغض وعناد کے سر بھڑک اٹھے جیسے آگ بھڑکتی ہے۔

حل لغات: بَوَارِق: بَارِقَةٌ کی جمع بمعنی بجلی۔ تَأَجَّجَتْ: [افروختہ شد] ماضی واحد مؤنث غائب از تَأَجَّجَ يَتَأَجَّجُ تَأَجُّجًا آگ کا بھڑکنا۔ هَامُ: [سرہا] هَامَةٌ کی جمع بمعنی سر۔ نیران: نار کی جمع بمعنی آگ۔

تشریح: اس میں اور گذشتہ شعر میں بڑا خوبصورت تقابل ہے جو زبان پر قدرت کاملہ کی دلیل ہے، ملاحظہ فرمائیں کہ پہلے شعر میں شَرَقَتْ ہے دوسرے میں اس کے مقابلے میں بَرَقَتْ ہے۔ ایک طرف شَوَارِقُ ہے دوسری طرف بَوَارِقُ، ایک طرف لُطْفِهٖ ہے دوسری طرف سَيْفِهٖ، ایک جگہ تبَلَّجَتْ ہے دوسری طرف تَأَجَّجَتْ، ایک طرف الرَّشَاد ہے دوسری طرف العِنَاد، ایک طرف تبَلُّجَ العِقْيَانِ دوسری طرف تَأَجُّجَ النِّيْرَانِ۔

مزید یہ کہ بَوَارِق اور شَوَارِق کے لفظ نے ایک لطف یہ پیدا کر دیا کہ اس سے حضرت سیف اللہ المسلول کی معرکہ آرا کتاب 'البوارق المحمدیۃ' اور اس کے ترجمے 'شوارق صمدیہ' کی جانب بھی اشارہ ہو گیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت کی تصانیف بالخصوص 'البوارق المحمدیہ لرجم الشیاطین النجدیۃ' نے خرمن نجدیت و وہابیت کو خاکستر کر دیا اور رشد و ہدایت کی شاہراہ کو منور کر دیا۔ ان دونوں شعروں میں اسی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

﴿۵۹﴾

تِلْکَ الْبَوَارِقُ مِنْ شَوَارِقِ رَبِّنَا	لا مَا تَجَلَّی وَاخْتَفَی فِي الْاٰنِ

یہ بجلیاں ہمارے رب کی بجلیوں میں سے ہیں۔ یہ وہ بجلی نہیں جو چمکی اور اسی آن میں چھپ گئی۔

حل لغات: تَجَلّٰی تَجَلِّیًا: اچھی طرح ظاہر ہونا لیکن یہاں مراد بجلی کا چمکنا ہے۔

تشریح: یہاں بجلی سے ممدوح کی تصانیف مراد لی جاسکتی ہیں، اس صورت میں معنی ہوگا کہ آپ کی تصانیف شہرت طلبی یا ہوائے نفس کی بنیاد پر نہ تھیں بلکہ یہ من جانب اللہ توفیق الٰہی کی بنیاد پر تھیں، اس لیے ایسا نہیں ہے کہ ان کا وقتی فائدہ ہوا اور بعد میں ان کا فیض منقطع ہوگیا بلکہ آپ کی تصانیف کا فائدہ تو ایسا دیرپا ہے کہ آج تک تشنگان علم و معرفت ان سے استفادہ کررہے ہیں۔

﴿٦٠﴾

اَلْوَدْقُ یَخْرُجُ مِنْ خِلَالِ سَحَابِہٖ	فَالرَّعْدُ یَنْدُبُ أَیْنَ مِنْ ظَمْاٰنٖ

(ممدوں کے جود وسخا کے) بادلوں کے درمیان سے بارش نکلتی ہے اور کڑکنے والی بجلی پکارتی ہے کہ پیاسے کہاں ہیں؟ (کہ مَیں ان کو سیراب کردوں)۔

حل لغات: الودق: [باران] بارش۔ خلال: [وسط] درمیان۔ رعد: وہ بجلی جو کڑکے۔ ندب یندب: [ینادي] پکارنا، بلانا۔ ظَمْاٰن [تشنہ]

تشریح: قرآن کریم کی آیت سے بڑا خوبصورت استفادہ فرمایا ہے، ارشاد باری ہے:

> ألم تر أن اللہ یزجي سحاباًثم یؤلف بینہ ثم یجعلہ رکاماً فتری الودق یخرج من خلالہ (النور: آیت۴۳)
>
> ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے، پھر انہیں آپس میں ملاتا ہے، پھر انہیں تہہ بہ تہہ بنا دیتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے بارش کا پانی نکلتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ آپ کا فیضان کرم عام ہے، نہ صرف یہ کہ فیض و بخشش کی موسلا دھار بارش ہو رہی ہے بلکہ شان فیاضی پکار پکار کر تشنگان علم وفن کو دعوت دے رہی ہے کہ ہے کوئی جو اپنی علمی تشنگی بجھانا چاہتا ہے آئے کہ ہم اپنے دریائے علم و فضل سے اس کو سیراب کردیں۔

لفظ یندب کی تشریح کرتے ہوئے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

ندب إلی کذا أي دعا إلیه والشرع یندب أي یدعو و یرغب

﴿٦١﴾

وَالْبَـرْقُ يَبْـرُقُ مِـنْ وَمِيْضِ رَمِيْضِـهٖ	فَـالـنُّـوْرُ يَـذْهَـبُ مِنْ عُيُوْنِ الشَّانِيْ

ان کی تیز (دھاردار) تلوار کی تابش سے بجلی چمکتی ہے تو دشمن کی آنکھوں کا نور چلا جاتا ہے۔

حل لغات: وَمِيْضٌ: [تابش] چمک۔ رمیض: [تیغ و ہر چیز تیز] تیز بھالا، تیز تلوار۔ شان: دشمن۔

تشریح: تلوار کی چمک کو بجلی سے تشبیہ دی ہے، یہ تلوار کے انتہائی دھاردار ہونے کا اشارہ ہے، یہ چمک بھی ایسی ہے جس سے دشمنوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور وہ اپنی بینائی کھو بیٹھتے ہیں۔ یہاں بھی تصانیف مراد لی جائیں تو مطلب بالکل واضح ہے۔

﴿٦٢﴾

يَـا مَجْـدَ سِلْسِلَةِ الْـمَجِيْـدِ يِّيْنَ فِيْ	أَفْـضَــالِهَــا إِذْ زَانَهَــا فَـضْلَانِ

اے وہ ذات گرامی جو بزرگوں کے سلسلے کا مجد ہے، اس کے فضل و بڑائی میں جب کہ اس سلسلے کو دو اور فضلوں نے رونق و زینت بخشی ہے۔

تشریح: ممدوح کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ آپ کی ذات گرامی اپنے اصحاب فضل و مجد آباو اجداد کے نورانی سلسلے کا مجد و فخر ہے، اس پر مستزاد یہ کہ مجد و بزرگی کے اس سلسلے کو دو فضلوں نے مزید چار چاند لگا دیے۔ ان دو فضلوں کا بیان اگلے شعر میں ہے۔

﴿٦٣﴾

فَـنَـمَـتْ بِـفَـضْـلِ اللّٰـهِ فِيْ بَرَكَاتِـهٖ	وَسَـمَـتْ بِـفَـضْـلِ رَسُـوْلِـهِ الْحَنَّانِ

تو (بزرگوں کے اِس سلسلے نے) اللہ کے فضل اور اس کی برکتوں میں نشو و نما پائی اور شفقت و مہربانی کرنے والے رسول کے فضل کے ذریعے بلندی حاصل کی۔

حل لغات: نَمَتْ: [بالید] ماضی واحد مؤنث غائب از نما ینمو نموا بمعنی بڑھنا، ترقی کرنا، نشو و نما پانا۔ سَمَتْ: [بالاشد] ماضی واحد مؤنث غائب از سَمَا يَسْمُوْ سُمُوًّا بلند ہونا، بلند مرتبہ ہونا۔ الحنّان: مہربان و رحیم، یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، مگر یہاں حضور اکرم

ﷺ کی صفت کے طور پر آیا ہے۔

تشریح: یعنی یہ ایسا سلسلۂ مجد ہے جس کے ساتھ فضل الٰہی بھی ہے اور فضل رسالت پناہی بھی ہے۔

﴿٦٤﴾

إنْ رُمْتَ عِلْمَ الْقَلْبِ فَهْوَ مَنَارُهُ	وَالْمُبْصِرُوْنَ بِهِمْ هُدَى الْعُمْيَانِ

(اے مخاطب) اگر تو علم قلب کا قصد کرے تو وہ اس کا نشان راہ ہیں اور اہل بصیرت کے ذریعے ہی اندھوں کی رہنمائی ہوتی ہے۔

حل لغات: رُمْتَ: ماضی واحد مذکر حاضر از رَمَی يَرْمِي رَمْيًا تیر پھینکنا، قصد کرنا، یہاں دوسرا معنی ہی مراد ہے۔ مَنَار: [نشان راہ]۔ العُمْيَانُ: الأَعْمَى کی جمع بمعنی اندھا۔

تشریح: حضرت سیف اللہ المسلول کی خاندانی نجابت وشرافت بیان فرمائی۔ ان کی نشو ونما کس پاکیزہ ماحول میں ہوئی اس کو بیان فرمایا، آپ کی جود وسخا اور لطف وکرم کا ذکر ہوا، معاصرین میں آپ کے مقام بلند کا تذکرہ فرمایا اب یہاں سے آپ کے علوم وفنون کا تذکرہ فرما رہے ہیں کہ ان کے رب نے ان کو علوم وفنون میں کیسا یکتائے روزگار کیا تھا۔

سب سے پہلے علم قلب کا ذکر فرماتے ہیں، علم قلب سے مراد علم باطن یا بالفاظ دگر علم تصوف ہے۔ فرماتے ہیں کہ میرے ممدوح حضرت سیف اللہ المسلول علم تصوف میں ایک نشان راہ ہیں جس کے ذریعے سے قلب کے نابینا نور ہدایت پاتے ہیں۔

حضرت سیف اللہ المسلول علم تصوف کے لطائف ودقائق اور علم باطن کے اسرار ورموز پر بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے۔ آپ نے ایک زمانے تک حیدر آباد میں شیخ اکبر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی کتاب 'فصوص الحکم' کا درس دیا جو علم تصوف کی امہات الکتب میں سے ہے، آپ کی مجلس درس کے بارے میں مولانا ضیاء القادری لکھتے ہیں:

> درمیان عصر ومغرب کے کتاب 'فصوص الحکم' کا درس ہوتا۔ نواب ضیاء الدین صاحب قادری ہوتے اور قریب بیس پچیس دیگر ذی علم اہل بلدہ صاحب استعداد و مذاق سلیم والے شریک درس ہوتے۔ اِس حلقۂ درس میں اکثر نواب محی الدولہ محمد یار خاں مرحوم اور نواب وقار الدولہ اوّل مرحوم بھی بہ غرض حصول برکت واستفاضہ حاضر ہوتے۔ اُس وقت ایک خاص حالت حضرت

پر طاری ہوتی تھی، عجیب لطائف و دقائق اور مضامین و اسرار اظہار فرماتے، سامعین و حاضرین اپنی اپنی استعداد و ظرف کے مطابق لذت و حظ حاصل کرتے، ایک وجدی کیف میں سب سرشار نظر آتے۔ (اکمل التاریخ : ۲/ ۲۳۹، وطبع جدید)

بعض مخصوص احباب کی فرمائش پر آپ نے فصوص الحکم کی شرح بھی فرمائی تھی۔

﴿٦٥﴾

أَوْ عِلْمَ تَأْوِيْلِ الْقُرَانِ فَيَالَهُ	مِنْ ايَةٍ فِي الشَّرْحِ وَالْإِزْكَانِ

یا تو تفسیر قرآن کا علم چاہتا ہے تو انہیں (یعنی ممدوح کو) شرح و تفسیر اور افہام و تفہیم میں دسترس و مہارت تامہ حاصل ہے۔

حل لغات: یَا لَهُ: [کلمۂ تعجب]۔ إزْکَان: [تفہیم] سمجھانا۔

تشریح: شعر کا مطلب واضح ہے۔ لفظ قرآن بروزن فُعْلَان ہے، مگر فاضل بریلوی نے یہاں اس کو بروزن فُعَال باندھا ہے، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے حاشیے میں فرماتے ہیں:

> القرآن على فعال بنقل حركة الهمزة إلى الراء و حذفها لغة شائعة في القرآن على فعلان و بهما قرء القرآن في القرآن
>
> لفظ القرآن بروزن فعال (ہمزے کی حرکت نقل کر کے را کو دیدی اور ہمزے کو حذف کر دیا) القرآن بروزن فعلان میں لغت شائع ہے، قرآن کریم میں لفظ قرآن دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

مصرع ثانی میں من آیة وارد ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے حاشیے میں فرماتے ہیں:

> فلان آية في كذا أى ماهر كامل بالغ من الكمال حداً صاربه آية من آيات القدرة الإلٰهية تبارك و تعالٰى
>
> ترجمہ: فلاں شخص فلاں معاملے میں 'آیت' ہے، یعنی ماہر کامل ہے، وہ اس معاملے میں کمال کی اس حد کو پہنچ گیا کہ گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی بن گیا۔

﴿٦٦﴾

أَوْ عِلْمَ إِسْنَادِ الْحَدِيْثِ وَمَتْنِهٖ	فَالْبَحْرُ زَخَّارٌ بِدُوْنِ عَدَانِ

یا تجھے حدیث کی سند و متن کا علم درکار ہے تو ممدوح (علم حدیث کا ایسا) ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہیں کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

حل لغات: زَخَّار: زَخَرٌ کا اسم مبالغہ بہت زیادہ موجیں مارنے والا، ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر۔
عَدَان: [ساحل] دریا کا کنارہ، سمندر کا کنارہ۔

تشریح: مطلب ترجمے ہی سے واضح ہے۔ یہاں ترجمے میں آپ 'دریائے ناپیدا کنار' بھی کہہ سکتے ہیں۔

٦٧

أَوْ عِلْمَ أَسْمَاءِ الرِّجَالِ فَذِكْرُهُ
يَحْي كَنَجْلِ سَعِيْدِنِ الْقَطَّانِ

یا تجھے اسماء الرجال کا علم مطلوب ہے تو (اس فن میں) ممدوح کا ذکر سعید القطان کے بیٹے کی طرح زندۂ جاوید ہے۔

حل لغات: نَجْلٌ: [ابن] جمع أَنْجَال بیٹا۔

تشریح: اپنے ممدوح کو علم رجال حدیث میں حضرت امام یحییٰ بن سعید قطان سے تشبیہ دے رہے ہیں، اس سے آپ حضرت سیف اللہ المسلول کی علم حدیث و رجال حدیث میں مہارت و وسعت اور گہرائی و گیرائی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حافظ یحییٰ بن سعید بن فروخ القطان التميمي البصري علم حدیث و اسمائے رجال کے بلند پایہ اور جلیل القدر امام ہیں۔ آپ کی ولادت سنہ ۱۲۰ھ میں اور وفات ۱۹۸ھ میں ہوئی۔ حضرت شعبۃ الحجاج، حضرت ہشام بن عروہ، حضرت سفیان ثوری، حضرت سفیان بن عیینہ اور حضرت امام مالک جیسے اساطین علم حدیث سے آپ نے روایت حدیث فرمائی ہے۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں حضرت علی بن مدینی، امام احمد بن حنبل اور حضرت یحییٰ بن معین جیسے اجلہ ائمہ فن حدیث شامل ہیں۔ علما اور ماہرین علم حدیث نے بیک زبان آپ کو حافظ، ثقہ، ثبت، حجت، مامون اور اپنے زمانے کا امام حدیث تسلیم کیا ہے۔ (دیکھیے: تہذیب التہذیب: ج۴/ص ۳۵۷ تا ۳۵۹)
علم حدیث و رجال حدیث میں آپ حضرت سیف اللہ المسلول کے مقام و مرتبے کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ آپ کو علم حدیث کے ایسے جلیل القدر امام سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ اگر کوئی اس کو شاعرانہ مبالغہ سمجھے تو سمجھا کرے ہم تو اس کو حقیقت ہی سمجھتے ہیں۔

﴿٦٨﴾

أَيَصُوْلُ فِيْ عِلْمِ الْأُصُوْلِ عَلَيْهِ مَنْ
هُوَ بَاقِلٌ وَالشَّيْخُ بَاقِلَّانِيْ

کیا وہ شخص جو 'باقل' ہے علم اصول میں ممدوح پر غالب آ سکتا ہے؟ حالانکہ شیخ (سیف اللہ المسلول) مرتبہ میں باقلانی ہیں۔

حل لغات: یَصُوْلُ: مضارع از صَالَ یَصُوْلُ صَوْلًا : علیہ حملہ کرنا، کود پڑنا، فوقیت لے جانا، غالب آنا۔

تشریح: باقل زمانہ جاہلیت میں قبیلہ بنی ایاد کا ایک شخص تھا، اس کی زبان صاف نہیں تھی اور اپنے مافی الضمیر کو ادا نہیں کر سکتا تھا، اس کا یہ وصف کچھ ایسا مشہور ہوا کہ اس کا نام ضرب المثل بن گیا، اب جو شخص اپنا مافی الضمیر ادا کرنے پر قادر نہ ہو بول چال اور گفتگو میں نہایت عاجز اور درماندہ ہو اس کو باقل کہا جانے لگا۔ (دیکھیے: لسان العرب مادہ بقل)

باقل کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مصنف حاشیہ میں فرماتے ہیں:

> رجل يضرب به المثل في العي كان اشترى ظبياً بأحد عشر درهماً فقيل بكم ؟ففتح كفيه فارقاً أصابعهما وأبدى لسانه يريد بأحد عشر فانفلت الظبي فقالوا أعي من باقل
>
> ترجمہ: یہ ایک شخص تھا (گفتگو میں) عجز میں ضرب المثل بن گیا۔ اس نے گیارہ درہم میں ایک ہرن خریدا، اس سے لوگوں نے پوچھا کہ کتنے میں خریدا؟ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھولیں اور اپنی زبان نکال دی، اس سے اس نے گیارہ کا عدد مراد لیا، اسی اثنا میں ہرن بھاگ گیا، (پھر) لوگ کہنے لگے (گفتگو میں) باقل سے زیادہ عاجز۔

مصرع ثانی میں باقلانی سے مراد امام قاضی ابوبکر محمد بن طیب البصری ثم البغدادی ابن الباقلانی ہیں۔ آپ علم کلام و عقائد کے جلیل القدر امام ہیں 'سیف السنۃ' اور 'لسان الامۃ' کے لقب سے ملقب ہیں۔ سنہ ۳۲۸ھ میں ولادت ہوئی، ۴۰۲ھ میں وفات پائی۔ ابوبکر بن مالک القطیعی، ابو محمد بن ماسی اور ابو احمد الحسین بن علی نیساپوری سے حدیث کی سماعت کی۔ امام اشعری کے خاص شاگرد ابو عبد اللہ محمد مجاہد الطائی سے علم کلام اخذ فرمایا۔ امام ابو ذر الہروی اور ابو عمران الفاسی جیسے

ائمہ آپ کے تلامذہ میں ہیں۔ آپ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں جن میں الملل والنحل، مناقب الائمہ، دقائق الکلام اور تمہید الدلائل وغیرہ قابل ذکر ہیں، مگر سب سے زیادہ شہرت آپ کی کتاب 'اعجاز القرآن' کو ملی۔ امام ذہبی نے 'سير أعلام النبلاء' میں آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''آپ کا فہم وذکاوت ضرب المثل ہے''۔

باقل اور امام باقلانی کے تعارف کے بعد اب آپ شعر کو دوبارہ پڑھیں تو آپ کو حضرت فاضل بریلوی کی قادر الکلامی اور نکتہ آفرینی کے ساتھ جناب ممدوح حضرت سیف اللہ المسلول کے مقام ومرتبے کا عرفان ہوگا کہ وہ شخص علم کلام وعقائد میں حضور سیف اللہ المسلول کے مقابل کیسے آسکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا جب کہ ہمارے ممدوح حضور سیف اللہ المسلول علم کلام میں حضرت امام باقلانی سے مشابہ ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ محض شاعرانہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ حضرت سیف اللہ المسلول کی تصانیف کلامی اعلیٰ حضرت کے اس دعوے پر شاہد عدل ہیں۔ علم کلام وعقائد پر آپ کی معرکہ آرا تصنیف المعتقد المنتقد پر تقریظ لکھتے ہوئے حضرت مفتی صدر الدین آزردہ صدر الصدور دہلی رقم طراز ہیں:

> وجدتها أجود لفظاً، وأحسن معناً، وأغر نظماً، وأزهر حكماً، وأرفع شاناً، وأمنع مكاناً، لايدانيها كتاب قد صنف في علم الكلام، ولا يساويها رسالة قد ألفت في هذا المرام (المعتقد المنتقد: ص۵)
>
> ترجمہ: مَیں نے اس رسالے کو لفظ ومعنی کے اعتبار سے عمدہ اور بہترین، نظم وترتیب کے اعتبار سے چمکتا دمکتا اور رفیع الشان پایا۔ علم کلام میں تصنیف کی جانے والی کوئی کتاب اس کے قریب نظر نہیں آتی، اور اس موضوع پر تالیف کیا جانے والا کوئی بھی رسالہ اس کے برابر نہیں ہے۔

﴿٦٩﴾

أَمْ فِي الْفُرُوْعِ يُرِيْدُ يَفْرَعُهُ الَّذِي
عِيٌّ وَ غَيٌّ فِيْهِ مُجْتَمِعَانِ

یا فروع میں وہ شخص ممدوح پر غالب آنے کا ارادہ رکھتا ہے جس میں عجز اور گمراہی دونوں جمع ہیں۔

حل لغات: یَفْرَعُ: [یَغْلِبُ] مضارع واحد مذکر غائب از فَرَعَ یَفْرَعُ فَرْعًا بلندی پر چڑھنا،

غالب آنا۔ العِيُّ: [درماندگی] گفتگو میں عاجزی۔ الغَيُّ: [گمراہی]۔

تشریح: شعر کا معنی واضح ہے، اس میں الفروع کے ساتھ یفرعه اور عي کے ساتھ غي جو لطف دے رہا ہے اس کو ارباب ذوق محسوس کر سکتے ہیں۔

العِيُّ: عین کے فتحے کے ساتھ معروف ہے، مگر عین کے کسرے کے ساتھ بھی آتا ہے، ابن منظور لکھتے ہیں العِيُّ خلاف البیان (دیکھیے لسان العرب: مادہ عیا) اسی لیے مصنف علام نے یہاں اور اگلے شعر میں العِيُّ کو بکسر عین ہی لکھا ہے۔

﴿۷۰﴾

اَلْغَيُّ يَغْلُوْ فَهْوَ فِيْ حِجْرِ الصِّبَا	وَالْعِيُّ يَعْلُوْ فَهْوَفِي ادْلِهْنَانِ

اُس میں گمراہی بچپن ہی سے جوش مار رہی ہے اور بڑھاپے میں عجز و مجبوری غالب آ رہی ہے۔

حل لغات: يَغْلُوْ: [يَفُوْرُ] مضارع واحد مذکر غائب از غَلا يَغْلُو غُلوا زیادہ ہونا، بلند ہونا، جوش مارنا۔ الحِجْرُ: گود۔ الصِّبَا: [کودکی] بچپن۔ يَعْلُوْ: [يَغْلِبُ] مضارع، بلند ہونا، غالب ہونا۔ اِدْلِهْنَان: [پیر کہن سال شدن] بوڑھا ہونا۔

تشریح: یہاں بھی معنی واضح ہے۔ مزید یہ کہ یہاں الغي اور العي اور يغلو اور يعلو میں جناس ہے جو لطف سے خالی نہیں۔

﴿۷۱﴾

لٰكِنَّ مَوْلانَا بِفَوْقِ فَقَاهِهٖ	فِيْ شَيْبِهٖ وَشَبَابِهٖ شَيْبَانِي

لیکن ہمارے سردار (حضور سیف اللہ المسلول) تفقہ میں فوقیت کے سبب حالت بزرگی اور اپنے عنفوان شباب میں (امام محمد بن حسن) شیبانی ہیں۔

حل لغات: فَوْق: [افزونی]۔ فَقَاه: [فقہ]۔ شَيْبٌ: بڑھاپا۔ شباب: جوانی۔

تشریح: علم تصوف، علم کلام، علم حدیث و رجال حدیث اور علم اصول و فروع کے بعد اب ممدوح کے علم فقہ کی تعریف فرما رہے ہیں کہ آپ اپنی فقاہت کی بنیاد پر فوقیت لے گئے۔ جوانی اور پیرانہ سالی دونوں میں آپ علم فقہ میں امام محمد بن حسن شیبانی کی مانند ہیں۔

امام محمد بن حسن شیبانی حدیث و فقہ کے مشہور امام و مجتہد ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

کے ممتاز تلامذہ میں ہیں، فقہ حنفی کی تدوین وترتیب میں آپ کا جو حصہ ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ آپ کی ولادت سنہ ۱۳۲ھ میں اور وفات سنہ ۱۸۹ھ میں ہوئی۔ امام اعظم کے علاوہ قاضی ابو یوسف، سفیان ثوری، امام اوزاعی اور امام مالک سے اخذ علم کیا۔ آپ کے تلامذہ میں امام شافعی جیسے جلیل القدر مجتہد کے علاوہ حضرت ابو عبید قاسم بن سلام اور امام یحیٰی بن معین جیسے ائمہ فن شامل ہیں۔ آپ کی مشہور چھ تصانیف جو کتب ظاہر الروایۃ کے نام سے یاد کی جاتی ہیں فقہ حنفی کا بنیادی ماخذ ہیں۔ یہ کتابیں المبسوط، الزیادات، الجامع الکبیر، الجامع الصغیر، السیر الکبیر اور السیر الصغیر ہیں۔

﴿۷۲﴾

أَدَبُ الْأَدِبَّـا شُـعْبَةٌ مِـنْ فَـضْلِـهٖ	أَعْـنِـيْ عَـلَـى مَـا فِيْـهِ مِـنْ إِفْـنَـانٖ

ادبا کا علم ادب ان کے فضل کا ایک حصہ ہے، علم ادب اپنی مختلف انواع کے ساتھ مراد ہے۔

حل لغات: شُعْبَةٌ: حصہ۔ إِفْنَان: [تنویع]۔

تشـریح: علم ادب میں ممدوح کی وسعت نظر کا یہ عالم ہے کہ بڑے بڑے ادبا کا مجموعی علم ادب ممدوح کے علم کا محض ایک حصہ ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ علم ادب سے ادب کا صرف ایک شعبہ مراد ہے بلکہ علم ادب سے ہماری مراد اس کی تمام انواع ہیں۔ حاشیے میں انواع ادب کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> منہ النحو والصرف واللغة والاشتقاق والمعاني والبيان والبديع والعروض والقوافي والأمثال
>
> ترجمہ: علم ادب کی انواع میں علم نحو، علم صرف، علم معانی و بیان، علم بدیع، علم عروض وقوافی اور علم الامثال ہے۔

﴿۷۳﴾

لَـوْ أَدْرَكَـتْ رُوْحُ ابْـنِ سِيْـنَـا طِبَّـهٗ	لَتَـمَـارَضَـتْ وَ أَ تَتْـهُ بِـالْارْنَـانٖ

اگر ابن سینا کی روح اُن کی معرفت طب کو جان لیتی تو خود کو بیمار ظاہر کرتی اور (علاج کے لیے) فریاد کرتی ہوئی ان کے پاس آتی۔

حل لغات: تَمَارَضَتْ: [خودرا بیمار نمودے] **ماضی واحد مؤنث غائب از** تَمَارَضَ یَتَمَارَضُ بہ تکلف مریض بننا۔ إِرْنَان: [فریاد کردن] فریاد کرنا۔

تشــریح: حضور سیف اللہ المسلول علوم دینیہ اور شرعیہ کے ساتھ ساتھ علم طب میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ فرنگی محل لکھنؤ سے علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت کے بعد شمس مارہرہ حضور اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ کے حکم سے آپ کو فن طب کی تحصیل کے لیے دھولپور بھیجا گیا، وہاں آپ نے اپنے زمانے کے مشہور حکیم سید ببر علی موہانی کی درسگاہ میں علماً اور عملاً فن طب کی تحصیل کی۔ کچھ عرصے بعد شمس مارہرہ حضور آل احمد اچھے میاں قدس سرہٗ نے آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عین الحق عبد المجید بدایونی قدس سرہٗ سے ارشاد فرمایا کہ ”مولوی صاحب اب فضل رسول کو واپس بلا لیجیے وہ طبیب حاذق ہو گئے“ اور ساتھ ہی حضرت سیف اللہ المسلول کے دست شفا کی بشارت بھی دی۔ ایک قطب زمانہ کی مبارک زبان سے نکلے ہوئے ان جملوں نے ایسا اثر دکھایا کہ ایک زمانے نے حضرت سیف اللہ المسلول کو امام الاطبا تسلیم کیا۔ علم طب میں آپ نے تصنیف بھی فرمائیں اور درسگاہ میں فن طب کی تعلیم بھی دی، آپ کے تلامذہ میں بھی کئی ایک نامور اطبا ہوئے۔ مولانا ضیاء القادری نے اکمل التاریخ میں ’مشاغل طبیہ‘ کے عنوان سے ایک مستقل باب قائم کیا ہے، جس میں حضرت سیف اللہ المسلول کے عجیب وغریب معالجات کے واقعات جمع کیے ہیں۔☆

﴿۷۴﴾

هٰذِي الْعُلُوْمُ وَمَنْ حَوَاها كَانَ فِيْ	مَـنْـدُوْحَةٍ عَنْ مَـنْـزَغِ شَيْـطَـانِـيْ

یہ (مذکورہ) علوم اور وہ ذات جو ان علوم کی جامع ہو وہ شیطان کے گمراہ کرنے سے دور رہتی ہے۔

حل لغات: حَوَاها: [جَمَعَهَا] از حوی حواية **بمعنی جمع کرنا**، سمیٹنا۔ اس میں ھا ضمیر مؤنث منصوب متصل اس کا مفعول ہے۔ مندوحة: [سعة] کشادگی۔ مَنْزَغٌ: [جائے اغوا] اسم ظرف بمعنی دھوکہ دینے کی جگہ۔

تشــریح: یعنی علوم دینیہ اور شرعیہ کا حامل وجامع (جیسا کہ حضرت ممدوح ہیں) شیطان کے وسوسوں اور فریب سے محفوظ رہتا ہے۔

☆ دیکھیے اکمل التاریخ: ص ۱۹۷/ تا ۲۰۷/ طبع جدید

﴿۷۵﴾

يَـا فَـلْسَـفِـيُّ إِلَيْکَ عَـنَّـا أَنْـتَ فِيْ
إِغْـرَاکَ أَوْ إِغْـوَاکَ أَوْ طُـغْـيَـانٖ

(فلسفی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ) اے فلسفی! تو ہم سے دور ہو جا کیوں کہ تو فریب دینے یا گمراہ کرنے یا طغیان و سرکشی میں مبتلا ہے۔

حل لغات: اليك عنّا: [دور باش از ما] ہم سے دور ہو۔ إغراء: مصدر (اِفعال) دھوکہ دینا۔ إغـــواء: مصدر (افعال) گمراہ کرنا۔ ان دونوں مصدر سے ہمزہ ضرورت شعری کی بنا پر حذف کر دیا گیا ہے۔

تشریح: یہاں سے لے کر شعر ۷۹؍ تک ایک مسلسل مضمون ہے۔ شعر کا مطلب واضح ہے، مزید تشریح آگے آرہی ہے۔

﴿۷٦﴾

تَـعْسًـا لِـمَـنْ يُـؤتِيْکَ ذِمَّةَ قَـلْبِـهٖ
سُـحْـقًـا لِمَنْ يَأتِيْکَ بِا سْتِحْسَانٖ

ہلاکت و بربادی ہو اس شخص کے لیے جو اپنے دل کی لگام (اے فلسفی) تیرے حوالے کر دیتا ہے، دوری ہو اس شخص کے لیے جو تجھے اچھا سمجھ کر تیرے پاس آتا ہے۔

حل لغات: تعساً: [ہلاکی باد] کسی کو بددعا دینے کے لیے بولا جاتا ہے بمعنی ہلاک ہو جائے وہ شخص۔ سُحْقًا: [دور شو] یہ بھی بددعا کے لیے مستعمل ہے بمعنی دور ہو جائے وہ شخص۔ استحسان: مصدر (اِفعال) اچھا سمجھنا۔

تشریح: فلسفہ یونان کے بہت سے مسائل اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف ہیں، ان میں بعض کفر ہیں اور بعض گمراہی پر مشتمل ہیں۔ امام غزالی نے فلاسفہ کے تین مسائل کی بنیاد پر ان کی تکفیر فرمائی ہے ایک قدم عالم کا قول، دوسرا علم الٰہی سے جزئیات کی نفی، تیسرے حشر اجساد کا انکار (دیکھیے: تهافة الفلاسفة للغزالي) کچھ علمائے اسلام بھی فلاسفہ کے دھوکے میں آ گئے تھے اور خلاف اسلام عقائد و نظریات میں ان کی حمایت کرنے لگے تھے۔ یہ لوگ فلاسفہ کے دلائل سے ایسے مرعوب و متأثر ہوئے کہ ان کی ہر جا و بے جا بات میں ان کی تائید و حمایت اور ان کا دفاع کرنے لگے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں کہ ہلاکت ہو ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنے دل کی لگام فلاسفہ کے ہاتھ میں دیدی ہے اور ان کی ہر بات پر

آمنا وصدقنا کہتے ہیں، بربادی ہوان لوگوں کی جو فلاسفہ کی ہر بات کی تحسین کر رہے ہیں۔

۷۷

اِخْسَأ فَلَنْ تَجْتَازَ قَدْرَکَ کَالَّذِي
مِيْـــدَاهُ دُخٌّ مِـــنْ خَبِيْـــئِ دُخَـــانِ

دور ہٹ تو ہرگز اپنی حد کو پار نہیں کر سکتا تو اس شخص کی طرح ہے جس کے مبلغ علم کی انتہا دُخان کی پوشیدگی سے فقط دُخ ہے۔

حل لغات: اِخسأ: [زجر للكلب] یہ کتے کو جھڑکنے کے لیے آتا ہے، دور ہٹ۔ لن تجتاز: [نخواہی گذشت] ہرگز پار نہیں کر سکتا۔ مِيْدَاءُ: [منتهى] انتہا، غایت۔ خبيئ: [پوشیدہ]۔

تشریح: یہ ایک حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے جس کا بیان قدرے تفصیل طلب ہے۔ مختصر یہ کہ عہد رسالت میں ایک دجال صفت شخص ابن صائد یا ابن صیاد (احادیث میں دونوں وارد ہیں) نام کا تھا۔ شیطان نے اس پر اپنا اثر کر لیا تھا، بہت سی پوشیدہ باتیں اور عجائبات شیطان اس کو القا کر دیا کرتا تھا جو وہ لوگوں کو بتاتا تھا۔ اسی شیطانی القا کی وجہ سے اس نے حضور رسالت پناہ ﷺ کے روبرو دعوئ نبوت بھی کر دیا تھا۔ امام بخاری حدیث بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ اپنے چند اصحاب کے ساتھ ابن صیاد کی طرف تشریف لے گئے، آپ نے پوچھا کہ تجھے کیا نظر آتا ہے؟ اس نے جواب دیا:

يأتيني صادق و كاذب
میرے پاس کبھی سچا آتا ہے کبھی جھوٹا

آپ نے فرمایا کہ اس پر معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا:

> إنـي قد خبأت لك خبيئا فقال ابن صياد هو الدخ فقال له رسول الله ﷺ اخسأ فلن تعدو قدرك (**بخاری**: كتاب الأدب ، باب قول الرجل للرجل اخسأ، **حدیث نمبر۵۸۲۱**)
>
> ترجمہ: مَیں نے تجھ سے پوچھنے کے لیے دل میں ایک بات چھپائی ہے، ابن صیاد نے کہا کہ وہ 'دُخ' ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دفع ہو تو اپنی حد سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔

آپ ﷺ نے اپنے دل میں یہ آیت چھپائی تھی "فـارتـقـب يـوم تـأتـي السمـاء بدخـان

مبین ''اس میں ابن صیاد صرف دُخ کو جان پایا۔ حضرت مصنف علیہ الرحمہ حاشیہ میں فرماتے ہیں:

> تلميح إلى قصةابن صائد أن النبى ﷺ خبأ له سورة الدخان وسأل له عما خبأ فقال دخ فقال ﷺ اخسأ فلن تعدو قدرك أي قدر ما يلقيه إليك شياطينك وهكذا المتفلسف ليس له من درك الحقائق إلا قدر ما ألقى إليه كبرائه فيها كلمة صادقة وعشر كاذبة كمثل إلقاء الشيطان سواء بسواء
>
> ترجمہ: یہ ابن صائد کے واقعے کی تلمیح ہے، حضور اکرم ﷺ نے اس کے (امتحان کے) لیے سورۂ دخان چھپائی اور اس سے پوچھا تو اس نے کہا 'دُخ'، تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''دفع ہو تو اپنی حد سے آگے نہیں بڑھ سکے گا''۔ یعنی اُس حد سے آگے نہیں بڑھ سکے گا جو تیرے شیاطین نے تجھے القا کی ہے۔ خود کو فلسفی بننے والوں کا بھی یہی حال ہے، یہ حقائق کا درک محض اسی قدر رکھتے ہیں جتنا ان کو ان کے بڑوں نے سکھا دیا ہے، جس میں ایک بات سچی ہے تو دس باتیں جھوٹی ہیں، بالکل اسی طرح جیسے شیطان القا کرتا ہے۔

اب شعر کا مطلب واضح ہوا کہ اے فلسفی تو دفع ہو، تیری اوقات صرف اتنی ہی ہے جتنی تیرے متقدمین فلاسفہ نے تجھے پڑھا دیا ہے تو اس حد سے تجاوز نہیں کرسکتا۔ تیری قابلیت کا عالم تو یہ ہے کہ تو حقائق اشیا کو صرف اسی قدر جان سکتا ہے جتنا ابن صیاد نے آیت کریمہ میں سے صرف 'دُخ' سمجھا۔

﴿۷۸﴾

سُبْحٰنَ رَبِّي أَيْنَ إِرْثُ الْأَنْبِيَا	مِنْ سُؤْرِ بَطَّالِيْنَ فِيْ يُوْنَانِ

سبحان اللہ! کہاں (وہ علوم جو) انبیا کی میراث (ہیں) اور کہاں یونان کے بیہودہ لوگوں کا پس خوردہ (علم منطق وفلسفہ)۔

حل لغات: إِرْثٌ: میراث، ترکہ۔ سُؤْرٌ: [پس خوردہ] جھوٹا۔ بَطَّالِيْن: [بیہودگاں] بیکار، بیہودہ، بے روزگار۔

تشریح: ایک طویل حدیث کے ضمن میں وارد ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن العلماء ورثة الأنبياء (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: بیشک علما ہی انبیا کے وارث ہیں۔

اب کہاں وہ پاک علوم دینیہ وشرعیہ جو انبیا علیہم السلام کی وراثت ہیں، جن کے حامل کو وارث انبیا فرمایا گیا ہے اور کہاں وہ علم منطق و فلسفہ جو یونان کے گمراہ اور بے ہودہ لوگوں کا پس خوردہ (جھوٹا) ہے......ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

﴿۷۹﴾

مَعَ ذَاکَ فَانْظُرْ هَلْ تَرَاکَ عَدِیْلَہٗ
فِيْ فِطْنَةٍ أَوْ مَنْطِقٍ وَ بَيَانٍ

اس کے باوجود (اے فلسفی) غور کر کیا تو اپنے آپ کو زیرکی سمجھداری اور منطق و بیان میں ممدوح کا ہمسر دیکھتا ہے؟۔

حل لغات: عَدِیْل: [ہمسر]۔ فِطْنَةٌ: [زیرکی] سمجھ داری، ہوشیاری۔

تشریح: یہاں وہ مسلسل مضمون مکمل ہوتا ہے جو شعر ۷۵/ سے شروع ہوا تھا۔ علم منطق و فلسفہ میں مہارت علمائے ربانیین کے لیے باعث فخر نہیں، ان کی شان تو علوم دینیہ میں مہارت ہے۔ لیکن اس کے باوجود علمائے ربانیین نے اس فن میں مہارت حاصل کی تا کہ فلسفہ اور منطق کے ذریعے ہی ان کی گمراہی کا رد وابطال کیا جائے۔ جیسے حجۃ الاسلام امام غزالی نے فلسفے کا رد کرنے سے پہلے اس میں مہارت تامہ اور معرفت کاملہ حاصل کی، آپ نے 'مقاصد الفلاسفة' لکھ کر اس علم میں اپنی مہارت کا ثبوت دیا۔ پھر اس کے بعد فلسفہ یونان کے اس قلعے کو 'تهافة الفلاسفة' لکھ کر ڈھا دیا۔

لہٰذا اے فلسفی اگر چہ ہمارے ممدوح حضور سیف اللہ المسلول وارث انبیا ہیں، علم منطق و فلسفہ میں مہارت ان کے لیے کوئی کمال نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود بھی انہیں علم فلسفہ و منطق میں وہ مہارت تامہ حاصل ہے کہ تو اپنی تمام تر قابلیت کے باوجود بھی علم منطق و فلسفہ میں ان کی برابری و ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

سیف اللہ المسلول کے عرس کے طرحی مشاعرے میں جناب الحاج حافظ عبد القیوم قادری راجیؔ نے ایک شعر پڑھا تھا جو گویا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اِس شعر کی ترجمانی ہے، فرماتے ہیں:

کوئی ارسطو ہو یا فلاطوں وہ آئے تو اِن کے مدرسے میں
ذرا تماشہ یہ ہم بھی دیکھیں کہ کتنا بھاری وہ منطقی ہے

علم منطق میں حضرت کی مہارت کے ثبوت میں آپ کے حواشی رسالہ میر زاہد وملا جلال پیش کیے جاسکتے ہیں، جو آپ نے نہایت تحقیقی واجتہادی شان سے تصنیف فرمائے ہیں۔ علم فلسفہ میں اجتہادی شان اس سلسلہ مکاتیب سے ظاہر ہوتی ہے جو فلسفے کے ایک دقیق مسئلے 'لزومات اعتباریہ درعقول مجردہ' پر استاذ مطلق امام حکمت وکلام علامہ فضل حق خیرآبادی اور حضرت سیف اللہ المسلول کے درمیان ہوا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: خیرآبادیات: ص ۱۸۹ تا ۱۹۴)

﴿۸۰﴾

اَللّٰهُ يَجْزِيْهِ الْجِنَانَ كَمَا بَنَى	لِلدِّيْنِ قَصْرًا جَيِّدَ الْأَرْكَانِ

اللہ انہیں جنت عطا فرمائے جیسا کہ انہوں نے دین کے لیے مضبوط محل تعمیر کیا۔

حل لغات: جِنان: جَنَّةٌ کی جمع، باغ، بہشت۔ قَصْرٌ: محل۔

تشریح: مطلب واضح ہے کہ جس طرح ممدوح نے دنیا میں تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور ہدایت وارشاد کے ذریعے دین کا ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا ہے۔ اسی طرح اس خدمت کے بدلے میں رب مقتدر انہیں جنت الفردوس میں عمدہ محل عطا فرمائے۔

﴿۸۱﴾

اَلْوَصْفُ يَقْصُرُ عَنْ جَلَا لَةِ قَصْرِهٖ	وَالْقَصْرُ قُصْوَى حِيْلَةِ الْحَيْرَانِ

(زبانِ) توصیف ان کے محل کی عظمت وجلالت بیان کرنے سے قاصر ہے، (محل کی جلالت شان دیکھ کر) حیران (شخص) کی انتہائی تدبیر عجز وکوتاہی ہے۔

حل لغات: القَصْرُ: [کوتہی] عاجزی۔ قُصْوَى: [غایت] انتہا۔

تشریح: ممدوح کا پایہ قصر کمال اتنا بلند ہے کہ اس کی کما حقہ تعریف وتوصیف کرنے سے زبان و قلم قاصر ہیں۔ آپ کی جلالت شان دیکھ کر ایک شخص حیران ومتعجب ہے، وہ آپ کے مرتبے کی بلندی کا ادراک کرنا چاہتا ہے، عرفان مقام ومرتبے کے لیے وہ جو بڑی سے بڑی ترکیب وتدبیر اختیار کرے گا بالآخر وہ تدبیر اسے مزید حیران وششدر اور ادراک مقام میں عاجز و درماندہ کرکے چھوڑے گی۔

﴿۸۲﴾

يَا لَلْحَيَا وَأَرَى عُرَاةً عَالَةً	يَتَطَاوَلُوْنَ عَلَيْهِ فِي الْبُنْيَانِ

کتنی شرم کی بات ہے کہ مَیں چند ننگے بھوکے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ اس محل سے بلند عمارت بنانا چاہتے ہیں۔

حل لغات: یَالَلْحَیَا: کیا ہی شرم و عار کی بات ہے۔ عُرَاۃ: [برہنگاں] عَارِي کی جمع ننگا۔ عَالَۃٌ: [بے نوایاں] عائل کی جمع غریب، مفلس، نادار۔ یتطاولون علی... : [یَطْلُبُوْنَ الزِّیَادَۃَ فِي الطُّوْلِ] زیادتی کرنا، دست درازی کرنا، بلندی حاصل کرنے کا ارادہ کرنا۔ بُنْیَان: عمارت۔

تشریح: ممدوح کے مقام علم و فضل کی تعریف و توصیف کے بعد اب ان کے مخالفین و معاندین کی ہجو کی طرف آتے ہیں۔ یہ بھی عربی قصیدے کا ایک اہم رکن ہوا کرتا ہے۔

حضور سیف اللہ المسلول نے ناموس رسالت کے تحفظ، باطل افکار و نظریات کی بیخ کنی، مسلک حقہ کی ترویج و اشاعت اور احقاق حق و ابطال باطل کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ ان اولین علمائے اہل سنت میں ہیں جنہوں نے بالکل ابتدائی زمانے میں وہابی تحریک اور اس تحریک کے قائد و پیشوا شاہ اسماعیل دہلوی کے عقائد و نظریات کا تنقیدی جائزہ لیا اور اپنی عربی، فارسی، اردو کی متعدد تصانیف کے ذریعے حق و باطل میں خط امتیاز کھینچ دیا۔ آپ کی انہیں خدمات کی وجہ سے اہل باطل آپ کی مخالفت پر آمادہ ہوئے، بالخصوص شاہ اسماعیل دہلوی کے مسلک و نظریات کے حامل افراد آپ کے سخت مخالف ہو گئے اور بغض و عناد کے باعث آپ کی تنقیص شان میں بہت سعی کی۔ یہاں سے انہیں افراد کا رد اور ان کی ہجو شروع ہو رہی ہے۔

للحیا پر جو لام ہے بین السطور میں اس کی وضاحت فرماتے ہیں کہ یہ 'لامِ استغاثہ' ہے۔ عراۃ عالۃ کے بارے میں فرماتے ہیں" اقتباس من حدیث أشراط الساعۃ "یعنی یہ قیامت کی نشانیوں والی حدیث سے اقتباس ہے۔

یہ ایک طویل حدیث کا جز ہے۔ روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور حضور رسالت مآب ﷺ سے کچھ سوالات کیے، ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے قیامت کی نشانیوں کے بارے میں بتائیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أن تلد الأمۃ ربتھاوأن تری الحفاۃ العراۃ العالۃ رعاء الشاء یتطاولون في البنیان (صحیح مسلم ۸/ ترمذی ۲۶۱۰/ ابوداؤد ۴۶۹۵/ ابن ماجہ ۵۳/ نسائی ۵۰۰۵)

ترجمہ: جب باندی اپنے آقا کو جنے گی، جب تم دیکھو گے کہ برہنہ پا، برہنہ تن،

تنگ دست چرواہے بڑی بڑی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے لگیں (تو قیامت آئے گی)۔

﴿۸۳﴾

خَبَطُوْا فَلَيْسَ عُرَى السَّدَادِ عُرًى تَهِي	بِتَجَاذُبٍ فِي الْفَأرِ وَالْغِرْبَانِ

یہ لوگ خبط میں مبتلا ہیں۔ ہدایت ودرستگی (کی رسی) کے گوشے چوہوں اور کوّوں کی کھینچ تان سے کمزور نہیں ہوتے۔

حل لغات: خَبَطُوْا: ماضی جمع مذکر غائب از خَبَطَ خَبْطًا بمعنی بے ہدایت وبے بصیرت کام کرنا، دھکے کھانا۔ عُرَى: [جمع عُرْوَةٌ گوشہ]۔ تَهِي: [سُست شود] مضارع صیغہ واحد مؤنث غائب از وَهَى يَهِي وَهْياً کمزور ہونا، ڈھیلا ہونا۔ تَجَاذُب: کھینچ تان کرنا، فَأرٌ: [موشاں] چوہا۔ غِرْبان: [زاغاں] الغُرَاب کی جمع بمعنی کوا۔

تشریح: جو تہی دامن لوگ ہمارے ممدوح کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں وہ دراصل خبط میں مبتلا ہیں۔ اس لیے کہ حق وصواب اور ہدایت کی رسی چوہے اور کوے کی کھینچ تان سے کمزور ہونے والی نہیں ہے۔ یہ تو 'العروة الوثقى' (محکم گرہ) ہے جس کے بارے میں قرآن کریم نے فیصلہ سنا دیا کہ 'لا انفصام لها' (یہ کھلنے والی نہیں ہے) لہٰذا ان اہل عناد کی معاندانہ کاروائیوں سے ہمارے ممدوح حضور سیف اللہ المسلول کی شان ارفع پر کوئی اثر نہیں پڑنے والا۔

چوہے اور کوے کی کشاکش کے بارے میں حاشیے میں وضاحت فرماتے ہیں:

> الفأر من فسقة سكان البيوت والغربان من فسقة الأطيار فأراد بالأول أهل التفريط وبالآخر أهل الإفراط وهم على طرفين من العروة الوثقى يجذبها كل إلى جانبها ليوهنها ولكنها أوثقها الله تعالى فلا تهي۔
>
> ترجمہ: چوہا گھر میں رہنے والے (کیڑے مکوڑوں، جانوروں) میں بدکار اور خسیس ہے اور کوا پرندوں میں بدکار اور خسیس سمجھا جاتا ہے۔ (شعر میں) چوہوں سے ہماری مراد اہل تفریط ہیں اور کووں سے مراد اہل افراط ہیں۔ یہ دونوں (یعنی اہل افراط وتفریط) عروہ وثقیٰ کے دونوں سروں پر ہیں اور دونوں اپنی اپنی جانب اس کو کھینچ رہے ہیں تا کہ اس کو کمزور کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے

اس کو مضبوطی عطا فرمائی ہے، لہٰذا یہ کمزور نہیں ہوگی۔

﴿۸۴﴾

فَتَـراهُـمْ رُسِـنُـوْا بِـأَرْسَـانِ الْبَلا	وَالْهُـوْنِ كَـالشَّيْـطَـانِ فِيْ أَشْطَـانِ

تو ان (ممدوح کے مخالفین) کو دیکھے گا کہ یہ ذلت وخواری کی رسیوں میں بندھے ہوئے ہیں جیسا کہ شیطان رسیوں میں جکڑا ہوا ہے۔

حـل لغات: رُسِنُوْا: [بستہ شدند] جمع مذکر ماضی مجہول از رَسَنَ رَسْنًا جانور کے سر میں رسی ڈالنا، باندھنا، جکڑنا۔ أَرْسَان: [جمع رَسَنٌ] رسی۔ الهُوْنُ: [خواری] رسوائی۔ أَشْطَان: [جمع شَطَنٌ بمعنی رَسَنٌ] رسی۔

تشریح: شعر کا مطلب واضح ہے۔

﴿۸۵﴾

فَـأَمِيْـرُهُـمْ وَ بَشِيْـرُهُـمْ وَنَذِيْرُ هُمْ	كُـلٌّ بِـرُمَّتِـهِ رَبِيْـطُ هَـوَانِ

تو ان (مخالفین) کا امیر، ان کو خوشخبری دینے والا اور ان کو ڈر سنانے والا سب کے سب اپنی ذلت ورسوائی میں بندھے ہوئے ہیں۔

حـل لـغات: رُمَّةٌ: [رسنِ خود] رسی کا ٹکڑا۔ رَبِيْطٌ: [بستہ] بمعنی مَرْبُوْطٌ بندھا ہوا۔ هَوَان: [خواری] رسوائی۔

تشریح: مصرع اول میں امیر، بشیر اور نذیر کے لفظی معنی مراد ہیں مگر اس میں توریہ بھی ہے۔ مولوی امیر حسن سہسوانی (وفات: ۱۲۹۱ھ) مولوی بشیر الدین قنوجی (وفات: ۱۲۹۶ھ) اور میاں نذیر حسین دہلوی (وفات: ۱۹۰۲ء) یہ تینوں حضرات شاہ اسماعیل دہلوی کے حامی ومعتقد، ان کا دفاع کرنے والے، ان کے افکار کی ترویج واشاعت کرنے والے اور حضرت سیف اللہ المسلول کے شدید ترین مخالفین میں تھے۔

حضرت سیف اللہ المسلول نے مسئلہ شفاعت پر شاہ اسماعیل دہلوی کے نظریات کے رد میں فوز المؤمنين بشفاعة الشافعين نامی کتاب تصنیف فرمائی، میاں نذیر حسین دہلوی نے اپنے رسالے ’افضل البضاعة في معنى الشفاعة‘ میں اس کے بعض مندرجات کا رد کیا۔ سیف اللہ المسلول کے صاحبزادے اور جانشین حضور تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی قدس سرہٗ نے اس

کا **تحقیقی جواب** ’تحقیق الشفاعة علی طریق أهل السنة والجماعة‘ **کے نام سے تصنیف فرمایا۔**

اسی طرح سیف اللہ المسلول کی کتاب ’البوارق المحمدیة لرجم الشیاطین النجدیة‘ **کے جواب میں مولوی بشیر الدین قنوجی نے** ’الصواعق الإلٰهیة لطرد الشیاطین اللهانیة‘ **تصنیف کی۔ اس کے جواب میں سیف اللہ المسلول کے مرید اور حضرت تاج الفحول کے تلمیذ رشید علامہ محبّ احمد قادری بدایونی نے** ’الطوارق الأحمدیة لاستیصال بناء دین النجدیة‘ **تصنیف کی اور تحقیق وتنقید کا حق ادا کر دیا۔**

مولوی امیر حسن سہسوانی نے مسئلہ امتناع نظیر میں شاہ اسماعیل دہلوی کی حمایت اور علمائے اہل سنت کی مخالفت کی، انہوں نے ’افادات ترابیہ‘ کے نام سے رسالہ لکھا جس کا تحقیقی جواب حضرت تاج الفحول کے تلمیذ ارشد حافظ بخاری حضرت مولانا سید شاہ عبد الصمد سہسوانی نے ’افادات صمدیہ‘ کے نام سے تحریر فرمایا۔ اس کے علاوہ اسی مسئلہ امکان نظیر پر مولوی امیر حسن سہسوانی کے بیٹے مولوی امیر احمد سہسوانی اور سیف اللہ المسلول کے صاحبزادے حضرت تاج الفحول کے درمیان سنہ ۱۲۸۸ھ میں شیخو پور ضلع بدایوں میں مناظرہ بھی ہوا۔

زیر نظر اشعار میں غالباً انہیں حالات کی طرف اشارہ ہے۔

﴾۸۶﴿

وَكَذَاکَ سُنَّةُ رَبِّنَا فِیْمَا مَضَی	وَالْحَقُّ أَبْلَجُ عِنْدَ أَهْلِ عِیَانِ

اور اسی طرح گذشتہ لوگوں میں ہمارے رب کی سنت جاری ہوئی ہے اور حق اہل عقل و دانش کے سامنے ظاہر و باہر ہے۔

حل لغات: أَبْلَجُ: [أَظْهَرُ] **اسم تفصیل از** بَلَجَ بَلْجًا **بمعنی واضح ہونا، ظاہر ہونا۔**

تشریح: **یعنی یہ سنت الٰہیہ رہی ہے کہ حق کو دبانے والے ہمیشہ ذلیل و رسوا رہے ہیں، حق اور اہل حق کا بول بالا ہوا ہے۔ حق چھپتا نہیں ہر ذی عقل اس کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔**

﴾۸۷﴿

یَتَلَجْلَجُوْنَ بِقَوْلِ أَشْهَدُ أَنْ كَذَا	وَالْقَلْبُ بَیْنَ الْكُفْرِ وَالْكُفْرَانِ

ان کی زبانیں کلمۂ شہادت پڑھنے سے تتلا رہی ہیں اور دل کفر و ناشکری میں پڑا ہوا ہے۔

حل لغات: یَتَلَجْلَجُوْنَ: [تلجلج في الكلام تردد] **جمع مذکر غائب مضارع بمعنی تتلانا۔**

تشـریح: مطلب واضح ہے کہ ان مخالفین کا یہ حال ہے کہ یہ صحیح طریقے سے کلمہ شہادت بھی نہیں پڑھ سکتے ، اس میں ان کی زبانیں تتلا رہی ہیں، ان کو ایمان کی یقینی کیفیت حاصل نہیں ہے، ان کے قلب کفر اور ناشکری کے درمیان ہیں۔

﴿٨٨﴾

ظَلُّوْا وَبَـاتُـوْا يَذْكُـرُوْنَ كَبِيْـرَهُمْ	مُـطْـرِيْـنَ لَعَّـابِيْـنَ بِـالْأَيْـمَـانِ

یہ گمراہ لوگ رات دن اپنے بڑے کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور بہت زیادہ قسمیں کھا کھا کر اس کی مدح سرائی میں مبالغہ کرتے ہیں۔

حـل لغات: مُـطْرِيْنَ: [مبـالـغيـن في المدح] مُطْرٍ کی جمع از إِطْرَاءٌ حد سے زیادہ تعریف کرنا۔ لَـعَّابِيْنَ: [سخت بازندگاں] لَـعَّابٌ اسم مبالغہ کی جمع بمعنی بڑا کھلاڑی۔ أَيْـمَان: [سوگندہا] يَمِيْنٌ کی جمع بمعنی قسم۔

تشریح: ’كبيرهم ‘ (ان کا بڑا) سے مراد وہابیہ کے امام و پیشوا شاہ اسماعیل دہلوی ہیں۔ اس لفظ ’كبيرهم ‘ کی معنویت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرمان ’بـل فعله كبيرهم هذا ‘ (الانبیاء: آیت ٦٣) کے تناظر میں دیکھیں تو شعر کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔

یہ قطعہ بند شعر ہے۔ باقی تشریح اگلے شعر میں ملاحظہ فرمائیں۔

﴿٨٩﴾

وَ إِذَا ذَكَـرْتَ نَبِيَّـنَـا فَـإِذَا هُمْ	جَـعَـلُـوْا أَصَـابِعَهُـمْ وَكَـالْاٰذَانِ

اور جب تو ان کے سامنے ہمارے نبی کریم ﷺ کا تذکرہ کرے تو ناگاہ یہ لوگ اپنی انگلیوں کو کانوں کی ڈانٹ بنا لیتے ہیں۔

حل لغات: وَكَاءٌ: ڈاٹ۔

تشـریح: گذشتہ شعر کو ملا کر اب مفہوم ملاحظہ فرمائیں کہ ان کا حال یہ ہے کہ جب اپنے پیشوا اور قائد اسماعیل دہلوی کا تذکرہ کریں گے تو اس کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیں گے، اس کے علم و فضل اور بلندئ درجات کی قسمیں کھائیں گے۔ مگر جب ان کے سامنے ہمارے آقا و مولیٰ سرور کائنات ﷺ کا ذکر مبارک کیا جائے تو یہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس

لیتے ہیں کہ کہیں حضور رسالت مآب ﷺ کے فضائل ومناقب ہمارے کانوں میں نہ پہنچ جائیں۔ یہ محض شاعرانہ مبالغہ آرائی نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے، حضرت فاضل بریلوی نے تو یہ بات آج سے ۱۳۴ر سال قبل فرمائی تھی مگر آج بھی مزاج و مذاق یہی ہے۔ خود شاہ اسماعیل دہلوی تقویت الایمان میں ذکر رسالت مآب کے متعلق لکھتے ہیں کہ ’’انسانوں جیسی تعریف کرو‘‘، مگر جب ’صراط مستقیم‘ میں اپنے پیرومرشد سید احمد رائے بریلوی کی تعریف وتوصیف کرنے پر آئے تو ان کو عام انسان کے مرتبے سے اٹھا کر مافوق الفطرت ہستی کے مقام پر فائز کردیا۔ العیاذ باللہ

مصرع ثانی میں قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ قوم نوح کے کافروں کے بارے میں قرآن کریم میں وارد ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام ان کو حق کی دعوت دیتے تو کفار اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے تاکہ حضرت نوح علیہ السلام کی آواز ان کے کانوں تک نہ پہنچے۔ اس کیفیت کو قرآن کریم نے اس طرح تعبیر فرمایا ہے:

جعلوا أصابعهم في آذانهم (سورہ نوح: آیت ۷)

انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں۔

﴿۹۰﴾

مَا عِنْدَهُمْ شَوْبٌ وَلا رَوْبٌ وَلا
خَبَرٌ وَلا أَثَرٌ مِنَ الْإِيْمَانِ

ان کے پاس نہ ایمان کی مٹھاس ہے نہ اس کا مغز ہے نہ کوئی خبر واثر ہے۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔ ’شوب‘ شہد کو کہتے ہیں اور ’روب‘ جمے ہوئے دودھ کو کہتے ہیں، محاورہ ہے ما عنده شوب ولا روب (لسان العرب: مادہ ش و ب) یعنی نہ اس کے پاس شہد ہے نہ دہی۔ اس محاورے سے کسی بھی معاملے میں نفی مطلق مراد ہوتی ہے یعنی بالکل تہی دست ہے کچھ بھی نہیں ہے۔ حاشیہ میں فرماتے ہیں:

شوب شوربا روب شیر ویراد به النفی المطلق۔

﴿۹۱﴾

قُمْ يَارَضَا لا تَغْشَ أَهْلَ غِشَاوَةٍ
ذَرْهُمْ وَمَاهُمْ فِيْهِ مِنْ خِذْلَانِ

اے رضا! اٹھ ان گمراہوں کے ساتھ مت بیٹھ جن (کے کان اور آنکھوں) پر پردے پڑے ہوئے ہیں، ان کو ان کی ذلت ورسوائی میں چھوڑ دے۔

حل لغات: لا تَغش :[لا تُخَالِطْهُمْ] نہی حاضر معروف از غَشِيَ يَغْشَى غَشَيَا نًا کسی کے پاس آنا۔ غِشَاوَةٌ: [غِطَاءٌ] پردہ، ڈھکن ۔ذَرْ: اسم فعل بمعنی چھوڑ دے۔ خِذْلَان: ذلت و رسوائی۔

تشریح: یہاں سے پھر ایک مسلسل مضمون شروع ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے رضا! تم کہاں ان گمراہوں کا ذکر کرنے لگے، ان کا حال تو یہ ہے کہ ان کی سماعت و بصارت پر پردے پڑے ہوئے ہیں، یہ نہ حق دیکھ سکتے ہیں نہ حق سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تم ان کے ساتھ مت بیٹھو بلکہ ان کو ان کے ذلت و رسوائی والے حال پر چھوڑ دو۔

اهل غشاوة ایک آیت کریمہ سے استفادہ ہے، اللہ تعالیٰ کافروں اور گمراہوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

> اَفَرَءَ يْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهٖ غِشٰوَة (الجاثیۃ: آیت ۲۳)
>
> ترجمہ: کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہے اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہی میں چھوڑ دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔

ایک اور مقام پر وعلى أبصارهم غشٰوة بھی آیا ہے، اسی وجہ سے کافروں اور گمراہوں کو أهل غشاوة سے تعبیر کیا ہے۔

﴿۹۲﴾

اِشْغَلْ بِنَفْسِکَ أَنْتَ أَجْنَى مَنْ جَنَى	كَمْ مِنْ مَعَابِ هَنٍ وَنُصْحِ فُلَانٍ

تو اپنے آپ کو دیکھ، تو خود بڑا مجرم ہے۔ کتنا بدکاروں کے عیب بیان کرے گا اور کتنا دوسروں کو نصیحت کرے گا۔

حل لغات: اشْغَلْ بِنَفْسِكَ : اپنے آپ کو دیکھو۔ أَجْنَى: [الجناية الجرم] اسم تفضیل از جنى جناية جرم کرنا۔ معاب: [مصدر میمی بمعنی العیب]۔ هن [یکنی به عن کل مستهجن] نُصْح: خیرخواہی۔

تشریح: مطلب واضح ہے، بطور تواضع اور کسر نفسی یہ فرمارہے ہیں۔ شعر کا مضمون اگلے شعر میں مکمل ہوگا۔

۹۳

تُبْ یَا أَثِیْمُ فَقَدْ أَظَلَّ زَمَانَةٌ
یُمْحَی بِهَاجَمٌّ مِنَ الْعِصْیَانِ

اے گناہگار! توبہ کرلے (کیونکہ) وہ وقت قریب آ گیا ہے جس میں کثیر گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے۔

حل لغات: تُبْ: امر حاضر معروف از تَابَ یَتُوْبُ توبہ کرنا۔ أَثِیْمٌ: گنہگار۔ أَظَلَّ: [قَارَبَ] قریب آ گیا۔ یُمْحَی: مضارع مجہول از محا یمحو محواً مٹانا۔ جَمٌّ [کثیر]۔

تشریح: یہ قصیدہ حضور سیف اللہ المسلول کے عرس مبارک کے موقع پر پیش کیا گیا تھا اس لیے غالب گمان یہی ہے کہ شعر میں جس زمانے کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ عرس میں فاتحہ قل کا وقت ہے، جس میں صاحب عرس کا خصوصی فیضان ہوتا ہے اور رحمت الٰہی متوجہ ہوتی ہے۔

اصل نسخے میں واضح طور پر مصرع اولیٰ میں زَمَانَةٌ لکھا ہے، ہم نے بھی وہی درج کر کے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ اس پر شبہ ہو سکتا ہے کہ جب زَمَانَةٌ مؤنث ہے تو فعل أَظَلَّ کیوں آیا أَظَلَّتْ آنا چاہیے تھا۔ ڈاکٹر رشید عبیدی نے غالباً اسی شبہ سے بچنے کے لیے اس کو زَمَانُهُ لکھا ہے۔ اس صورت میں بها کی ضمیر ھا کا مرجع تُبْ فعل امر کا مصدر توبة قرار پائے گا، مطلب ہو گا کہ توبہ کے ذریعے کثیر گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے۔

۹۴

ثِقْ بِالرَّسُوْلِ الْمُسْتَعَانِ وَفَضْلِهٖ
وَائْتِ الْمَزَارَ الْبَاهِرَ السُّلْطَانِ

تو رسول مستعان اور ان کے فضل پر اعتماد و بھروسہ رکھ اور اُس مزار مقدس کے پاس حاضر ہو جو غالب حجت والا ہے۔

حل لغات: الْمُسْتَعَان: مددگار۔ بَاهِر: واضح، ظاہر۔

تشریح: قصیدے کا اہم رکن دعا ہے، لہٰذا اب دعا کی طرف آتے ہیں۔ شاعر نے اپنے گناہ کا اقرار کر لیا اور یہ بھی بتا دیا کہ اب وہ وقت قریب ہے جس میں گناہ معاف ہوتے ہیں، اب وہ مقام بتا رہے ہیں کہ کہاں آ کر دعا کرو۔ فرماتے ہیں اللہ کے رسول کے فضل پر بھروسہ رکھو، رسول بھی وہ کہ جن سے مدد طلب کی جاتی ہے اور فضل رسول پر بھروسہ کر کے ممدوح حضور سیف اللہ المسلول کے مزار مبارک کے پاس آؤ، یہ مزار وہ ہے کہ جس میں آرام فرمانے والی ہستی غالب اور حجت والی

ہے۔ الباهر السلطان مزار کی صفت واقع ہے لیکن مجازاً صاحبِ مزار کی صفت ہے۔

﴾٩٥﴿

رَغْمًا لِأَنْفِ الْاٰنِفِ الْمُسْتَنكِفِ الْـ
مَحْرُوْمِ عَنْ بَرَكَاتِ ذَالْإِ تْيَانِ

اس حاضری کی برکتوں سے محروم متکبر و مغرور کی ذلت و رسوائی کے باوجود/ اُس کی ناپسندیدگی کے باوجود/ اس کی ذلت ورسوائی کے لیے (تو مزار مبارک پر آ)۔

حل لغات: رَغْمًا لأَنْفِ فُلان... : یہ ایک محاورہ ہے بمعنی اس کی ناپسندیدگی کے باوجود ہم وہ کام کریں گے جس سے وہ ہمیں منع کر رہا ہے، یا اس کو ذلیل و رسوا کر کے ہم وہ کام کریں گے۔ آنِف: [متکبر]۔

تشریح: جب مزار پر حاضر ہونے کی دعوت دی تو معاً خیال آیا کہ کچھ لوگ وہ ہیں جو مزارات کی حاضری اور وہاں آکر صاحب مزار کے وسیلے سے اللہ رب العزت سے دعا کرنے کو منع کرتے ہیں یا ناپسند کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے رضاؔ! تو ممدوح کے مزار باہر سلطان پر حاضر ہو جو لوگ اس حاضری کو پسند نہیں کرتے اور اس کی برکات سے محروم ہیں ان کی پرواہ مت کرو تو ان کی ناپسندیدگی، ان کے منع کرنے اور ان کے روکنے کے باوجود مزار پر حاضر ہو کر دعا کرو۔

﴾٩٦﴿

وَارْفَعْ نِدَاکَ بِیَا مُعِیْنَ الْحَقِّ یَا
زَیْنَ الزَّمَانِ وَ بَهْجَةَ الْبُلْدَانِ

(مزار پر آکر) ندا بلند کر کہ اے معین الحق! اے زمانے کی زینت! اے شہروں کی خوبصورتی!

حل لغات: زَیْنٌ: زینت۔ بَهْجَةٌ: رونق، بہار۔ بُلْدَان: بلد کی جمع بمعنی شہر۔

تشریح: اب مزار پر حاضر ہو کر ندا کر رہے ہیں۔ شعر کا مطلب واضح ہے۔ 'معین الحق' حضرت ممدوح سیف اللہ المسلول کا لقب ہے۔

﴾٩٧﴿

یَا عَیْنَ سِرِّ الْحَقِّ فِيْ أَسْرَارِهِ
یَا سِرَّ عَیْنِ الْحَقِّ فِي الْإِعْلَانِ

(اور پکار) اے اپنے باطن میں حق تعالیٰ کے عین راز! اے ظاہر میں عین الحق کے راز!

حل لغات: أَسْرَار: سِرٌّ کی جمع بمعنی پوشیدگی، باطن۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔ گذشتہ شعر میں جو ’وارفع نداك‘ ہے یہ تمام منادی اسی سے متعلق ہیں۔ عین الحق ممدوح کے والد گرامی حضرت شاہ عبدالمجید قادری بدایونی کا لقب ہے، آپ کو یہ لقب آپ کے پیر و مرشد شمس مارہرہ حضور آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ نے عطا فرمایا تھا۔ عربی کا مقولہ ہے ’الولد سر ابیه‘ یعنی بیٹا باپ کا راز ہوتا ہے، غالبًا دوسرے مصرع میں اسی طرف اشارہ ہے۔

عین سر الحق اور سر عین الحق میں جو تقابل اور اسرار و اعلان کے درمیان جو طباق ہے اس کا لطف اہل ذوق سے پوشیدہ نہیں۔

﴾۹۸﴿

یَا رَوْحُ یَا رَیْحَانُ یَا رُوْحَ الصَّفَا
یَا غَیْظَ أَهْلِ الزَّیْغِ وَالْخُسْرَانِ

اے (میرا) سکون و آسائش! اے پھول! اے صفا و پاکیزگی کی روح! اے وہ ذات جو گمراہ اور خسارہ پانے والوں کے لیے غیظ و غضب ہے۔

حل لغات: رَوْحٌ: [آسائش]۔ رَیْحَان: [پھول]۔ غَیْظٌ: غصہ، غضب۔ زَیْغٌ: حق سے انحراف، کجی۔ خُسْرَان: مصدر بمعنی نقصان اٹھانا۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔

﴾۹۹﴿

یَا فَضْلَ مَنْ فَضُلَتْ بِنِسْبَتِهِ الْعُلَی
یَا عَبْدَ مَنْ هُوَ سَیِّدُالْإِمْکَانِ

اے اُس ذات کے فضل جس کی نسبت سے بلندیوں نے فضیلت پائی، اے اُس ذات اطہر کے خادم و غلام جو عالم امکان کا سردار ہے۔

حل لغات: فَضُلَتْ: ماضی واحد مؤنث غائب از فَضُلَ فَضْلاً بمعنی صاحب فضیلت ہونا۔

تشریح: اس سے حضور رسالت مآب ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے۔ حضور سیف اللہ المسلول اسی ذات گرامی کا فضل ہیں اور اسی کے خادم و مطیع ہیں۔

﴾۱۰۰﴿

جِئْنَاکَ نَرْجُوْ مِنْکَ فَضْلًا أَنْ حَبَا
فَضْلُ الرَّسُوْلِ لَکَ الْعُلُوَّ الدَّانِيْ

ہم آپ کے پاس آپ کے فضل وکرم کی امید میں آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے فضل نے آپ کو بلندیِ قرب بخشی ہے۔

حل لغات: حَبَا: [وَهَبَ] ماضی واحد مذکر غائب از حَبَا حَبْوًا ۔ بغیر کسی بدلے کے کسی کو دینا۔ العُلُوّ: بلندی۔ الدَانِي: [نزدیکی]۔

تشریح: ممدوح کے مزار پر حاضر ہوئے، ان کو مختلف صفات کے ذریعے ندا دی، اب اپنی حاضری کا مقصد بیان کر رہے ہیں۔ شعر کا مطلب واضح ہے۔

﴿۱۰۱﴾

عَظُمَ الْعُلُوُّ فَأَنْتَ فِرْدَوْسُ الْمُنَى	كَرُمَ الدُّنُوُّ فَأَنْتَ قِطْفٌ دَانِ

بلندی عظمت والی ہوگئی (کیونکہ) آپ امیدوں کی جنت ہیں۔ قربت بزرگی والی ہوگئی اس لیے کہ آپ تیار شدہ پھل ہیں۔

حل لغات: فِرْدَوْس: جنت۔ مُنَى: مُنْيَةٌ کی جمع بمعنی امید، تمنا۔ الدُّنُو: قربت۔ قِطْف: [خوشۂ انگور]۔

﴿۱۰۲﴾

أَجِدِ الْعِنَايَةَ لَايَقِلُّ جُدُوْدُنَا	أَعِدِ الْإِعَانَةَ لَايَقُلْ لَکَ وَانِ

زبردست عنایت فرمائیں، ہمارے نصیب کم نہیں ہیں۔ ایک بار پھر مدد فرمائیے، کوئی زمانے کا مارا آپ سے یہ نہ کہے کہ......

حل لغات: أَجِدْ: [نیکوکن] امر حاضر معروف از جَدَا جَدْوًا بمعنی عطا کرنا۔ عِنَايَةٌ: مصدر حفاظت کرنا۔ جُدُوْد: [بخت] جد کی جمع بمعنی نصیبہ۔ اِعَانَةٌ: مدد۔ وَان: [عاجز، درمانده]۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔ لا یقل کا مقولہ اگلے شعر میں آرہا ہے۔

﴿۱۰۳﴾

أَنْ قَدْ أَعَنْتَ وَمَا عَنَيْتَ مُعَيَّنٌ	فَلِأَيِّ مَعْنًى ذَا الْمُعَانُ مُعَانِ

(کوئی زمانے کا مارا آپ سے یہ نہ کہے کہ) آپ نے تو مدد فرمادی اور آپ نے جو قصد کیا وہ بھی معلوم ہے پھر کس وجہ سے یہ امداد یافتہ رنج ومشقت میں ہے۔

حل لغات: أَعَنْتَ: ماضی واحد مذکر حاضر از اِفعال تو نے اعانت کی۔ عَنَيْتَ: [أَرَدتَّ] ماضی

واحد مذکر حاضر تو نے قصد کیا، ارادہ کیا۔ مُعَيَّن: [مَعْلُوْمٌ وَهُوَ نَجَاتُنَا مِنَ الْعَنَاءِ] **مخصوص**، معلوم، متعین۔ مُعَان: [مدد کردہ شد] اسم مفعول مدد یافتہ۔ مُعَاني: [رنج کش] اسم فاعل، مشقت برداشت کرنے والا، رنج اٹھانے والا۔

تشریح: یعنی کوئی آپ سے یہ نہ کہے کہ آپ نے امداد فرمادی تھی اور آپ نے جو قصد کیا تھا وہ بھی معلوم ہے کہ آپ نے رنج و مشقت سے ہماری نجات کا قصد کیا تھا پھر آخر آپ کا مدد کیا ہوا شخص رنج و مصیبت میں گرفتار کیوں ہے؟۔

مصرع اول میں واقع 'مُعَيّن' کی وضاحت فرماتے ہیں: معلوم وھو نجاتنا من العناء۔

﴿١٠٤﴾

إِنْ كَانَ لِلْأَضْيَافِ نُزْلٌ عِنْدَكُمْ	فَقِرَايَ ثَأْرِيْ مِنْ أُولِيْ عُدْوَانِ

اگر آپ کی بارگاہ میں مہمانوں کی ضیافت کا اہتمام ہوتا ہے تو میری مہمانی و ضیافت دشمنوں سے میرا انتقام ہے۔

حل لغات: أَضْيَاف: ضیف کی جمع بمعنی مہمان۔ نُزُلٌ: کھانا جو مہمانوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ قِرَى [مہمانی]: میزبانی کرنا۔ ثَأْرٌ: [انتقام] خون کا بدلا۔

تشریح: کریموں کا طریقہ ہے کہ ان کے یہاں مہمانوں کی اعلیٰ مہمان نوازی اور ضیافت کی جاتی ہے، اگر آپ کا بھی یہی طریقہ اور یقیناً ہے تو آپ میری مہمان نوازی فرمائیں۔ مگر مجھے مہمان نوازی کے طور پر اور کچھ نہیں چاہیے بلکہ آپ میری مہمان نوازی اس طور پر کریں کہ آپ میرے دشمنوں سے اس ظلم و ستم کا انتقام لے لیں جو انہوں نے میرے ساتھ روا رکھا ہے، بس یہی میری تواضع و ضیافت کے لیے کافی ہے۔

پہلے مصرع میں شرط ہے دوسرے میں جزا، یعنی اگر ایسا ہے تو ایسا کیجیے۔ اس پر بین السطور میں بڑا لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

تحقيق في صورة التعليق وهو أبلغ وأوجب للجزا

یعنی پہلے مصرع میں تعلیق کی صورت میں تحقیق ہے جو جزا کے لیے زیادہ بلیغ اور زیادہ نافذ کرنے والی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو پہلے مصرع میں ہم نے کہا ہے کہ "اگر آپ کے یہاں مہمان نوازی ہوتی ہے" یہ اگرچہ صورتاً شرط اور تعلیق ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ یقیناً آپ کی بارگاہ میں

مہمانوں کی تواضع وضیافت ہوتی ہے۔ جب یہ بات ایک حقیقت واقعہ ہے تو پھر جزا (یعنی میری ضیافت دشمنوں سے انتقام کے ذریعے فرمائیں) اور بھی مؤکد ہوگئی یعنی آپ ضرور بالضرور میری ضیافت میرے حسب دلخواہ فرمائیے۔

﴿۱۰۵﴾

أَرْجُو الشَّفَاعَةَ مِنْکَ عِنْدَ أَبِیْکَ إِذْ	بَابُ الْعِنَایَةِ لا یُسَدُّ لِعَانِ

مَیں آپ کے والد بزرگوار کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کی امید رکھتا ہوں کیونکہ عنایت وبخشش کا دروازہ کسی رنج وتکلیف کے اسیر کے واسطے بند نہیں کیا جاتا ہے۔

حل لغات: یُسَدَّ: مضارع مجہول از سَدَّ سَدًّا بمعنی بند کرنا۔ عَان: [اسیر ورنج کش]۔

تشریح: حضور سیف اللہ المسلول کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرنے کے بعد اب ان کے والد محترم حضور شاہ عین الحق مولانا عبد المجید قادری قدس سرہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ مگر اس حاضری کے لیے پہلے حضور سیف اللہ المسلول کی ذات سے طلب شفاعت فرما رہے ہیں کہ اے ممدوح حضور سیف اللہ المسلول! مَیں استغاثے کے لیے آپ کے والد گرامی کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں لہٰذا آپ اپنے والد گرامی کی بارگاہ میں میری سفارش فرما دیں۔

حضور شاہ عین الحق عبد المجید قادری قدس سرہٗ اپنے زمانے کے اجلہ اولیا میں ہیں۔ ۲۹/ رمضان المبارک ۱۱۷۷ھ میں ولادت ہوئی، بحر العلوم ملا محمد علی عثمانی بدایونی اور مولانا ذوالفقار علی دیوی سے علوم ظاہر کی تکمیل کے بعد حضور غوث اعظم محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشارۂ باطنی پر قطب زماں شمس مارہرہ حضور آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ کم وبیش ۳۰/ برس تک شب وروز اپنے شیخ کی خدمت میں رہے، جس کے صلے میں شیخ کی بارگاہ سے ’افضل العبید‘ کا خطاب ملا۔ سلوک کی تکمیل کے بعد حضور شمس مارہرہ نے اجازت وخلافت سے نوازا اور ’شاہ عین الحق‘ کے لقب سے ملقب فرمایا۔ آثار احمدی میں ہے:

> اکثر جناب عالی می فرمود کہ مولوی عبد المجید بمقام ھل من مزید است وہمچو او طالبے صادق ویار موافق نیست
>
> ترجمہ: شمس مارہرہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ”مولوی عبد المجید مقام ھل من مزید پر ہیں اور ان جیسا کوئی دوسرا طالب صادق اور یار موافق نہیں“۔

حضور شمس مارہرہ کا یہ فرمان بھی مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا:

> درویش باید کہ ظاہرش چوں ابی حنیفہ باشد و باطنش چوں منصور و ایں معنی بجز مولوی عبد المجید در دیگرے ندیدہ ام۔
>
> ترجمہ: درویش کو چاہیے کہ اس کا ظاہر امام ابوحنیفہ کی طرح ہو اور باطن حضرت منصور کی طرح اور یہ بات مَیں نے سوائے مولوی عبد المجید کے کسی دوسرے میں نہیں دیکھی۔

حضور شمس مارہرہ کے حکم سے سیرت النبی پر اردو میں ضخیم کتاب 'محافل الانوار' اور حضور غوث اعظم کے ملفوظات عالیہ کی فارسی میں شرح بنام 'مواہب المنان شرح جواہر الرحمٰن' تصنیف فرمائی۔ اس کے علاوہ وہابیت کے آغاز کے زمانے میں جب لوگ وہابیت ونجدیت کے نام سے واقف بھی نہیں تھے شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب 'تقویت الایمان' کے رد میں رسالہ 'ہدایت الاسلام' تصنیف فرمایا۔

آپ کے تلامذہ میں حضور خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی مارہروی اور مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی کانپوری اور خلفا میں شہزادۂ خاتم الاکابر حضرت سید شاہ ظہور حسن مارہروی (والد ماجد حضور سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب) شہزادۂ خاتم الاکابر حضرت سید شاہ ظہور حسین مارہروی اور حضرت مولانا شاہ شرف الدین شہید دہلوی قابل ذکر ہیں۔☆

حضور سیف اللہ المسلول آپ کے فرزند ارجمند، علمی وروحانی وارث اور آپ کے وصال کے بعد آپ کے سجادہ نشین ہوئے۔

۱۷ محرم الحرام بروز سہ شنبہ بوقت فجر ۱۲۶۳ھ/ جنوری ۱۸۴۷ء میں وصال فرمایا۔ درگاہ قادری بدایوں شریف میں مزار ہے جو مرجع خلائق ہے۔

﴿۱۰۶﴾

فَحَیَا الْحَیَاءِ مُبَسِّمُ زُھَرَ الْغِنَی
أَنَا مُلْتَجٍ وَالْمُلْتَجَی عُثْمَانِيْ

شرم وحیا کی بارش غنا وبخشش کے شگوفوں کو متبسم کرنے والی ہے، مَیں التجا وآرزو کرنے والا

☆تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے:

الف: اکمل التاریخ: مولانا ضیاء القادری، از ص ۹۵ تا ص ۱۳۶، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ۲۰۱۳ء۔

ب: اکابر بدایوں: مولانا احمد حسین قادری، از ص ۱۰/ تا ص ۱۷، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ۲۰۱۳ء۔

ہوں اور جس سے التجا کی جارہی ہے وہ عثمانی ہے۔

حل لغات: حَيَا: [باراں] بارش۔ الحَيَاءُ: شرم۔ مُبَسِّمٌ: اسم فاعل (از تفعیل) ہنسانا۔ مُلْتَجٍ: اسم فاعل از التجأ یلتجأ بمعنی پناہ لینا، سہارا لینا۔ مُلْتَجَی: اسم مفعول جس کا سہارا لیا جائے۔

تشریح: جب شگوفوں پر بارش یا شبنم پڑتی ہے تو وہ تر و تازہ ہو جاتے ہیں، کِھل اٹھتے ہیں اسی کو شگوفوں کے تبسم سے تعبیر فرمایا ہے۔ پہلے مصرع میں لفظ حیا اور غنی وارد ہیں، یہ دونوں ذوالنورین امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معروف صفتیں ہیں، دوسرے مصرع میں فرماتے ہیں کہ مَیں جس سے التجا کر رہا ہوں وہ عثمانی ہے۔ ایک عثمانی سے التجا کرتے وقت حضرت عثمان کی دو معروف صفتوں کے ذکر نے شعر میں لطافت پیدا کر دی ہے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بین السطور میں فرماتے ہیں:

ولا يخفى ما في ذكر الحياء والغنى من اللطف

حیا اور غنی کے ذکر میں جو لطف ہے وہ پوشیدہ نہیں۔

﴿۱۰۷﴾

فَإِذَا رَأَيْتَ إِجَابَةً فَانْهَضْ إِلَى	قَبْرِ الْمَجِيْدِ الْأَمْجَدِ الرُّوْحَانِيْ

(خود کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ) اگر تم دعا کی قبولیت دیکھنا چاہتے ہو تو عظمت و بزرگی والے کی روحانی قبر کے پاس آؤ۔

حل لغات: اِجَابَةٌ: قبولیت۔ انهض: [قُمْ] کھڑے ہو جاؤ۔

تشریح: 'قبر المجید' سے مراد حضور شاہ عین الحق عبد المجید قدس سرہٗ کا مزار پر انوار ہے۔ جن لوگوں کو درگاہ قادری (بدایوں شریف) میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہ جانتے ہیں درگاہ شریف دو حصوں میں ہے، ایک حصہ چھوٹی درگاہ کہلاتا ہے، اس حصے میں حضور سیف اللہ المسلول اور حضور تاج الفحول وغیرہ کے مزارات ہیں۔ دوسرا حصہ بڑی درگاہ کہلاتا ہے جس میں حضور شاہ عین الحق عبد المجید قدس سرہٗ کا مزار مبارک ہے۔

فرماتے ہیں کہ دعا کی قبولیت دیکھنے کے لیے اب بڑی درگاہ میں حضرت شاہ عین الحق کے مزار پُر انوار پر آؤ۔

﴿۱۰۸﴾

وَهُنَـاکَ فَاسْتَفْرِغْ بِجُهْدِکَ لِلدُّعَا   إِنَّ الْـمَـقَـامَ مَقَـامُ الِاسْتِيْـمَـانِ

اور وہاں دعا کے لیے تمام تر کوشش کے ساتھ مستعد ہو جا، بے شک وہ مقام امن و سلامتی طلب کرنے کا مقام ہے۔

حل لغات: اسْتَفْرِغْ : [خالی شوأي انقطع لذلك] امر حاضر معروف از استفراغ بمعنی طاقت صرف کرنا، خالی کرنا۔ جُهْدٌ: کوشش۔ اسْتِيْمَان: امان طلب کرنا۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔ مصرع ثانی میں واقع الاسْتِيْمَان کا ترجمہ ہم نے 'امن و سلامتی طلب کرنا' کیا ہے۔ الاسْتِيْمَان کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ 'آمین کہنے کی درخواست کرنا'، پہلے مصرع میں لفظ دعا ہے اس کی مناسبت سے الاسْتِيْمَان کا یہ معنی بھی بعید نہیں۔ اب ترجمہ یہ ہوگا کہ 'وہاں دعا کے لیے تمام تر کوشش کے ساتھ مستعد ہو جا، بے شک وہ مقام آمین کہنے کی درخواست کا مقام ہے'۔ یعنی تم حضور قلب کے ساتھ اللہ سے دعا کرو اور وہ یعنی صاحب مزار آمین کہہ دیں۔

﴿۱۰۹﴾

أَخْضِلْ ثَـرَاهُ بِعَبْرَةٍ هَطَّالَةٍ   أَفَـمَـا تَـرَى طَلًّا عَلَـى رَيْحَـانِ

مزار مبارک کی مٹی کو مسلسل بہنے والے آنسوؤں سے تر کر دے۔ کیا تو پھول پر شبنم نہیں دیکھتا ہے؟۔

حل لغات: أَخْضِلْ: [سیراب کن] امر حاضر معروف بمعنی سیراب کر۔ ثَرَى: [مزار] غمناک مٹی، یہاں مزار کی مٹی مراد ہے۔ عَبْـرَة: [اشک] هَـطَّـالَةٌ : [سخت ریزاں] زور سے بڑی بوندوں کے ساتھ برسنے والی بارش۔ طَلٌّ: [شبنم]۔ رَيْحَان [گل]۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ حضور شاہ عین الحق کے مزار پر حاضر ہو کر ایسی مسلسل گریہ وزاری کر کہ ان کی خاک مزار آنسوؤں سے تر ہو جائے۔ جس طرح پھول پر جب شبنم پڑتی ہے تو اس کی تر و تازگی دوبالا ہو جاتی ہے اسی طرح مسلسل گریہ وزاری سے صاحب مزار کا فیضان دوبالا ہو جائے گا۔

﴿۱۱۰﴾

هٰـذَا الَّـذِيْ يَـدْعُوْکَ يَا عَيْنَ الْعَطَا   مِـنْ ضَيْـفِـکُـمْ وَالضَّيْفُ غَيْرُ مُهَانِ

اے سراپا جود و عطا! یہ جو آپ کو پکار رہا ہے آپ کا مہمان ہے اور مہمان کو رسوا نہیں کیا جاتا۔

حل لغات: مُهَان: [خوار داشتہ شدہ] اسم مفعول، رسوا کیا ہوا۔

تشریح: اب حضور شاہ عین الحق کے مزار پر حاضر ہیں اور ان سے استغاثہ کر رہے ہیں، عرض کرتے ہیں کہ اے حضور شاہ عین الحق! اے جود وسخا کی کان! مَیں آپ کا مہمان ہوں اور کریموں کا طریقہ ہے کہ ان کا مہمان نامراد اور خالی ہاتھ نہیں رہتا۔

﴿۱۱۱﴾

كُنْ عِنْدَ شِدَّتِهِ الشَّهِيْدَ وَ دَارِهٖ	يَا ابْنَ الشَّهِيْدِ بِدَارِهٖ عُثْمَانٖ

سختی ومشقت کے وقت آپ موجود ہوں اور اس کی (یعنی میری) خاطر داری فرمائیں۔
اے اس ذات کے فرزند ارجمند جن کو ان کے گھر میں شہید کر دیا گیا یعنی حضرت عثمان۔

حل لغات: شَهِيْدٌ: [حاضر]۔ دَارِ: امر حاضر معروف از دَارَاہٗ مُدَارَاۃٌ بمعنی خاطر داری کرنا۔

تشریح: عرض کرتے ہیں کہ اے حضور شاہ عین الحق جب مجھ پر سختی اور مشقت کی گھڑی آئے تو آپ میرے پاس موجود ہوں اور میری دستگیری فرمائیں۔

لفظ الشهيد پہلے مصرع میں بھی ہے اور دوسرے میں بھی، لیکن پہلے مصرع میں حاضر کے معنی میں ہے اور دوسرے میں مقتول کے معنی میں۔ اسی طرح لفظ دارہٖ دونوں مصرعوں میں ہے، مگر پہلے مصرع میں دار فعل امر ہے جس کے ساتھ ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول ہے، جو گذشتہ شعر میں واقع هذا الذي يا ضيفكم کی جانب راجع ہے، دوسرے مصرع میں دار بمعنی گھر ہے اور اس کے ساتھ ضمیر مجرور مضاف الیہ ہے جو الشهيد کی جانب راجع ہے۔ ان دونوں لفظوں یعنی الشهيد اور دارہٖ کی تکرار وتقابل سے شعر میں جو لطافت پیدا ہوئی ہے وہ اہل ذوق سے پوشیدہ نہیں۔

﴿۱۱۲﴾

لا أَسْئَلُ الْأُمَرَاءَ بَلْ إِيَّاکَ إِذْ	لَمْ يُبْنَ بَابُ الْفَضْلِ فِي الْإِيْوَانٖ

مَیں امرا سے طلب نہیں کرتا ہوں بلکہ آپ ہی سے التجا کرتا ہوں کیونکہ فضل وکرم کا باب (امرا کے) ایوانوں میں تعمیر ہی نہیں کیا گیا۔

حل لغات: لَمْ يُبْنَ: مضارع منفی مجہول از بَنَى يَبْنِي بمعنی تعمیر کرنا، بنانا۔ ایوان: محل۔

تشریح: یہ اور اس کے بعد کے دو شعروں میں ایک مسلسل مضمون ہے، شعر کا مطلب واضح ہے۔
گویا......ع

﴿۱۱۳﴾

أَرْجُوْ عَطَائَکَ کَارِهًا لِعَطَائِهِمْ	إِذْ لَيْسَ بَابُ الْمَجْدِ فِي الدِّيْوَانِ

شاہان وقت کے عطیات کو ٹھکراتے ہوئے مَیں آپ کی عطا کی امید کرتا ہوں، اس لیے کہ (شاہان وقت کے) رجسٹروں میں 'باب المجد' ہوتا ہی نہیں۔

تشریح: دیوان سے مراد امیروں اور بادشاہوں کا وہ رجسٹر ہے جس میں عطیات وغیرہ کا اندراج کیا جاتا ہے، یہ رجسٹر گویا ایک کتاب کی مانند ہے۔ کتاب کو مصنف مختلف ابواب میں ترتیب دیتا ہے، مثلاً باب الوضو، باب التیمم وغیرہ۔ بادشاہوں کے عطیات کے رجسٹر میں کچھ بھی ہو لیکن 'باب المجد' نہیں ہوتا، یہ مجد و بزرگی تو اہل اللہ کا خاصہ ہے۔ حاشیے میں شعر کے اس مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> (دیوان یعنی) دفتر کہ در وحساب عطائے سالانہ غزاۃ وطلبہ وغیرہم باشد و معلوم أنه كتاب والباب يناسب الكتاب۔
>
> ترجمہ: دیوان سے مراد وہ رجسٹر ہے جس میں فوجیوں اور طلبہ وغیرہ کے سالانہ وظیفوں کا حساب ہوتا ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ وہ (رجسٹر گویا) ایک کتاب ہے اور لفظ باب کتاب کے مناسب ہے۔

﴿۱۱۴﴾

جَانَبْتُ ظُلْمَتَهُمْ وَجِئْتُ إِلَيْکَ إِذْ	مَا ثَمَّ بَابُ النُّوْرِ فِيْ وِجْدَانِيْ

مَیں امرا کی تاریکی وظلمت سے کنارہ کش ہو کر آپ کی بارگاہ میں آیا ہوں کیونکہ میرا ضمیر و وجدان کہتا ہے کہ وہاں (امرا کے یہاں) 'باب النور' نہیں ہے۔

حل لغات: جَانَبْتُ: [کنارہ کردم] واحد متکلم از جَانَبَ مُجَانَبَةٌ بمعنی گریز کرنا، پہلوتہی کرنا۔
ثَمَّ: [آنجا] وہاں۔

تشریح: بیت کا مطلب واضح ہے۔

﴿۱۱۵﴾

قَدْ كُنْتَ يَا تَيْمَ ابْنِ حَمْزَةَ سَيِّدًا	فَرْداً فَرِيْدًا فَاقِداً لِمُدَانِ

اے ابن حمزہ (یعنی شمس مارہرہ اچھے میاں) کے غلام! آپ سردار، یکتائے روزگار، معاصر ومماثل کو پیچھے چھوڑنے والے ہوگئے۔

حل لغات: تَیْم: [عبد] غلام۔ فَرْدٌ: تنہا، یکتا۔ فَرِیْدٌ: یکتا، تنہا، بے مثل۔ مُدَان: [مماثل] اسم فاعل از دَانَی یُدَانِي۔

تشریح: ابن حمزہ سے شمس مارہرہ حضور آل احمد اچھے میاں ابن اسد العارفین سیدنا شاہ حمزہ عینی مارہروی قدس سرہما کی ذات گرامی مراد ہے۔ چونکہ حضرت شاہ عین الحق عبد المجید قدس سرہٗ حضرت شمس مارہرہ اچھے میاں قدس سرہٗ کے مرید وخادم خاص تھے اس لیے ان کو ’یا تیم ابن حمزۃ‘ (ابن حمزہ کے غلام) کہہ کر خطاب فرمارہے ہیں۔

یہ قطعہ بند شعر ہے، باقی مفہوم اگلے شعر میں ملاحظہ فرمائیں۔

﴿۱۱۶﴾

أَيْ مَا خَلَا رَيْحَانَ اٰلِ مُحَمَّدٍ
ذَاکَ ابْنَ شَيْخِکَ سَيِّدِيْ وَ أَمَانِيْ

سوائے آلِ محمد کے خوشبودار پھول (یعنی حضور خاتم الاکابر) کے، کیونکہ وہ آپ کے شیخ کے فرزند، میرے سردار اور میری جائے پناہ ہیں۔

حل لغات: أي: [یفسر قوله فاقد المدان باستثناء شیخه رضی الله تعالیٰ عنه] ۔ ما خلا: الا کے معنی میں کلمہ استثنا ہے۔ باعتبار فعلیت مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے، جیسا کہ یہاں ریحان منصوب ہے۔

تشریح: ’ریحان آل محمد‘ (یعنی آل محمد کے پھول) سے حضور خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی مارہروی کی ذات گرامی مراد ہے۔ آپ حضور شمس مارہرہ کے بھتیجے، مرید وخلیفہ اور جانشین ہیں۔ حضور شاہ عین الحق کے پیرزادے اور مخدوم زادے ہیں، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مرشد طریقت ہیں۔

اب شعر کا مفہوم ملاحظہ کریں۔ گذشتہ شعر میں حضرت شاہ عین الحق قدس سرہٗ کو مخاطب کرکے کہا تھا کہ آپ سردار، یکتائے روزگار اور مماثل کو پیچھے چھوڑنے والے ہیں۔ اب اس میں استدراک کرتے ہیں کہ آپ یقیناً یکتائے روزگار اور مماثل کو پیچھے چھوڑنے والے ہیں مگر سوائے حضور خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہٗ کے، وہ آپ کے شیخ حضور شمس

مارہرہ کے شہزادے (بھتیجے) اور میرے پیر و مرشد ہیں۔

'ریحان آل محمد' کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، 'آل محمد' کو مرکب اضافی مانیں تو معنی یہ ہوگا 'محمد ﷺ کی آل کے پھول' یہ معنی درست ہے کیوں کہ حضور خاتم الاکابر گلشن اہل بیت کے گل سرسبد ہیں۔ اگر 'آل محمد' کو مفرد مانیں جو کہ حضور خاتم الاکابر کے پردادا حضرت سید شاہ آل محمد مارہروی قدس سرہٗ کا نام نامی ہے تو معنی ہوگا کہ حضور خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل محمد مارہروی قدس سرہٗ کے خانوادے کے ایک مہکتے ہوئے پھول ہیں یہ معنی بھی درست ہے۔ اس کی وضاحت مصنف نے حاشیے میں فرمائی ہے:

> إن شئت أردت المعنى الإضافى فصلى الله تعالى عليه وسلم و إن شئت جعلته علماً فهو أبو جد سيدنا الشيخ رضى الله تعالى عنهم

> ترجمہ: اگر تم چاہو تو اس کا معنی اضافی مراد لو تو حضور اکرم ﷺ کی ذات مراد ہوگی۔ اور اگر تم چاہو تو اس کو علم بنا لو تو وہ ہمارے شیخ کے دادا کے والد ہیں۔

اب آگے کے ۵/ اشعار اپنے پیر و مرشد حضور خاتم الاکابر قدس سرہٗ کی منقبت میں نظم فرمائے ہیں۔

﴿۱۱۷﴾

كَهْفَ الْوَرَى كَنْفَ الْهُدَى كَشْفَ الْبَلا	غَيْثَ النَّدَى لِإِغَاثَةِ الْهَيْفَانِ

(حضرت خاتم الاکابر) مخلوق کی پناہ گاہ، (شاہراہِ) ہدایت کے محافظ، بلاؤں کو دور کرنے والے اور پیاسوں کی فریاد رسی کے لیے عطا و بخشش کی بارش ہیں۔

حل لغات: كَهْفٌ: جمع كُهُوْف بمعنی غار، جائے پناہ۔ الوَرَى: مخلوق۔ كهف الورى: [مأمنهم] كَنْفٌ: [هو الحفظ مصدر أطلق مبالغة] مصدر بمعنی حفاظت کرنا۔ كَشْفٌ: [دفع] مصدر بمعنی ظاہر کرنا، کھولنا، دفع کرنا۔ غَيْثٌ: [باراں] بارش۔ نَدَى: [عطا] شبنم، بخشش۔ اغاثة: مصدر از أَغَاثَ اِغَاثَةٌ بمعنی مدد کرنا۔ هَيْفَان: [تشنہ] سخت پیاسا۔

تشریح: یہ اپنے پیر و مرشد حضور خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہٗ کے مناقب بیان فرما رہے ہیں۔

اس شعر میں جو كهف الورى، كنف الهدى، كشف البلا اور غيث الندى ہیں اور اگلے شعر میں حلال مشكلة اور دفاع معضلة یہ سب شعر ۱۱۶/ میں واقع سيدي و أماني کی

صفت یا بدل ہونے کی بنیاد پر منصوب ہیں۔

﴿۱۱۸﴾

حَلَّالَ مُشْکَلَةٍ تُعِيْ أَهْلَ النُّهَی
دَفَّاعَ مُعْضَلَهٍ عَنِ اللَّهْفَانِ

(حضرت خاتم الاکابر) ان مشکل مسائل کو حل کرنے والے ہیں جو عقل مندوں کو عاجز کر دیتے ہیں۔ کمزوروں سے دشواری وسختی کو دور کرنے والے ہیں۔

حـل لغات: حَلَّال: حالٌّ کا اسم مبالغہ بمعنی بہت زیادہ حل کرنے والا۔ تُعِي: [درماندہ کند] مضارع معروف واحد مؤنث (از افعال) بمعنی وہ عاجز کرتا ہے یا تھکاتا ہے۔ نُهَی: [عقول] نُهْيَةٌ کی جمع بمعنی عقل۔ دَفَّاع: دَافِعٌ کا اسم مبالغہ بمعنی بہت زیادہ دفع کرنے والا۔ مُعْضَلَةٌ: [دشواریٔ سخت] اسم مفعول (از افعال) بمعنی سخت ہونا، مشکل ہونا۔ لَهْفَان: غم زدہ۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔

تُعِي اصل میں تُعْيِيْ دو یا کے ساتھ ہے لیکن تخفیف کے لیے ایک یا کو حذف کر دیا گیا ہے، جیسے یَسْتَحْيِيْ اصل میں دو یا کے ساتھ ہے لیکن کبھی آسانی کی خاطر ایک یا کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے اور یَسْتَحِي پڑھا جاتا ہے۔

﴿۱۱۹﴾

بِأَبِيْ وَأُمِّيْ لا يُقَاسُ بِجُوْدِهِ
مَا لَيْسَ يُدْرَکُ بِالسُّؤَالِ حَبَانِيْ

میرے ماں باپ ان پر قربان، ان کی سخاوت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، انہوں نے مجھے وہ چیز (بغیر طلب کے) بخش دی جو سوال کر کے بھی نہیں پائی جا سکتی۔

حل لغات: بِأَبِي وَأُمِّي: [کلمۂ تفدیہ] میرے ماں باپ ان پر فدا ہوں، یہ کلمۂ تفدیہ کہلاتا ہے جیسا کہ مصنف نے بین السطور میں بھی لکھا ہے۔ يُقَاس: مضارع مجہول از قَاسَ يَقِيْسُ قیاسًا بمعنی اندازہ کرنا۔ جُوْدٌ: سخاوت۔ حَبَانِي: [أعطاني]۔

تشریح: اپنے شیخ کی جود وعطا کا تذکرہ فرما رہے ہیں کہ ان کی سخاوت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، انہوں نے تو مجھے بغیر مانگے ہی وہ سب کچھ عطا فرما دیا جو دوسری جگہ مانگنے سے بھی نہیں ملتا۔

﴿۱۲۰﴾

مَا بِعْتُ نَفْسِيْ مِنْهُ بَلْ هُوَ بِالسَّخَا
وَالْجُوْدِ مِنْ أَيْدِي الْعُنُوْدِ شَرَانِيْ

مَیں نے اپنی جان ان کے ہاتھ فروخت نہیں کی بلکہ انہوں نے جود وسخا کے ذریعے معاندین کے ہاتھوں سے مجھے خرید لیا۔

حل لغات: عُنُوْدٌ: بروزن فعول، عَنِیْدٌ یا عاند کی جمع **بمعنی** سرکش، **مخالف**، ضدی۔
شَرَانِي: اس نے مجھے خرید لیا، **فعل ماضی** واحد مذکر غائب از شَرَی یَشْرِي شِرَاءً **بمعنی** خریدنا۔

تشریح: ایک شخص خود کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس میں اس کی شان بندگی ظاہر ہوتی ہے کہ بڑا سعادت مند غلام ہے۔ لیکن اگر کوئی آقا کسی غلام کو دشمنوں کے نرغے میں دیکھ کر اس پر ترس کھائے اور دشمنوں کو قیمت ادا کر کے غلام کو خرید لے تو اس میں آقا کی شان بندہ پروری ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں یہی کہنا چاہتے ہیں کہ مَیں نے خود کو ان کے ہاتھ پر فروخت نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے اپنی جود وسخا اور شان بندہ پروری کی وجہ سے دشمنوں کے ہاتھوں سے مجھے خرید لیا ہے۔ اس میں آقا کی شان ظاہر ہو رہی ہے اور مقام مدح میں یہی مناسب ہے۔

﴿۱۲۱﴾

یَوْمًا أَحَاطَ بِيَ الْعِدَى وَدَنَا الرَّدَى	إِذْ جَا یَجُرُّ رِدَاءَهٗ فَرَعَانِيْ

اُس دن جس دن دشمنوں نے مجھے گھیر لیا اور ہلاکت قریب ہوگئی تو یکایک وہ اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے آئے اور میری حفاظت فرمائی۔

حل لغات: عِدَی: [دشمناں] عَدُوٌّ کی جمع بمعنی دشمن۔ دَنَا: [نزدیک شد] **فعل ماضی** وہ قریب ہوا۔ رَدَی: [ہلاکت]۔ رَعَانِي: [حَفِظَنِي]: **فعل ماضی** واحد مذکر غائب **مع ضمیر منصوب متصل**۔ از رَعَی یَرْعَی رَعْیًا **معنی** حفاظت کرنا، نگرانی کرنا۔

تشریح: یوماً گذشتہ شعر میں **فعل** شراني کا ظرف ہے، یعنی اس دن خریدا جس دن مَیں دشمنوں کے نرغے میں تھا اور قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتا۔ یا أَحَاطَ کا ظرف مقدم ہے، یعنی جس دن مجھے دشمنوں نے گھیر لیا اُس دن الخ

جاء یجر ردائه (اپنی چادر کھینچتے ہوئے آئے) اس سے مراد یہ ہے کہ بہت جلدی جلدی، تیز تیز چلتے ہوئے آئے۔ بین السطور میں اس معنی کی وضاحت فرماتے ہیں کہ ”کنایة عن کمال الاستعجال“۔

آپ اس منظر کا تصور کریں کہ ایک کمزور و ناتواں شخص کو چند طاقتور ظالم لوگ نرغے میں لیے

ہوئے درپئے آزار ہیں، قریب ہے کہ اپنی سفا کی کی وجہ سے اس کو ہلاک کر دیں۔ ایسے نازک موقع پر جو شخص اس کو بچانے کے لیے آئے گا وہ بہت تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا برق رفتاری سے آئے گا کہ مبادا وہ ستم گر اُس شخص کا کام تمام ہی نہ کر دیں۔ اِس منظر کو ذہن میں رکھ کر اب شعر پڑھیں تو لطف دوبالا ہوگا۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ ’جـــاء‘ سے پہلے ’اذ‘ فجائیہ ہے جو اچانک یا یکا یک کے معنی میں ہے۔ اِس سے شعر کی معنویت میں مزید اضافہ ہو رہا ہے گویا مَیں دشمنوں کے نرغے میں تھا ہلاکت قریب تھی کہ اچانک/ یکا یک وہ تشریف لائے اور دشمنوں کے ہاتھوں سے خرید کر مجھے بچالیا۔

یہاں ’جاء‘ کا ہمزہ ضرورت شعری کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے، لہٰذا اس کو ’جا‘ پڑھا جائے گا۔ بین السطور میں اس کی وضاحت فرماتے ہیں:

> أصله جاء خففت الهمزة وهكذا جاء في حديث
>
> (جـا) اصل میں جـاء ہے، ہمزہ کی تخفیف کر دی گئی اور اسی طرح حدیث میں بھی وارد ہوا ہے۔

اہل عرب اس کو بحذف ہمزہ بھی استعمال کرتے تھے، لسان العرب میں ہے:

> حکی سيبويه عن بعض العرب هو يجيك بحذف الهمزة (لسان العرب: مادہ جیأ)
>
> ترجمہ: سیبویہ نے بعض عرب سے هـــو يـــجيك بھی نقل کیا ہے ہمزے کے حذف کے ساتھ۔

۱۲۲

لا أَعْـدِ لَـنَّ بِـــهٖ وَلٰـكِـنْ أَنْتُـمَـا	بَـحْـرَانِ سَبَّـــاقَـانِ يَـوْ مَ رِهَـانِ

مَیں ان کے برابر ہرگز کسی کو نہیں سمجھتا مگر آپ دونوں حضرات مقابلے کے دن سبقت لے جانے والے شہسوار ہیں۔

حـل لغات: لاأَعْدِلَنَّ: [برابر نہ کنم باوے] مضارع منفی واحد متکلم بانون ثقیلہ از عَدَلَ فُلان بِفُلان بمعنی برابر کرنا۔ بَحْرَان: [جَوَادَان] بَحْرٌ کا تثنیہ بمعنی گھوڑا۔ سَبَّاقَان: سَبَّاق کی تثنیہ بمعنی بہت آگے بڑھنے والا۔ رِهَان: [مسابقت] شرط، بازی۔ یوم رھان: مقابلے کا دن۔

تشـریح: اپنے شیخ کی مدحت کرنے کے بعد پھر حضور شاہ عین الحق قادری اور حضور سیف اللہ

المسلول کی مدح کی جانب آتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مَیں اپنے شیخ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتا۔ پھر لکن سے استدراک کرتے ہیں کہ ہاں مگر آپ دونوں حضرات (یعنی سیف اللہ المسلول اور ان کے والد حضور شاہ عین الحق عبد المجید قادری) مقابلے کے دن سبقت لے جانے والے شہسوار ہیں۔

بَحْرٌ تیز رفتار گھوڑے کو کہتے ہیں، مصنف نے بحران کی وضاحت بین السطور میں جو ادان کے ذریعے فرمائی ہے۔ اپنے ممدوحین کو تیز رفتار سبقت لے جانے والے گھوڑوں سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ اہل عرب میں یہ تشبیہ شائع تھی، لیکن اردو میں مقام مدح میں گھوڑوں سے تشبیہ نہیں دی جاتی، اس لیے ہم نے ترجمے میں گھوڑے کی بجائے لفظ شہسوار استعمال کیا ہے۔

﴿۱۲۳﴾

جَاوَزْتُمَا الْمِيْتَاءَ أَوَّلَ وَهْلَةٍ   وَالْخَيْلُ مَازَالَتْ عَنِ الْمِيْطَانِ

آپ دونوں نے پہلی ہی بار میں میتا (آخری منزل) کو پار کرلیا حالانکہ دیگر گھوڑے ابھی میطان (ابتدائی منزل) سے آگے نہیں بڑھے۔

حل لغات: المِيْتَاءُ: مقابلے میں گھوڑوں کے پہنچنے کی آخری حد۔ أَوَّلُ وَهْلَةٍ: [بار نخستیں] پہلی بار۔ المِيْطَان: گھوڑوں کے مقابلے کے آغاز کی حد۔

تشریح: دونوں حضرات (یعنی سیف اللہ المسلول اور حضرت شاہ عین الحق عبد المجید) کی برق رفتاری کی صفت بیان فرما رہے ہیں۔ یعنی دوسرے شہسوار ابھی مقابلے کی پہلی ہی منزل میں ہیں جب کہ آپ دونوں نے آخری منزل کو پار کرلیا اور وہ بھی اس شان سے کہ یہ مسافت آپ نے محض پہلی جست میں مکمل کرلی۔

اہل عرب گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ منعقد کیا کرتے تھے، اس کے لیے کسی وسیع وعریض میدان کا انتخاب کیا جاتا تھا، جس مقام سے دوڑ شروع ہوتی تھی اس کو 'المیداء' اور 'المیطان' کہتے تھے اور جہاں دوڑ کا اختتام ہونا ہو اس جگہ کو 'المیتاء' کہتے تھے۔ حاشیہ میں وضاحت فرماتے ہیں:

میتاء آخر دویدن اسپاں در مسابقت و كذلك الميداء و الميطان اول حد دویدن۔

﴿۱۲۴﴾

فَسَبَقْتُمَا فِي الْفَضْلِ مَنْ سَابَقْتُمَا   وَبَقِيْتُمَا لا تُقْدَرَانِ لِمَانِ

آپ فضل وکرم میں ہر اُس شخص سے سبقت لے گئے جس سے بھی آپ نے مقابلہ کیا اور

آپ اس حال میں باقی رہے کہ کسی اندازہ لگانے والے کے لیے آپ دونوں حضرات (کی عظمت) کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔

حل لغات: مان: [اندازہ کنندہ] اسم فاعل از مَنَی یَمْنِي مَنْیاً بمعنی آزمائش کرنا، اندازہ کرنا۔

تشریح: بیت کا مطلب واضح ہے۔

﴾۱۲۵﴿

مَنْ أَنْتُمَا قَمَرا جَلالٍ بَلْ عَلَی	عَرْشِ الْخِلافَةِ وَالْعُلَی عُمَرَانِ

آپ کون ہیں؟ آپ جاہ وجلال کے دو چاند ہیں بلکہ خلافت وبلندیوں کے تخت پر عمرین ہیں یعنی حضرت صدیق وعمر رضی اللہ عنہما کی طرح ہیں۔

تشریح: سوال کرتے ہیں کہ آپ کون ہیں؟ آپ کا مقام ومرتبہ کیا ہے؟ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں کہ حضور سیف اللہ المسلول اور حضور شاہ عین الحق عبد المجید قدس سرہما آپ دونوں جاہ وجلال کے دو چمکتے روشن اور تابناک چاند ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ آپ خلافت وبلندی کے تخت پر ایسے ہی متمکن ہیں جیسے حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہوں۔

بین السطور میں فرماتے ہیں لا یخفی لطف لفظ الخلافة (لفظ خلافت میں جو لطف ونزاکت ہے وہ پوشیدہ نہیں)۔

﴾۱۲۶/ ۱۲۷﴿

یَحْکِي بَهَاءَ کُمَا وَنُوْرَ سَنَا کُمَا	قَمَرَان مُعْتَوِرَانِ فِي الْأَعْنَانِ
حَکَیَا وَلٰکِنْ مَااسْتَتَمَّا إِذْ بَدَا	لَهُمَا الْأُفُوْلُ وَنَازِعُ اللَّمْعَانِ

آسمان کے کناروں میں یکے بعد دیگرے چمکنے والے دو چاند (یعنی چاند سورج) آپ دونوں کی آب وتاب اور تابش ونور کے مشابہ ہو سکتے ہیں لیکن وہ دونوں (مشابہت میں) مکمل نہیں کیوں کہ ان دونوں کے لیے غروب ہے اور ان دونوں کی چمک کو کھینچنے والی چیز ہے۔ (یعنی سورج گرہن اور چاند گرہن)

حل لغات: یَحْکِي: مضارع واحد مذکر غائب از حَکَی حِکَایَةً نقل کرنا، مشابہ ہونا۔

بَهَاءٌ: مصدر بمعنی انتہائی خوبصورتی، چمک۔ سَنَاءٌ: [تابش] مصدر بمعنی بلندی، چمک، رونق۔

مُعْتَوِرَان: [مُخْتَلِفَان] یعنی باری باری آنے والے، یا یکے بعد دیگرے آنے والے۔

أَعْنَان: [کنارہ ہائے آسمان] آسمان کے اطراف، کنارے، افق۔
مَـا اسْتَتَمَّا: [مااستکملا] **ماضی منفی تثنیہ مذکر غائب از استفعال بمعنی پورا کرنا، مکمل کرنا**۔ أُفُول: [الغروب]۔ نَازِعٌ: **اسم فاعل** از نَزَعَ نَزْعًا **بمعنی کھینچنا، اکھیڑنا**۔ لَمْعَان: **چمک**۔ نَازِعُ اللَّمْعَان: [الخسوف والکسوف] **سورج گرہن اور چاند گرہن ہے۔**

تشریح: اپنے ممدوحین کو مخاطب کر رہے ہیں کہ اے حضرت شاہ عین الحق اور حضرت سیف اللہ المسلول آپ دونوں بے مثال و بے نظیر ہیں، اگر آپ کی آب وتاب اور تابش سے کوئی چیز مشابہت رکھتی ہے تو وہ چاند اور سورج ہیں، مگر آپ کے مقابلے میں وہ بھی ایک اعتبار سے ناقص و نامکمل ہیں۔ کیونکہ اولاً تو وہ غروب ہو جاتے ہیں، دوسرے یہ کہ دونوں ایک خاص وقت میں گرہن کا شکار ہو جاتے ہیں تو ان کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے مگر آپ کی روشنی وضیا کم نہیں ہوتی بلکہ ہر لمحہ اس میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔

چاند اور سورج دونوں کو ملا کر قمران کہتے ہیں۔

﴿۱۲۸﴾

مَـنْ شِـئْـتُ أَسْـئَـلُ مِـنْـكُمَا مَا أَنْتُمَا
إِلَّا لِشَيْـخِـكُـمَـا الْـكَـرِيْـمِ يَـدَانِ

آپ دونوں میں سے جن سے مَیں چاہوں مانگ لوں، آپ دونوں تو اپنے داتا شیخ کے دو دست (عطا) ہیں۔

تشریح: حضرت شاہ عین الحق قدس سرہٗ اور حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ کو مخاطب کر کے عرض کرتے ہیں کہ مَیں آپ دونوں میں سے جس سے بھی چاہوں مانگ لوں، آپ دونوں مجھے ضرور نوازیں گے۔ آپ دونوں تو گویا اپنے شیخ کریم حضرت شمس مارہرہ ابوالفضل آل احمد حضور اچھے میاں قدس سرہٗ کے دست عطا ہیں، یعنی یہ انہیں کا فیض اور خزانہ ہے جو آپ دونوں کے ہاتھوں سے تقسیم ہو رہا ہے۔

﴿۱۲۹﴾

فَـاللّٰـهُ رَبُّـكُـمَـا غَـدًا لَـقَّـا كُـمَـا
مُـتَـجَـلِّـيًـا بِـالـلُّـطْفِ وَالـرِّضْـوَانِ

آپ دونوں کا رب اللہ تعالیٰ آپ دونوں سے کل بروز قیامت ملاقات فرمائے تجلّی فرماتے ہوئے مہربانی و رضامندی کے ساتھ۔

حل لغات: غداً : آئندہ کل، یہاں روز قیامت مراد ہے۔ رِضْوَان : مصدر از رَضِیَ بمعنی رضا۔

تشریح: مدح کے اختتام پر اب ممدوحین کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ شعر کا مطلب واضح ہے۔

﴿۱۳۰﴾

وَجَزَا كُمَا بِمَثُوْبَةٍ مِنْ عِنْدِهٖ	فِيْ عَدْنِهٖ بِنَبِيِّهِ الْعَدْ نَانِي

اور آپ دونوں کو اپنے نبیِ عدنان کے صدقے میں اپنی جانب سے اپنی جنت عدن میں
ثواب عظیم عطا فرمائے۔

حل لغات: مَثُوْبَةٌ : جزا، بدلہ، ثواب۔ عَدْنٌ : جنت۔

تشریح: شعر کا مطلب واضح ہے۔ عدنان حضور رسالت مآب ﷺ کے اجداد میں ایک بزرگ کا اسم گرامی ہے۔ اسی مناسبت سے آپ ﷺ کے القاب میں سید ولد عدنان بھی ہے۔

﴿۱۳۱﴾

تَمَّ الدُّعَا فَارْجِعْ غَنِيًّا غَانِمًا	وَاقْصِدْ سَمِيَّ السَّيِّدِ الْبَغْدَانِيْ

دعا مکمل ہوگئی۔ اب انعام واکرام پا کر واپس لوٹ اور تاجدار بغداد کے ہم نام کا قصد کر۔

حل لغات: غَانِمٌ : اسم فاعل از غَنِمَ غَنْمًا بمعنی پانا، حاصل کرنا۔ سَمِيّ : [ہم نام]۔

تشریح: اب یہاں سے حضرت سیف اللہ المسلول کے فرزند و جانشین تاج الفحول محبّ رسول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی قدس سرہٗ (ولادت : ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء - وفات : ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء) کی مدح کی طرف آتے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی ’عبدالقادر‘ ہے، اس لیے آپ کو ’ہمنام غوث پاک‘ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، شاعر آستانہ جناب شاؔد القادری بدایونی نے کہا ہے:

ماحیِ کفر بھی ہیں حامیِ اسلام بھی ہیں
نائبِ غوث بھی ہیں غوث کے ہمنام بھی ہیں

حضرت تاج الفحول اپنے زمانے میں امام اہل سنت تسلیم کیے جاتے تھے، مختلف علوم پر آپ کی تصانیف آپ کے تبحر علمی پر شاہد عدل ہیں۔

آپ نے درسیات کی تکمیل استاذ العلما حضرت مولانا نور احمد عثمانی بدایونی کی درسگاہ میں کی، معقولات کی اعلیٰ کتب استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، پھر تکمیل اپنے والد گرامی سیف اللہ المسلول سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی سے کی اور آپ نے

سندِ فراغت عطا فرمائی۔ ۱۲۷۹ھ میں پہلی بار زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور اسی سفر میں سند المحدثین سیدنا الشیخ جمال حنفی مکی سے حدیث سماعت کی اور شیخ نے اجازت اور سند حدیث سے نوازا۔

ساری عمر درس و تدریس، تصنیف و تالیف، رشد و ہدایت اور احقاق حق کا مقدس فریضہ انجام دیا۔ اپنے زمانے میں آپ کی ذات گرامی مرجع علما تھی اور آپ کی تقریر و تحریر حرفِ آخر کا درجہ رکھتی تھی۔ معاصرین نے آپ کو اپنے زمانے میں امام اہلسنت اور معیار سنیت قرار دیا ہے۔

حضرت فاضل بریلوی کی نظر میں حضرت تاج الفحول کا علمی مقام و مرتبہ کیا تھا اس کا اندازہ فتاویٰ رضویہ کی ایک عبارت سے ہوتا ہے۔ کسی صاحب نے فاضل بریلوی سے سوال کیا کہ:

> بریلی بدایوں اور پیلی بھیت وغیرہ کے مستند علما اور ان کے فیض یافتوں پر کس حد تک آنکھ بند کر کے اعتماد کرنا چاہیے؟ (فتاویٰ رضویہ: جلد ۱۲/ص ۱۲۸، رضا اکیڈمی ممبئی۔)

اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

> ہندوستان میں میرے زمانہ ہوش میں دو بندۂ خدا تھے جن پر اصول و فروع و عقائد و فقہ سب میں اعتماد کلی کی اجازت تھی۔ (فتاویٰ رضویہ: جلد ۱۲/ص ۱۳۰، رضا اکیڈمی ممبئی۔)

ان دو شخصیتوں میں سے پہلی شخصیت آپ کے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں بریلوی قدس سرہٗ کی ہے، ان کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> دوم والا حضرت تاج الفحول محبِّ رسول مولانا مولوی عبد القادر صاحب قادری بدایونی قدس سرہٗ الشریف۔ ۲۵/ برس فقیر کو اس جناب سے بھی صحبت رہی، ان کی سی وسعت نظر و قوت حفظ و تحقیق انیق ان کے بعد کسی میں نظر نہ آئی۔ ان دونوں آفتاب و ماہتاب کے غروب کے بعد ہندوستان میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس کی نسبت عرض کروں کہ آنکھیں بند کر کے اس کے فتوے پر عمل ہو۔ (فتاویٰ رضویہ: جلد ۱۲/ص ۱۳۱، رضا اکیڈمی ممبئی۔)

حضرت تاج الفحول سے عقیدت و محبت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت تاج الفحول ہی نے حضرت

فاضل بریلوی کی رہنمائی مارہرہ مطہرہ تک کی تھی۔ فاضل بریلوی نے اس کا اظہار واعتراف اپنے قصیدے ’چراغ انس‘ میں کیا ہے، فرماتے ہیں:

تیری نعمت کا شکر کیا کیجیے   تجھ سے کیا کیا ملا محبّ رسول
اور تو اور شیخ تجھ سے ملا   اس سے بڑھ کر ہے کیا محبّ رسول

یہ قصیدہ ’چراغ انس‘ ۱۰۵/اشعار پر مشتمل ہے، جس میں حضرت فاضل بریلوی نے حضرت تاج الفحول کی بارگاہ میں خراج عقیدت ومحبت پیش کیا ہے۔☆

مصرع ثانی میں بغداد کی بجائے ’بغدان‘ باندھا ہے، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

> بغدان بالنون لغة شائعة من سبع لغات في بغداد
>
> **بغدان نون کے ساتھ ہے جو لفظ بغداد کی سات لغات میں سے ایک شائع وذائع لغت ہے۔**

حضرت مصنف نے جن سات لغات کا ذکر کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

بَغْدَاد، بَغْدَاذ، بَغْذَاد، بَغْذَاذ، بَغْدِيْنُ، بَغْدَان ، مَغْدَان۔ (لسان العرب: مادہ ب غ دد)

﴿۱۳۲﴾

اَلْعَالِمَ الْعَلَّامَةَ الْعَلَمَ الَّذِيْ   ذِكْرَاهُ فَائِحَةٌ بِكُلِّ مَعَانِ

جو عالم ربانی، علامہ اور ایسا نشانِ راہ ہیں جن کی توصیف وثنا (کی خوشبو) ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔

حل لغات: فَائِحَةٌ: اسم فاعل از فَاحَ يَفِيْحُ فَيْحاً بمعنی منتشر ہونا، کشادہ ہونا۔ ذِكْرَاهُ: [ثَنَاؤُهٗ] ذکری: یاد۔

تشریح: ہمنام تاجدار بغداد کون ہیں جن کی مدح کا قصد کیا جا رہا ہے؟ اسی کی وضاحت کرتے ہیں کہ وہ عالم ربانی، زبردست علامہ اور علم وفضل کا ایک ایسا نشان ہیں جن کے ذکر کی خوشبو ہر علمی مجلس، ہر روحانی محفل میں پھیلی ہوئی ہے، ان کا ذکر اور ان کی تعریف وتوصیف ہر ایک کی زبان پر

☆ حضرت تاج الفحول کے حالات کے لیے دیکھیے:

الف: اکمل التاریخ: مولانا ضیاء القادری، ص ۳۲۸/تا ۳۴۴، تاج الفحول اکیڈمی، ۲۰۱۳ء۔

ب: تاج الفحول حیات وخدمات: مفتی عبد الحکیم نوری، تاج الفحول اکیڈمی، ۱۹۹۸ء۔

ہے، ان کے علم وفضل کا چرچہ گھر گھر ہے۔

'مــعــان' کے بارے میں بین السطور میں وضاحت کی ہے کہ ''بروزن ومعنی مکان''، یعنی یہ مکان کے وزن پر مکان ہی کے معنی میں ہے۔

پہلے مصرع میں العـالم العلامة اور العلم وغیرہ یہ گذشتہ شعر میں واقع 'سَمِیّ' کی صفات ہیں جو ترکیب میں اقصد کا مفعول واقع ہیں۔

﴿۱۳۳﴾

أَعْـظِـمْ بِبَـحْـرٍ فِيْـهِ أَنْهَـارٌ بِهَـا	مَـاءٌ لَـهُ وَصْـفَـانِ مُـخْتَـلِفَـانِ

ممدوح (حضرت تاج الفحول) کیا ہی عظیم سمندر ہیں! جس میں نہریں ہیں اور اِن (نہروں) کا پانی دو مختلف وصف رکھتا ہے۔

حل لغات: أَعْـظِمْ بِهٖ : [صیغۂ تعجب] بمعنی کیا ہی عظیم ہے۔ مُـخْتَلِفَان : [یکے پس دیگرے آمدن بتکرار] یعنی تکرار کے ساتھ ایک کے بعد دوسرے کا آنا۔

تشریح: حضرت تاج الفحول کی ذات کو علم وفضل کے ایک عظیم سمندر سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ یہ ایسا سمندر ہے جس میں بہت سی نہریں ہیں۔ نہروں کی وضاحت فرماتے ہوئے بین السطور میں لکھتے ہیں ''کتبه و کلماته ''۔ یعنی نہروں سے مراد حضرت تاج الفحول کی کتب اور آپ کے مبارک کلمات ہیں۔ مگر ان نہروں (یعنی آپ کی کتب اور گفتگو) کی خوبی یہ ہے کہ ان کا پانی بہ یک وقت دو مختلف صفات رکھتا ہے۔ وہ دو مختلف صفات کیا ہیں اس کا بیان اگلے شعر میں ہے۔

﴿۱۳۴﴾

فَهَلَا هَــلٌ مُــرْوٍ لِأَرْبَــابِ الْـوِلا	أَوْ هَـلْهَـلٌ مُـرْدٍ أُولِي الْأَضْغَـانِ

وہ اہل عشق ومحبت کے لیے صاف وشفاف سیراب کرنے والا پانی ہے اور کینہ پرور لوگوں کو ہلاک کرنے والا زہر ہے۔

حل لغات: هَلاهَلٌ: [آب صافی] صاف پانی۔ مُرْوٍ : [سیراب کنندہ] اسم فاعل (از افعال) بمعنی سیراب کرنے والا۔ وِلاءٌ: محبت۔ ضرورت شعری کی بنا پر ہمزہ حذف کردیا گیا ہے۔ هَـلْهَلٌ : [زہر قاتل]۔ مُـرْدٍ: [مہلک] اسم فاعل (از افعال) بمعنی ہلاک کرنے والا۔ أَضْـغَـان: [کینہ ہا] ضِغْنٌ کی جمع بمعنی کینہ۔

تشریح: حضرت تاج الفحول کی کتب اور آپ کے کلام میں یہ خوبی ہے کہ اہل محبت کے لیے تو گویا وہ ایک شفاف چشمہ شیریں ہے جس سے لوگ سیراب ہوتے ہیں، مگر اسی کے ساتھ ساتھ آپ کی تصانیف اہل بغض وکینہ کے لیے سم قاتل ہیں۔

علمائے ربانیین کی یہی شان ہوتی ہے، أشداء على الكفار رحماء بينهم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں وارد ہے، مگر ان کی نیابت میں اِس امت کے اولیا وعلما کی بھی یہی شان ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے اسی آیت کی ترجمانی کی ہے:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

﴾۱۳۵﴿

أَمْوَاجُهَا بِيْضٌ قَوَاضِبُ أُلْبِسَتْ
حُلَلًا مُمَشَّقَةً مِنَ الْإِثْخَانِ

ان نہروں کی موجیں چمکتی کاٹنے والی تلواریں ہیں جن کو کشتوں کے پشتے لگانے کی وجہ سے خون سے رنگے ہوئے سرخ جوڑے پہنا دیے گئے ہیں۔

حل لغات: أَمْوَاجٌ: مَوْجَةٌ کی جمع بمعنی لہر۔ قَوَاضِبُ: [برندہ] قَاضِبٌ کی جمع بمعنی کاٹنے والی تلوار۔ حُلَلٌ: حُلَّةٌ کی جمع بمعنی کپڑوں کا جوڑا، نیا کپڑا۔ مُمَشَّقَةٌ [گلگوں] إِثْخَان: [بسیار کشتن] مصدر (از افعال) خونریزی میں مبالغہ کرنا۔

تشریح: اس بحر علم وفضل کی نہروں یا بالفاظ دیگر آپ کی کتابوں کی صفت بیان کی جارہی ہے، شعر کا مطلب واضح ہے۔

﴾۱۳۶﴿

هَاجَتْ وَمَاجَتْ وَالسَّمَاءُ تُفِيْضُ وَالْـ
إِجْبَالُ لَيْسَ يَذُبُّ عَنْ كِنْعَانِ

موجوں نے جوش مارا، آسمان بارش کر رہا ہے، اب پہاڑ پر چڑھنا کنعان کو نہیں بچا سکتا۔

حل لغات: هَاجَتْ: [جاشت] فعل ماضی واحد مؤنث غائب از هَاجَ يَهِيْجُ هَيْجًا بمعنی بھڑکنا، برانگیختہ ہونا، جوش مارنا۔ مَاجَتْ [موج زد] فعل ماضی واحد مؤنث غائب از مَاجَ يمُوْجُ مَوْجًا بمعنی سمندر کا موج مارنا۔ السَّمَاءُ: [باراں] بارش، آسمان، بادل۔ تُفِيْضُ: مضارع واحد مؤنث غائب از أَفَاضَ يُفِيْضُ پانی گرانا۔ اجبال [بکوہ رفتن] مصدر (از افعال) پہاڑ پر چڑھنا۔ ذَبَّ يَذُبُّ عَنْ: دفاع کرنا۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے ’کنعان‘ کے واقعے کی جانب اشارہ ہے، جب طوفان نوح آیا تو وہ کشتی میں نہیں بیٹھا، حضرت نوح نے فرمایا:

يٰبُني اركب معنا (ہود: آیت ۴۲)

اے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ۔

کنعان نے جواب دیا:

سآوي إلى جبل يعصمني من الماء (ہود: آیت ۴۳)

مَیں کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو پانی سے میری حفاظت کرے گا۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ پہاڑ پر چڑھتا ایک تیز موج آئی اور اس کو بہا لے گئی۔

اسی طرح جب ممدوح حضور تاج الفحول کے بحر علم کی موجوں نے زور مارا تو گمراہ و بد دین گستاخانِ خدا و رسول اس میں غرق ہو گئے انہیں کوئی نہیں بچا سکا۔

مصرع اول میں ھاجت اور ماجت کے درمیان جناس ہے۔

﴿۱۳۷﴾

فَعَلَتْ بِهِمْ مَا فِيْهِ عِبْرَةُ مِثْلِهِمْ
فَعَلَتْ عَلَى نَجْدٍ سُيُوْلُ رِثَانِ

اِن موجوں نے اُن (بد دین و گمراہ) لوگوں کا وہ حشر کیا جو اِن جیسوں کے لیے نمونہ عبرت ہے۔ مسلسل بارش کے سیلاب نجد (بلند زمین) سے اونچے ہو گئے۔

حل لغات: پہلے مصرع میں فَعَلَتْ: [کرد] فَعَلَ (اُس نے کیا) سے صیغہ واحد مؤنث غائب ہے، دوسرے مصرع میں فَعَلَتْ : [بلند شد] عَلَتْ (از عَلا يَعْلُو بمعنی بلند ہونا) فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب ہے اور اس پر فا تعقیبیہ داخل ہے۔ سُیُوْلُ: سَیْلٌ کی جمع بمعنی سیلاب۔ رِثَان: [بارانِ پیاپے] لگاتار بارش۔

تشریح: ممدوح کے بحر علم کی موجوں نے ان گمراہوں کے قلعوں کو زمیں بوس کر دیا، ان کا قلعہ قمع کر دیا۔ ممدوح کی زبان و قلم نے دلائل و براہین کی ایسی موسلا دھار بارش کی کہ گویا سیلاب آ گیا اور نجد اس سیلاب میں غرق ہو گیا۔

لغوی اعتبار سے نجد ’بلند زمین‘ کو کہتے ہیں، اگر یہ لغوی معنی مراد لیے جائیں تو شعر کا مفہوم ہو گا کہ وہ سیلاب ایسا تھا کہ بلند زمین سے بھی اونچا ہو گیا، اِس میں اُس سیلاب کی عظمت و وسعت کا

بیان ہوگا۔ پھر نجد اس خاص مقام کا نام ہے جہاں سے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی حدیث پاک کی پیش گوئی کے مطابق 'قرن شیطان' بن کر طلوع ہوئے، لہٰذا اگر یہاں نجد کا یہ معنی مراد لیں تب بھی حسب حال ہے، کیوں کہ حضرت تاج الفحول اور آپ کے تلامذہ نے فتنۂ نجدیت و وہابیت کے رد و ابطال میں اہم تحریری و تقریری خدمات انجام دی ہیں۔

کسی زمانے میں 'نجد' شعرائے عرب کے یہاں قیس و لیلیٰ کی داستان حسن و عشق، شور سلاسل، رم آہو، دیوانگی، جنون اور بے لوث محبت کا ایک خوبصورت اور حسین استعارہ ہوا کرتا تھا۔ مگر اب وہ بدعقیدگی، گمراہی، بے ادبی اور گستاخی و توہین انبیا و صالحین کا استعارہ بن گیا ہے۔

﴿۱۳۸﴾

حَتَّى تَدَاعَتْ لِلْخَرَابِ رُبُوْعُهُ	وَبَكَتْ بَوَاكِي النَّجْدِ فِي الْمِيْدَانِ

یہاں تک کہ نجد کے در و دیوار نے بربادی کے باعث ایک دوسرے کو (مدد کے لیے) پکارا اور نجد کی نوحہ گر عورتیں میدانوں میں (نکل کر) روئیں۔

حل لغات: تَدَاعَتْ: [یک دیگرے را ندا کرد] ماضی واحد مؤنث غائب از تَدَاعَی بمعنی ایک دوسرے کو بلانا۔ خَرَابٌ: ویران، تباش شدہ۔ رُبُوعٌ: [سراہائے نجد] رَبْعٌ کی جمع بمعنی مکان، حویلی جس میں بہت سے چھوٹے مکانات ہوں۔ بَوَاكِيْ: [زنان گریہ کناں] بَاكِيَةٌ کی جمع بمعنی رونے والی۔ مِيْدَان: میم کے کسرے اور فتحے دونوں کے ساتھ آتا ہے، بمعنی گھوڑ دوڑ یا کھیل کود کے لیے کشادہ جگہ۔

تشریح: بڑی خوبصورت منظر کشی ہے، حضرت تاج الفحول کے دلائل کے سیلاب نے جب نجدی عقائد کے قلعے غرق کیے تو نجد کے ایوان اور در و دیوار مدد کے لیے ایک دوسرے کو پکارنے لگے اور وہاں کی عورتیں نوحہ اور ماتم کرتی ہوئی میدان میں نکل آئیں۔

اپنے اردو قصیدے 'چراغ انس' میں بھی اعلیٰ حضرت نے اس مضمون کو باندھا ہے، فرماتے ہیں:

ہدم بنیان نجد کا طرہ
تیرے سر پر سجا محبّ رسول
ماتمی ہیں زنان نجد کہ ہائے
بیوہ تو نے کیا محبّ رسول

﴿۱۳۹﴾

فَاللّٰهُ رَبُّکَ سَيِّدِيْ أَبْقَاکَ بِالْـ	إِيْقَانِ وَالْإِتْقَانِ وَالْإِبْقَانِ

سیدی! آپ کا پروردگار آپ کو یقین کامل، ثبات اور خیر کثیر کے ساتھ سلامت رکھے۔

حل لغات: إِيْقَان: مصدر بمعنی یقین کامل۔ إِتْقَان: مصدر بمعنی مضبوطی، ثبات۔ إِبْقَان: [خیر کثیر]۔

تشریح: ممدوح حضرت تاج الفحول نے احقاق حق وابطال باطل کی صورت میں جو عظیم دینی خدمات انجام دیں جس کے نتیجے میں باطل کے قلعے مسمار ہوگئے، ان دینی خدمات کی وجہ سے ممدوح کی سلامتی وثبات کے لیے بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہیں۔

﴿۱۴۰﴾

رَبِّيْ يُنَضِّرُ وَجْهَکَ الْأَسْنَى كَمَا
تَرْوِيْ حَدِيْثَ الْعِلْمِ وَالْعِرْفَانِ

میرا رب آپ کے چمکتے دمکتے چہرے کو تروتازہ رکھے جس طرح آپ حدیث علم وعرفان کو روایت کر رہے ہیں۔

حل لغات: يُنَضِّرُ: [تروتازہ دارد] مضارع واحد مذکر غائب از نَضَّرَ بمعنی تروتازہ بنانا۔ أَسْنَى: [روشن تر] اسم تفضیل۔ تَرْوِيْ: مضارع واحد حاضر از رَوَى يَرْوِيْ رِوَايَةً بمعنی روایت کرنا، حدیث بیان کرنا۔

تشریح: یہ قطعہ بند شعر ہے، جس کا مفہوم آگے کے تین شعروں سے مل کر مکمل ہو رہا ہے۔

مصرع ثانی میں تَرْوِي کے دو معنی ہو سکتے ہیں، اگر یہ روایة مصدر سے مانا جائے تو روایت کرنے کے معنی میں ہوگا اور اگر ریا مصدر سے مانیں تو سیراب کرنے کے معنی میں ہوگا۔ ہم نے ترجمہ پہلی تقدیر پر کیا ہے، ڈاکٹر رشید عبیدی نے اس کو سیراب کرنے کے معنی میں لیا ہے۔ دونوں ہی معنی محتمل ہیں۔ اگلے شعر میں لفظ غضاً طریًا دوسرے معنی (سیراب کرنے) کی تائید کر رہا ہے، جب کہ لفظ حدیث اور اگلے تین شعروں میں روایت حدیث کے مخصوص اصطلاحی لفظ پہلے والے معنی (روایت کرنے) کو ترجیح دے رہے ہیں۔ اس لیے ہم نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے۔

﴿۱۴۱﴾

غَضًّا طَرِيًّا كَابِراً عَنْ كَابِرٍ
عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ أُمَّانِ

(آپ حدیث علم وعرفان روایت کر رہے ہیں اس حال میں کہ وہ) تروتازہ ہے (اپنے) بڑوں سے، وہ اپنے بڑوں سے، وہ مالک سے، وہ نافع سے جو امین وثقہ ہیں۔

حل لغات: غَضٌّ: [تر وتازہ] شگفتہ۔ طَرِیٌّ: [باطراوت] تازہ۔ أُمَّان: [الأمین الثقة المعتمد علیه]۔

تشریح: اب گذشتہ شعر سے ملا کر دیکھیں تو معنی یہ ہوا کہ اے حضور تاج الفحول! پروردگار آپ کے چہرے کو تر وتازہ رکھے جس طرح آپ حدیث علم وعرفان کو اس حال میں روایت کر رہے ہیں کہ وہ تر وتازہ ہے۔ یہ روایتِ حدیثِ علم وعرفان آپ اپنے اکابر سے اور وہ اپنے اکابر سے کر رہے ہیں اور یہ تمام راویان علم وعرفان امین وثقہ اور معتمد علیہ ہیں۔

راویان حدیث میں امام مالک بن انس کا جو مرتبہ ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ حضرت نافع مشہور تابعی ہیں جو نافع مولیٰ ابن عمر کے نام سے معروف ہیں (بعض شارحین نے یہاں نافع سے مشہور قاری نافع بن عبدالرحمٰن المدنی مراد لیے ہیں جو درست نہیں ہے) امام مالک حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں اور حضرت نافع حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں، اس سند کو ائمہ حدیث نے 'سلسلۃ الذہب' قرار دیا ہے، امام بخاری اس کو 'اصح الاسانید' فرماتے ہیں۔

اب ذرا فاضل بریلوی کی نکتہ آفرینی ملاحظہ فرمائیں، آپ حاشیے میں فرماتے ہیں:

> أراد المعاني اللغوية فالكابر الأول مولانا فضل رسول والثاني مولانا عبدالمجيد ومالكنا السيد الكريم آل أحمد ونافعنا السيد الجليل حمزة رضي الله تعالى عنهم أجمعين۔
>
> ترجمہ: یہاں (ان الفاظ کے) لغوی معانی مراد لیے گئے ہیں۔ پہلے والے کابر سے مولانا فضل رسول اور دوسرے والے سے مولانا عبدالمجید مراد ہیں۔ ہمارے مالک سید کریم آل احمد (اچھے میاں) ہیں اور ہمارے نافع سید شاہ حمزہ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ممدوح حضرت تاج الفحول اپنے والد حضرت سیف اللہ المسلول کے مرید وخلیفہ اور تلمیذ ہیں، حضور سیف اللہ المسلول اپنے والد حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید کے مرید وخلیفہ اور تلمیذ ہیں۔ حضور شاہ عین الحق عبدالمجید شمس مارہرہ آل احمد حضور اچھے میاں کے مرید وخلیفہ ہیں، حضور شمس مارہرہ اپنے والد حضرت اسدالعارفین سیدنا شاہ حمزہ کے مرید وخلیفہ اور تلمیذ ہیں۔

گویا حضرت تاج الفحول اِس سلسلۃ الذہب کے ذریعے حدیث علم وعرفان روایت کر رہے

ہیں پھر وہ تر وتازہ کیوں نہ ہو؟۔

مذکورہ تشریحات کے پیش نظر مصرع ثانی میں لفظ' مالک 'اور' نافع' نے شعر کو جس رفعت، معنویت، نزاکت اور حقیقت سے ہمکنار کیا ہے اس کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں۔

﴿۱۴۲﴾

وَ مُسَلْسَلاً بِالْمَجْدِ وَالْأَفْضَالِ عَنْ	إِتْقَانِ ضَبْطٍ لَيْسَ فِيْهِ تَوَانِ

دراں حالے کہ (حدیث علم وعرفان) فضل و بزرگی کے ساتھ مسلسل ہے۔ جو مضبوطی و احتیاط سے ہے جس میں کوئی سستی وکمزوری نہیں۔

حل لغات: ضَبْطٌ: [حفظ باحتیاط]۔ تَوَان: [سستی]۔

تشریح: شعر کا مفہوم واضح ہے۔

﴿۱۴۳﴾

مَا فِيْهِ تَدْلِيْسٌ وَلا وَهْمٌ وَلا	عَيْبُ الشُّذُوْذِ وَوَصْمَةُ الْإِيْهَانِ

اس (حدیث علم وعرفان) میں نہ تدلیس ہے، نہ وہم ہے، نہ شذوذ ونکارت ہے اور نہ کمزوری وسستی کا داغ ہے۔

حل لغات: تَدْلِيْسٌ: مصدر بمعنی دھوکہ۔ یہ اصول حدیث کی ایک اصطلاح ہے، روایت حدیث میں کسی خاص مقصد کے تحت اپنے شیخ کا نام حذف کر کے اس کے شیخ سے براہ راست حدیث روایت کرنا تدلیس کہلاتا ہے۔ وَصْمَةٌ: [عیب]۔ إِيْهَان: [سست کردن] مصدر از اِفعال بمعنی سست کرنا۔

تشریح: تدلیس، وہم اور شذوذ یہ سب اسناد حدیث کے عیوب ہیں جن کی وجہ سے حدیث ضعیف ہو جاتی ہے۔ مگر ہمارے ممدوح حضرت تاج الفحول جو علم وعرفان اپنے اکابر سے روایت فرما رہے ہیں اس کی سند مسلسل بھی ہے، مضبوط بھی ہے اور جملہ عیوب اسناد سے پاک بھی ہے۔

﴿۱۴۴﴾

يَا بَاغِيًا لِنَجَاتِكَ الْزَمْ غَرْزَهٗ	يَحْمِيْكَ عِنْدَ طَوَارِقِ الْحَدْثَانِ

اے اپنی نجات کے طالب! ممدوح (حضرت تاج الفحول) کی رکاب تھام لے، وہ حوادث زمانہ کے نزول کے وقت تیری حمایت کریں گے۔

حل لغات: بَاغِي: [طالب] اسم فاعل از بَغَى بَغْيًا بمعنی طلب کرنا۔ غَرْزٌ: رکاب۔ یَحْمِي: [حمایت خواہد کرد] مضارع واحد مذکر غائب از حَمَى حَمْيًا بمعنی حفاظت کرنا، حمایت کرنا۔ طَوَارِق: طَارِقَةٌ کی جمع بمعنی مصیبت۔

تشریح: الزم غرز فلان ایک محاورہ ہے، جس کا مطلب ہے امر و نہی میں فلاں کو لازم پکڑو یعنی ہر معاملے میں اس کی اطاعت کرو، لسان العرب میں ہے:

یقال الزم غرز فلان أي أمره و نهيه (لسان العرب مادہ غرز)

نجات کے طالب سے فرماتے ہیں کہ اے طالب نجات! اگر صحیح راستے پر رہنا چاہتا ہے تو حضرت تاج الفحول کی رکاب تھام لے، ان کا دامن پکڑ لے، ان کی اطاعت اور ان کی اتباع کو لازم کر لے، کیوں کہ یہ حادثات کے وقت تیری حفاظت فرمانے والے ہیں۔

﴿۱۴۵﴾

فَالْقَوْمُ لا يَشْقَى بِهِمْ جُلَسَاؤُهُمْ   وَالطِّيْبُ حَظٌّ فِيْهِ لِلنَّدْمَانِ

(یہ جماعت) وہ جماعت ہے کہ جن کے ہم نشیں بد بخت و شقی نہیں ہو سکتے اور خوشبو میں
ہم نشینوں کا بھی حصہ ہے۔

حل لغات: طِيْبٌ: خوشبو۔ نَدْمَان: [ہم نشیں] ندیم کی جمع بمعنی رفیق و ساتھی، ہم نشین۔

تشریح: گذشتہ شعر میں طالب نجات کو حضرت تاج الفحول کی اطاعت لازم پکڑنے کا مشورہ دیا تھا، اب اس کی علت بیان فرما رہے ہیں کہ حضرت تاج الفحول کا ساتھ، ان کی ہم نشینی اور ان کی صحبت اس لیے لازم کر لو کیوں کہ یہ ان اہل اللہ میں ہیں کہ جن کا ہم نشین بھی محروم اور بد بخت نہیں ہوتا۔ جس شخص کے پاس عمدہ خوشبو ہو تو اس کے مصاحبین بھی اس خوشبو سے محروم نہیں رہتے ان تک بھی وہ خوشبو پہنچ ہی جاتی ہے۔ دونوں مصرعوں میں دو حدیثوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

پہلے مصرع میں ایک طویل حدیث قدسی کا اقتباس ہے جو اہل ذکر بندوں کے حق میں وارد ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کو گواہ بنا کر اپنے اہل ذکر بندوں کی مغفرت کا اعلان فرمایا، فرشتوں نے عرض کی کہ اے پروردگار! اُن اہل ذکر بندوں کے ساتھ کچھ دنیا دار بھی تھے کیا تو نے ان کی بھی بخشش فرما دی؟ رحمت الٰہی جوش میں آئی اور ارشاد ہوا کہ ہاں مَیں نے ان کی بھی بخشش فرما دی کیوں کہ:

هم القوم لا يشقى بهم جليسهم (یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کا ہم نشین بھی بد بخت نہیں ہوتا۔ صحیح مسلم: حدیث نمبر ۲۶۸۹/ بخاری: حدیث ۶۴۰۸)

حضرت غوث اعظم محبوب سبحانی نے اپنے ایک شعر میں اپنے اس مقام و مرتبے کا اظہار فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

أَنَا مِنْ رِجَالٍ لايَخَافُ جَلِيسُهُمْ   رَيْبَ الزَّمَانِ وَ لا يَرَى مَا يُرْهِبُ

ترجمہ: مَیں ان لوگوں میں سے ہوں کہ جن کا ہم نشین گردش زمانہ سے نہیں ڈرتا اور نہ وہ ایسی بات دیکھتا ہے جو اس کو خوف زدہ کر سکے۔

غوث اعظم سے مضبوط نسبت، ان سے عقیدت و محبت، اور ان کے قرب و فنائیت کے صدقے میں اگر ان کے نائب و ہمنام کو بھی یہ رتبہ حاصل ہو جائے تو تعجب کیا ہے۔

دوسرے مصرع میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درج ذیل حدیث سے استفادہ کیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مثل الجليس الصالح والسوء كحامل المسك و نافخ الكير فحامل المسك إما أن يحذيك و إما أن تبتاع منه و إما أن تجد منه ريحا طيبة و نافخ الكير إما أن يحرق ثيابك إما أن تجد ريحا خبيثة (صحیح بخاری: حدیث نمبر ۲۱۰۱)

ترجمہ: نیک و بد مصاحب کی مثال مشک والے اور بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے۔ مشک والا یا تو تمہیں یوں ہی مشک پیش کر دے گا، یا تم اس سے مشک خرید لوگے، یا کم از کم تم کو اُس سے اچھی خوشبو آئے گی۔ بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا ورنہ تم کو اس سے بد بو آئے گی۔

﴿۱۴۶﴾

تِلْكَ الْعُلَى تِلْكَ الْمَكَارِمُ حَقَّةٌ   لا مَا ادَّعَتْهُ عَشِيْرَةُ الإِ دْهَانِ

(حضرت تاج الفحول کی) یہ بلندیاں، یہ مکارم اخلاق برحق ہیں، نہ کہ وہ جس کا منافقین کی جماعت کی طرف سے الزام ہے۔

حل لغات: عَشِيْرَةٌ: قبیلہ، گروہ۔ إِدْهَان: [نفاق] فریب دینا، باطن کے خلاف ظاہر کرنا۔

تشــریح: یہاں سے ممدوح حضرت تاج الفحول کے مخالفین و معاندین کی ہجو کا آغاز ہوتا ہے۔

ان مخالفین و معاندین میں وہ اہل بدعت وضلالت ہیں جو حق کی حمایت و نصرت اور باطل کی شکست وریخت کی وجہ سے حضرت تاج الفحول کے مخالف و معاند ہو گئے۔

۱۴۷

غُـرُّوْا وَغَـرُّوْا غَيْـرَهُمْ بِلِسَانِهِمْ	هٰذَا الـلِّسَـانُ فَـأَيْنَ مِـنْ بُـرْهَـانِ

(اہلِ بدعت وضلالت نے) خود بھی فریب کھایا اور دوسروں کو بھی اپنے کلام سے دھوکہ دیا، یہ سب زبانی باتیں ہیں، دلیل و برہان ہے کہاں؟۔

حـل لغات: غُرُّوْا: [فریب دادہ شدند] انہیں فریب دیا گیا، جمع مذکر غائب ماضی مجہول از غَرَّہٗ غَرًّا بمعنی دھوکہ دینا۔ غَرُّوْا [فریب دادند] انہوں نے فریب دیا، جمع مذکر غائب ماضی معروف۔

تشریح: یہ منافقین واہل ہوا خود بھی گمراہ ہیں اور اپنی باتوں سے دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں، مگر ان کی یہ تمام باتیں محض زبانی جمع خرچ ہے، ان کے پاس کوئی دلیل و برہان نہیں ہے۔

۱۴۸

هٰـذَا الْـمَـقَـامُ فَهَـلْ قِيَامٌ ثَـابِـتٌ	هٰـذَا الْـمَـكَـانُ فَهَـلْ مِنِ اسْتِمْكَانِ

یہ ایک جائے قیام ہے، لیکن کیا دوامی قیام ہے؟ یہ ایک جگہ ہے، لیکن کیا کوئی مستقل جگہ ہے؟

حل لغات: استِمْکان: [تمکن]۔

تشریح: کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اِس دنیا کو خلود و دوام نہیں ہے، لہٰذا گمراہوں کو ڈرنا چاہیے اور راہ راست پر آنا چاہیے۔

۱۴۹

أَعْـمَـا لُهُـمْ أَقْـوَالُهُـمْ أَشْـغَـالُهُـمْ	كُـلٌّ عَـلَـى بُـعْـدٍ مِـنَ الْـقُـرْاٰنِ

ان کے اعمال واقوال واشغال سب کے سب قرآن سے دور ہیں۔

تشـریح: ان کے اعمال، ان کی تقریریں، کتابیں اور سرگرمیاں یہ سب کی سب قرآن کریم کی بتائی ہوئی شاہراہ ہدایت سے دور ہیں، یہ ضلالت کے اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

۱۵۰

هُـمْ يُـعْـرَفُـوْنَ بِـنَتْـنِ مـافِيْهِمْ كَـمَـا	بِـالْـعَـرْفِ يُـعْـرَفُ عَـارِفٌ حَقَّـانِيْ

یہ (اہل بدعت وضلالت) اپنی بدبو سے پہچان لیے جاتے ہیں جیسا کہ خوشبو سے عارف

حقانی پہچان لیا جاتا ہے۔

حل لغات: نَتْنٌ: [بدبو]۔ عَرْفٌ: [خوشبو]۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔

﴿۱۵۱﴾

اَلرِّفْضُ فِيْ جَلْوَاتِهِمْ وَالشِّرْکُ فِيْ	خَلْوَاتِهِمْ وَالْكُفْرُ فِي الْإِجْنَانِ

ان کی جلوتوں میں رافضیت ہے، ان کی خلوتوں میں شرک ہے اور باطن میں کفر ہے۔

حل لغات: إِجْنَان: [در دل نہاں داشتن] مصدر بمعنی دل میں کوئی بات چھپانا۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔

﴿۱۵۲﴾

دَانُوا الْمُقِيْتَ بِمَقْتِهٖ وَمَقَالُهُمْ	مَعَ ذَاکَ أَنَّا سَادَةُ الْإِنْسَانِ

انہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت اس کی ناراضگی کے ذریعے کی، اس کے باوجود ان کی باتیں یہ ہیں کہ ہم انسانوں کے سردار ہیں۔

حل لغات: دَانُوْا: [عبدوا]۔ مَقْتٌ: [غضب]۔

تشریح: شعر کا مطلب واضح ہے کہ حقیقتاً تو یہ اہل ضلال اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب میں گرفتار ہیں مگر اس کے باوجود دعویٰ یہی کر رہے ہیں کہ ہم سرداران قوم ہیں۔ مصرع اولیٰ میں ''دانوا'' دان یدین دیناو دیانة سے ماخوذ ہے اور ثلاثی مجرد ہے، جس کا معنی خضع، ذل و أطاع ہے، اس لیے مصنف نے اس کے معنی میں ''عَبَدُوْا'' لکھا ہے یعنی خدائے تعالیٰ کو ناراض کرنا ہی ان کا دین ودھرم اور عبادت ہے۔

لفظ انسان کی وضاحت کرتے ہوئے بین السطور میں فرماتے ہیں ''اسم جنس فصح إرادة الكثير'' یعنی لفظ انسان اسم جنس ہے لہٰذا اس سے کثیر مراد لینا درست ہے۔

المقیت اسمائے حسنیٰ میں سے ہے بمعنی قدرت رکھنے والا یا قوت دینے والا۔ لفظ المقیت کے ساتھ بمقتہٖ جو لطف دے رہا ہے اسے صرف محسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

﴿۱۵۳﴾

خَذَلُوْا الشَّرِيْعَةَ ثُمَّ هُمْ سُبُلُ الْهُدٰی	وَبِهِمْ قِيَامُ الدِّيْنِ فِي الْأَزْمَانِ

انہوں نے شریعت کو رسوا کر دیا پھر بھی (اپنے گمان میں) یہ رشد و ہدایت کے راستے ہیں اور انہیں سے زمانوں میں دین کا قیام ہے۔

حل لغات: خَذَلُوْا: جمع مذکر غائب ماضی از خَذَلَ خَذْلاً خِذْلَانًا بمعنی مدد چھوڑنا، مجازاً ذلیل و رسوا کرنا۔ سُبُلٌ: سَبِیْل کی جمع بمعنی راستہ۔ أَزْمَان: زَمَنٌ کی جمع بمعنی سال کی چاروں فصلیں، وقت، زمانہ۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔

﴿۱۵۴﴾

هٰذاکَ ظَنُّهُمُ الَّذِيْ أَرْداهُمُ	وَالظَّنُّ لا يُغْنِيْ مِنَ الْإِيْقَانِ

یہی ان کا گمان ہے جس نے انہیں ہلاک کر دیا اور گمان یقین کے مقابلے میں کسی کام نہیں آتا۔

حل لغات: أَرْداهُمْ: [أَهْلَكَهُمْ] أَرْدَى يُرْدِي بمعنی ہلاک کرنا، گرانا۔

تشریح: ان اہل ضلالت کا اپنے بارے میں یہ گمان کرنا کہ وہ قوم کے سردار ہیں، وہ ہدایت کا راستہ ہیں اور انہیں سے دور حاضر میں دین کی بنیاد قائم ہے یہ سب باتیں محض ظن اور گمان ہیں حقیقت سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں اور یہ بات معروف ہے کہ گمان یقین کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا، نہ اس کے مقابلے میں کسی کام آتا ہے۔

مصرع ثانی میں ایک آیت قرآنی سے استفادہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> وما لهم به من علم إن يتبعون إلا الظن و إن الظن لا يغني من الحق شيئا (النجم: آیت ۲۸)
>
> ترجمہ: اور ان (کافروں) کو اس کا کچھ بھی علم نہیں ہے، وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور بے شک گمان حق کے مقابلے میں کسی کام نہیں آتا۔

پہلے مصرع میں 'هـذاك' ہے، یہ اصل میں 'ذاك' اسم اشارہ ہے جو مشار الیہ متوسط کے لیے آتا ہے، اس پر کبھی ہائے تنبیہ بھی لگا دیتے ہیں، المنجد میں ہے:

> ذاك اسم إشارة للمتوسط، ومع ها التنبيه تقول هذاك (المنجد: مادہ ذا)

بعض شارحین نے اس هذَاكَ ظَنُّهُم کو هذَا كَظَنِّهِم سمجھ لیا جو درست نہیں ہے۔

فَنَصِيْرُ دِيْنِ الْحَقِّ لَيْسَ بِفَاجِرٍ
وَنِظَامُ دِيْنِ اللّٰهِ غَيْرُ دَدَانِ

تو دین حق کا معین و مددگار فاجر نہیں ہوتا اور اللہ کے دین کا نظام بیہودہ (لوگ) نہیں ہوتے۔

حل لغات: نَصِيْر: مدگار۔ دَدَان: [مرد بیہودہ]۔

تشریح: یہ اہل نفاق وضلال اپنے گمان میں ہدایت کے راستے پر ہیں، مگر یہ محض گمان ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں کیوں کہ اللہ کے دین کے مددگار اور نصرت کرنے والے فاجر نہیں ہوتے، حالانکہ اس جماعت میں فاجر موجود ہیں، اسی طرح اللہ کے دین کا نظام اہل اللہ اور اہل تقویٰ کے ہاتھ میں ہوتا ہے نہ کہ بیہودہ اور اوباش لوگوں کے ہاتھ میں۔

اس شعر میں 'نصير دين الحق' اور 'نظام دين الله'، اگلے شعر میں 'مُذْنِب' اور 'مَذَاق' اور اس کے بعد کے شعر میں 'سنبلي' کے اشارات سمجھنے کے لیے قدرے تفصیل درکار ہے۔

تیرہویں صدی کی آخری دہائی اور چودھویں صدی کی پہلی دہائی میں بدایوں اور بریلی میں ایک طبقہ تفضیلی عقائد کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ بریلی میں شاہ نیاز احمد بریلوی کے صاحبزادے شاہ نظام الدین نیازی بریلوی (صاحب سجادہ خانقاہ نیازیہ بریلی)، بدایوں میں ان کے بھائی شاہ نصیر الدین چشتی نیازی اور شاہ دلدار علی مذاق میاں اِس طبقے کے علمبردار تھے۔ اس کے مقابلے میں حضرت تاج الفحول اور آپ کے تلامذہ نے کامیاب تحریری وتقریری جدوجہد فرمائی، حضرت تاج الفحول نے رسالہ رد روافض، ہدایت الاسلام، تصحیح العقیدہ فی باب امیر معاویہ اور اظہار الحق وغیرہ اسی زمانے میں تالیف فرمائے تھے۔ بریلی میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے تحریراً اور تقریراً اس طبقے کا رد کیا، آپ نے 'منتهى التفضيل لمبحث التفضيل'، 'مطلع القمرين في إبانة سبقة العمرين'، 'الزلال الأنقى من بحر سبقة الأتقى' اور، رفع العروش الخاوية من أدب الأمير معاوية' وغیرہ رسائل اسی زمانے میں اِس طبقہ تفضیلیہ کے رد میں تصنیف فرمائے۔

اس طبقے کی جانب سے دو حضرات بہت پیش پیش تھے، ایک مولانا محمد حسن سنبھلی دوسرے مولوی علی احمد مذنب بدایونی، یہ دونوں شاہ مذاق میاں کے مریدین میں تھے۔ اول الذکر نے بریلی میں اعلیٰ حضرت کو مسئلہ تفضیلیت پر مناظرے کا چیلنج کیا، فاضل بریلوی نے فوراً تیس سوال قلم بند

فرما کر بھیجے، ان سوالات کو دیکھ کر ایسی ابتری پھیلی کہ میدان چھوڑ کر بھاگتے ہی بنی۔ ثانی الذکر مولوی مذنّب بدایونی نے رسالہ 'تحفۃ الاخیار' اور 'تحقیق القول المجید' تالیف کیے، جس کے جواب میں بالترتیب 'تنبیہ ملحدین الاشرار' اور 'تادیب المذنب البلید' تصنیف کیے گئے۔

آپ شاہ نظام الدین بریلوی، شاہ نصیر الدین نیازی، شاہ دلدار علی مذاقؔ، مولانا محمد حسن سنبھلی اور مولوی علی احمد مذنّب بدایونی کے نام اور کرداروں کو ذہن میں رکھ کر اب شعر ۱۵۵ر میں نصیر دین الحق اور نظام دین الله، شعر ۱۵۶ر میں مُذْنِب اور مَذاق اور شعر ۱۵۷ر میں سنبلی کے لفظوں پر غور فرمائیں تو نہ صرف یہ کہ اشعار کا لطف دوبالا ہو جائے گا بلکہ شاعر کے تفنن طبع اور قادر الکلامی پر بے ساختہ منھ سے سبحان اللہ نکل جائے گا۔

﴿۱۵۶﴾

مَا مُذْنِبٌ يَحْلُوْ لَدَيْهِ مَذَاقُهُمْ
إِلَّا أُذِيْقَ مِنَ الْحَمِيْمِ الْآنِي

کسی گنہگار کے نزدیک بھی ان کا مشرب شیریں نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے بھی بالکل ایسا ہے کہ جیسے سخت گرم گرم پانی اسے پلایا جا رہا ہو۔

حل لغات: مُذْنِبٌ: اسم فاعل از اِفعال بمعنی گناہگار۔ يَحْلُوْ: [شیریں نماید] مضارع واحد مذکر غائب از حَلَا يَحْلُوْ بمعنی شیریں ہونا، مزیدار ہونا۔ مَذَاقٌ: [مشرب] مزہ۔ أُذِيْقَ: ماضی مجہول واحد مذکر غائب از أَذَاقَ يُذِيْقُ بمعنی چکھانا۔ الحَمِيْمُ الآنِي: [سخت گرم]

تشریح: ان کا مشرب و مذاق کسی گنہگار کو بھی پسند خاطر نہ ہوگا، بلکہ گنہگار کو بھی ایسا لگتا ہے کہ سخت گرم گرم کھولتا ہوا پانی بمشکل پی رہا ہو۔

مذنب اور مذاق کے توریہ میں جو لطیف اشارہ ہے وہ پیچھے مذکور ہوا، حضرت فاضل بریلوی نے قصیدہ 'چراغ انس' میں بھی یہ اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں:

مذنبِ بد مذاق را زہر است　　　شہدِ صافِ شما محبّ رسول

﴿۱۵۷﴾

لَا يَقْتَفِيْهِمْ سَنْبَلِيٌّ أَوْشِنَا
نِيٌّ فَيَنْجُ بِسَنْبَلٍ وَ شِنَانِ

ان کی پیروی کوئی سنبلی (رومی) اور شنانی (شامی) نہیں کرے گا، کہ مقام سنبل اور شنان میں ہی نجات پائے۔

حل لغات: لايَـقْتَفِيْهِمْ [لا يَتْبَعُهُمْ] يَقْتَفِي : مضارع واحد مذکر غائب از اقْتَـفَى يَقْتَفِي بمعنی پیروی کرنا، اتباع کرنا۔ يَـنْجُ : [رہائی پابد] اصل میں يَـنْـجُوْ تھا ضرورت کی وجہ سے واؤ کو حذف کر دیا گیا۔ از نَجَا يَنْجُوْ بمعنی نجات پانا، رہائی پانا۔

تشریح: سنبلی اور شنانی کی وضاحت حاشیہ میں یوں فرماتے ہیں:

> سنبلي نسبة إلى سنبل بالفتح اسم موضع في مملكة الروم وشناني نسبة إلى شنان بالكسر اسم وادٍ بملك الشام
>
> ترجمہ: سنبلی یہ سَنبل (سین کے زبر کے ساتھ) کی جانب منسوب ہے جو ملک روم میں ایک مقام کا نام ہے۔ شنانی یہ شِنان (شین کے زیر کے ساتھ) کی جانب منسوب ہے جو ملک شام میں ایک وادی ہے۔

اتر پردیش کے شہر سنبھل کا رہنے والا 'سنبھلی' ہوگا۔ سنبھلی کو اگر آپ عربی میں لکھیں گے تو 'سنبلی' لکھا جائے گا۔ اس توریہ میں جو لطیف اشارہ ہے اس کی وضاحت ہم گذشتہ سطور میں کر چکے ہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ پاکبازوں کی پیروی صرف سنبل اور شنان کے لوگ ہی نہیں کریں گے اور سنبل اور شنان میں ہی نجات نہیں پائیں گے بلکہ ان کی پیروی تو سارے لوگ کرتے ہیں اور ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد والے شعر میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ ہے جس میں حکم الٰہی کی عمومیت کا بیان ہے۔

لَا يَـقْتَفِيْهِم میں ضمیر 'ھم' مفعول پاکبازوں کی طرف راجع ہے جو دور ہے نہ کہ منافقین کی طرف جو قریب ہے، جیسا کہ بعض حضرات نے گمان فرمایا ہے۔

﴿۱۵۸﴾

إِذْ أَنَّ حُـكْـمَ الـلّٰـهِ لَيْـسَ بِقَـاصِـرٍ	وَالشَّـرْعُ جَـاءَ لِسَـائِرِ الْعِمْـرَانِ

کیونکہ اللہ کا حکم قاصر و محدود نہیں ہے، شریعت اسلامیہ ہر آبادی کے لیے آئی ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کوئی خواہ سنبلی ہو یا شنانی، ایرانی ہو یا تورانی بہر حال اللہ کا حکم سب پر نافذ ہوتا ہے، کیوں کہ شریعت مطہرہ کسی خاص شہر یا خطے کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ تو پوری کائنات کے لیے ہے۔ العِمْرَان عین کے ضمے کے ساتھ (العُمْرَان) زیادہ مشہور و مستعمل ہے، لیکن حضرت مصنف نے اس کو عین کے کسرے کے ساتھ لکھا ہے، لہٰذا ہم بھی ویسا ہی درج کر رہے ہیں۔

۱۵۹

صَهْ يَا رِضَا لا تَكْتَرِثْ لِحُثَالَةٍ
سَتَطِيْرُ فِيْ نَسْمٍ وَفِيْ نَسْمَانِ

اے رضا خاموش! تو کسی حقیر وذلیل ذرہ کی پرواہ مت کر، یہ تو موج نفس اور نرم ہوا کے جھونکے میں اڑ جائے گا۔

حل لغات: صَهْ: [خموش] اسم فعل بمعنی خاموش رہ۔ لاتَکْتَرِثْ: [پرواہ] فعل نہی واحد مذکر حاضر از اِکْتَرَثَ: معنی پرواہ کرنا، کہا جاتا ہے۔ هُوَلَايَكْتَرِثُ لِهٰذَا الأَمْرِ وہ اِس معاملے کی پرواہ نہیں کرتا۔ حُثَالَةٌ: بھوسا، یہاں حقیر اور کمتر لوگ مراد ہیں۔ نَسْمٌ [تنفس] سانس۔ نَسْمَان: [وزیدن باد نرم] نرم ہوا کا آہستہ چلنا۔

تشریح: اہل ضلال ونفاق کی ہجو کرنے کے بعد خود کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے رضا! اب خاموش ہو جا، تو ان لوگوں کی پرواہ مت کر جو علم وعمل میں نہایت کمتر اور حقیر ہیں، ان کا حال تو یہ ہے کہ یہ پھونک میں یا نہایت ہلکی ہوا میں اڑ جائیں گے۔

حثالة کی وضاحت حاشیہ میں فرماتے ہیں:

> سبوس ویراد بها الأراذل من الناس كما في الحديث
>
> حثالة کا مطلب بھوسا ہے، یہاں کمینے لوگ مراد لیے گئے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

جس حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے وہ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے، حضور اکرم ﷺ نے آپ سے پوچھا:

> يا عبدالله ابن عمرو كيف بك إذا بقيت في حثالة من الناس (بخاری: حدیث نمبر ۴۸۰)
>
> اے عبداللہ ابن عمرو! تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کمینے اور حقیر لوگوں کے درمیان میں ہوگے۔

۱۶۰

وَرَعَتْکَ عَيْنُ اللّٰهِ قُمْ فَاسْمَعْ إِلَى
قَوْلِيْ فَقَوْلِيْ مُنْشِطُ الْأَذْهَانِ

اللہ تیری حفاظت کرے۔ تو اٹھ کھڑا ہو اور میری بات سن کیونکہ میری بات ذہنوں کو تازگی

عطا کرتی ہے۔

حل لغات: رَعَتْكَ: [حَفِظَتْكَ] ۔مُنْشِطٌ: اسم فاعل (از افعال) بمعنی چست بنانے والا، تازگی دینے والا۔

تشریح: یہاں سے اب ایک نیا مضمون شروع ہو رہا ہے۔ شعر کا مطلب واضح ہے۔

﴿۱۶۱﴾

إِنِّيْ إِذَا مَا هَمَّ هَمٌّ دَاهِمٌ	فَأَهَمَّ هِمْتُ وَقُلْتُ فِيْ هَيَمَانِيْ

جب کوئی شدید غم ہجوم کا ارادہ کرتا ہے اور مجھے رنجیدہ کرتا ہے تو مَیں سرگشتہ ہوتا ہوں اور مَیں (اسی) سرگشتگی میں پکار اٹھتا ہوں کہ......۔

حل لغات: هَمَّ: [قَصَدَ] واحد مذکر غائب ماضی از هَمَّ يَهُمُّ بمعنی قصد وارادہ کرنا۔ هَمٌّ: غم۔ دَاهِمٌ: [ہجوم کنندہ] ہجوم کرنے والا۔ أَهَمَّ: [درہم انداخت] واحد مذکر غائب ماضی (از افعال) رنجیدہ کرنا، غم میں ڈالنا۔ هِمْتُ: [سرگشتہ شدم] واحد متکلم ماضی از هَامَ هِيَامًا محبت کرنا، آوارہ پھرنا، عشق میں سرگشتہ ہونا۔ هَيَمَان: سرگشتگی، سرشاری۔

تشریح: جب رنج وغم مجھے ستاتے ہیں، رنجیدہ کرتے ہیں، تو مَیں سرگشتہ ہو جاتا ہوا اور اسی حال میں بے ساختہ پکار اٹھتا ہو کہ......۔ قلتُ کا مقولہ اگلے شعر میں آرہا ہے۔

﴿۱۶۲﴾﴿۱۶۳﴾

لِلّٰهِ شَيْئًا لِلْفَقِيْرِ الْعَانِيْ	يَا شَيْخُ عَبْدَ الْقَادِرِ الْجِيْلَانِيْ
لِلّٰهِ شَيْئًا لِلْأَثِيْمِ الْجَانِيْ	يَا ابْنَ الْكَرِيْمِ الدَّائِمِ الْغُفْرَانِ

اے شیخ عبد القادر جیلانی! فقیر غم کے قیدی کو اللہ کے واسطے کچھ عطا کیجیے۔ اے دائمی کرم و بخشش کرنے والے (یعنی حضور اکرم ﷺ) کے لختِ جگر! اللہ کے واسطے گناہگار مجرم کو کچھ عطا کیجیے۔

حل لغات: اَلْعَانِي: [الأسير] قیدی۔ الأثيم: گناہ گار۔ الجاني: مجرم۔

تشریح: جب غموں نے گھیرا تو مَیں بے ساختہ پکار اٹھا کہ اے غوث اعظم! خدا کے واسطے میری امداد فرمائیے۔ باقی مطلب واضح ہے۔ الكريم الدائم الغفران کی وضاحت حاشیہ میں یوں فرماتے ہیں:

يراد به النبي ﷺ والغفور من اسمائه كما في سبل الهدى والرشاد

(کریم الدائم الغفران سے) نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے۔ الغفور آپ کے اسما میں سے ہے، جیسا کہ (کتاب) سبل الہدی والرشاد میں آیا ہے۔

﴿۱۶۴﴾

أَعْيَى الْبَصَائِرَ دَرْكُ سِرِّكَ وَالنُّهَى
نَكَصَتْ بِلا شُرْبٍ إِلَى الْأَعْطَانِ

آپ کے راز (مقام ومرتبہ) کے ادراک نے بصیرتوں کو عاجز کر دیا اور عقلیں بغیر پیئے ہی اپنے ٹھکانوں کی طرف لوٹ گئیں۔

حل لغات: أَعْيَى: [درماندہ کرد] واحد مذکر غائب ماضی (از افعال) بمعنی تھکانا، عاجز کرنا۔ دَرْكٌ: [ادراک]۔ النُّهَى: [خردہا] عقلیں۔ نَكَصَتْ: [رَجَعَتْ] واحد مؤنث غائب ماضی از نَكَصَ عَلَى عَقِبَيْهِ نَكْصًا پیچھے ہٹنا، لوٹنا۔ أَعْطَان: عطن کی جمع بمعنی اونٹ کے سیراب ہونے کے بعد بیٹھنے کی جگہ۔

تشریح: جناب غوثیت مآب کی مدح کی طرف آتے ہیں۔ عرض کرتے ہیں کہ اے محبوب سبحانی! آپ کا مقام ومرتبہ ایسا بلند ہے کہ اس کے راز کو جاننے اور اس کی حقیقت تک پہنچنے میں اہل بصیرت عاجز ودرماندہ ہیں۔ اہل عقل وخرد نے ہمت کی کہ وہ آپ کے مقام ومرتبے کی حقیقت تک پہنچیں لیکن وہ ناکام ونامراد واپس آ گئے۔ اسی مفہوم کو اردو میں یوں بیان فرماتے ہیں:

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

حضرت تاج الفحول فرماتے ہیں:

حقیقت کس نے پہچانی ہے یا محبوب سبحانی
بقدرِ معرفت ہر اک تری تعریف کرتا ہے

عرب میں اونٹنیوں کو پانی پلانے کے لیے لے جاتے تھے، پانی پی کر اونٹنیاں واپس اپنے ٹھکانے پر آتی تھیں اس ٹھکانے کو ’العطن‘ کہتے تھے، اعطان اسی کی جمع ہے۔ اونٹوں کا بغیر پیئے واپس آنا کنایہ ہے ان کی ناکامی ونامرادی سے، گویا طائر خرد نے آپ کے مقام ومرتبے کے ادراک کے لیے پرواز تو بھری تھی لیکن آپ کے مرتبے کا ادراک کرنے میں کامیاب نہ ہوا اور بالآخر ناکام ونامراد واپس آ گیا۔ اعطان کی وضاحت کرتے ہوئے بین السطور میں لکھتے ہیں:

عطن مرجع الإبل ومأواها بعد الشرب

﴿١٦٥﴾

فَالْقَوْلُ قَوْلُ الصُّمِّ فِي الْأَصْوَاتِ	وَالْمَدْحُ مَدْحُ الْعُمْيِ لِلْأَلْوَانِ

لہٰذا آپ کے سلسلے میں بات کرنا بہروں کا آوازوں کے متعلق بات کرنا ہے اور آپ کی تعریف وتوصیف اندھوں کے رنگوں کی تعریف کرنے کی مثل ہے۔

حل لغات: صُمٌّ: أَصَم کی جمع بمعنی بہرہ۔ عُمْیٌ أَعْمَی کی جمع بمعنی اندھا۔

تشریح: پیچھے کہا تھا کہ آپ کے مقام کے ادراک میں عقلیں عاجز ہیں، اسی مفہوم کو مزید آگے بڑھاتے ہیں کہ جب یہ بات ہے تو گویا آپ کے بارے میں ہمارا کچھ کہنا ایسا ہی ہے جیسے بہرے لوگ آوازوں کے بارے میں گفتگو کریں، جب بہرا آواز سن ہی نہیں سکتا تو بھلا ان کے حسن وقبح پر کیا اظہار خیال کر سکتا ہے؟۔ آپ کی مدح کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی نابینا رنگوں کی صفات بیان کرے جب اس نے رنگ دیکھے ہی نہیں ہیں تو کیا خاک رنگوں پر گفتگو کر سکے گا۔

﴿١٦٦﴾

مَنْ قَالَ لَيْسَ وَرَاءَ عَبَّادَانَ شَيْ	أَنْتَ الْوَرَاءُ وَرَاءَ عَبَّادَانِ

کون کہتا ہے کہ عبّادان کے بعد کوئی چیز نہیں ہے، آپ عبّادان کے ماورا ہیں۔

تشریح: کوئی شخص کسی وصف یا کمال میں انتہائی مرتبے کو پہنچ جائے کہ اس کے بعد کوئی اور مرتبہ متصور نہ ہو تو ایسے موقع پر عربی میں یہ مثل استعمال ہوتی ہے کہ 'لیس وراء عبادان قرية' یعنی عبادان کے بعد کوئی گاؤں نہیں ہے، چونکہ عبادان ایک ایسے مقام پر آباد ہے کہ اس کے بعد خشکی نہیں ہے بلکہ سمندر ہے۔ فاضل بریلوی حاشیہ میں وضاحت فرماتے ہیں:

> مثل للعرب إذا أرادوا أن فلاناً منتهى النهايات قالوا ليس وراء عبادان قرية
>
> ترجمہ: یہ عرب کی ایک مثل ہے، جب وہ (اس مفہوم کا) قصد کرتے ہیں کہ فلاں شخص آخری انتہا پر پہنچا ہوا ہے تو کہتے ہیں ليس وراء عبادان قرية

اب شعر کا مفہوم ملاحظہ کریں۔ فرماتے ہیں کہ جناب غوثیت مآب محبوب سبحانی ولایت وقطبیت کے ایسے مقام پر فائز ہیں کہ ان کے بارے میں یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ''عبادان کے بعد کچھ نہیں'' کیوں کہ عبادان کے بعد بھی آپ کی ولایت وقطبیت کا سکہ چل رہا ہے۔

مصرع ثانی میں لفظ شَـيْ وارد ہے، یہ دراصل ہمزے کے ساتھ شَـيْءٌ ہے، لیکن ضرورت شعری کی وجہ سے ہمزہ حذف کر دیا گیا، بین السطور میں لکھتے ہیں ''شَيْ بتخفيف الهمزة''۔

﴿۱۶۷﴾﴿۱۶۸﴾﴿۱۶۹﴾﴿۱۷۰﴾

يَـامَـنْ مَـكَـانَتُـهُ بِـجَـمْـعِ الْأَوْلِيَـا	كَـمَـكَـانَةِ الْأَرْوَاحِ فِي الْأَبْـدَانِ
وَالْبَـحْرِ فِي الْأَنْهَـارِ وَالْـقُرْآنِ فِي الْـ	أَسْـفَـارِ وَالْاٰبَـاءِ فِـي الْـوِلْـدَانِ
وَالنُّوْرِ فِي الْإِ نْسَانِ وَ الْإِ نْسَانِ في الْـ	أَعْيَـانِ وَالْأَعْيَـانِ فِـي الْـجُثْـمَـانِ
وَالـطِّيْـبِ فِـي الرَّيْحَانِ وَالرَّيْحَانِ فِي الْـ	قُـضْبَـانِ وَالْـقُضْبَـانِ فِي الْعِيْدَانِ

اے وہ ذات پاک! جس کا مرتبہ ومقام تمام اولیا کے درمیان ایسا ہی ہے جیسا کہ روحوں کا مرتبہ جسموں میں ہے، سمندر کا مرتبہ نہروں کے درمیان، قرآن کا کتابوں اور آبا کا اولاد کے درمیان ہے اور جیسا روشنی کا مرتبہ پتلی میں اور پتلی کا آنکھوں میں اور آنکھوں کا جسموں میں ہے اور جیسا کہ خوشبو کا مقام پھول میں اور پھول کا شاخوں میں اور شاخوں کا تنوں میں ہے۔

حل لغات: أَسْفَار: [کتب] سِفْرٌ کی جمع بمعنی کتاب۔ الإِنْسَان: [مردمک] آنکھ کی پتلی۔ أَعيان: [چشمان] العین کی جمع بمعنی آنکھ۔ جُثْمَان: [تن] بدن۔ قُضبان: [شاخہا] قَضِيْبٌ کی جمع بمعنی کٹی ہوئی شاخ۔ عِيْدَان: [چوبہا] عود کی جمع بمعنی لکڑی۔

تشریح: یہ اشعار کسی بھی تشریح وتوضیح سے بے نیاز ہیں، سوائے سبحان اللہ ماشاء اللہ کہنے کے ان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا جا سکتا۔

﴿۱۷۱﴾

أَدْعُـوْكَ بِـالْقَلْبِ الْحَزِيْنِ وَقَدْ مَضَى	أَنْ لايُـجَـازَى الْـحُـزْنُ بِـالْـحِرْمَانِ

مَیں آپ کو غمزدہ دل سے پکار رہا ہوں اور طریقہ رہا ہے کہ (غمزدہ کو) حزن کے بدلے میں محرومی نہیں دی جاتی۔

حل لغات: حَزِيْنٌ: غمگین۔ حرمان: محرومی۔

تشریح: ماضی میں یہ کریموں کی سنت رہی ہے کہ جب غمزدہ ان کو مدد کے لیے پکارتا ہے تو وہ غم کے بدلے خوشی اور مسرت عطا کرتے ہیں نہ کہ وہ غمزدہ کو محروم کریں۔ قد مضى کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: أي أن هذا سنة ماضية۔ یعنی گذشتہ زمانے سے یہی سنت چلی آرہی ہے۔

﴿۱۷۲﴾

إنْ لَـمْ تَـكُـنْ لِيْ قُـرْبَةٌ إِلَّا الْـوِلا
فَـوِلاکَ أَوْجَـهُ أَوْجُـهِ الْـقُـرْبَـانِ

اگر میرے پاس سوائے (آپ کی) محبت کے کوئی نیکی وعبادت نہیں ہے تو آپ کی محبت قرب کے اسباب میں سب سے عمدہ سبب ہے۔

حل لغات: أَوْجَهُ : اسم تفضیل بمعنی سب سے زیادہ وجاہت والا، سب سے عمدہ۔ أوْجُهْ: [وجوہ] وجہ کی جمع اسباب۔ القُرْبَان: [نزدیکی] ہر وہ چیز جس سے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے۔

تشریح: آپ کی محبت، آپ کی عقیدت اور آپ کی نسبت کے علاوہ میرے پاس کوئی نیک عمل یا عبادت نہیں ہے جس کے ذریعے مَیں قرب حاصل کرسکوں، مگر میرا یقین ہے کہ آپ کی محبت ہی قرب الٰہی کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے۔ اردو قصیدے میں اسی مفہوم کو یوں ادا فرماتے ہیں:

بد سہی، چور سہی ، مجرم و ناکارہ سہی
اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا

﴿۱۷۳﴾

أَوْرَدْتُ رَاحِـلَتِـي مَـوَارِدَ حُبِّـكُـمْ
اَلْـحَـمْـدُ لِـلّٰـهِ الَّـذِي آوَانِـيْ

مَیں اپنی سواری آپ کی محبت کے گھاٹ پر لے آیا ہوں تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے پناہ دی۔

حل لغات: أَوْرَدْتُ : مَیں لے آیا از أَوْرَدَ يُوْرِدُ بمعنی لانا، حاضر کرنا۔ رَاحِلَةٌ: سواری۔ مَوَارِد: مَوْرِد اسم ظرف کی جمع بمعنی گھاٹ، کنارہ۔

تشریح: آپ کے دریائے محبت کے کنارے پر جہاں عشاق کے قافلے اترتے ہیں اور سیراب ہوتے ہیں مَیں بھی اپنی سواری کو وہیں لے آیا ہوں اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس کے فضل نے مجھے یہاں تک پہنچایا۔

﴿۱۷۴﴾

لَـمْ أَعْتَـقِـدْ فِيْـكُـمْ بِسُـوءٍ سَـاعَةً
اَلْـحَـمْـدُ لِـلّٰـهِ الَّـذِي عَـافَـانِـيْ

مَیں نے آپ کے متعلق ایک لمحے کو بھی کوئی بُرا اعتقاد نہیں رکھا۔ اللہ رب العزت قابل

حمد ہے جس نے مجھے اس سے عافیت دی۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔ دوسرے مصرع میں ایک دعائے ماثور کا اقتباس ہے، امام ترمذی حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی کسی مبتلا کو دیکھے تو یہ کہے:

الحمد لله الذي عافاني مما ابتلاك به وفضلني على كثير ممن خلق تفضيلا

تو وہ جب تک زندہ رہے گا اس بلا سے محفوظ و مامون رہے گا۔ (جامع ترمذی: حدیث نمبر ۳۴۳۲/۳۴۳۱)

﴿۱۷۵﴾

يَـا غَـوْثَـنَـا قَـلْبِـيْ يَـجُـوْدُ بِنَفْسِـهٖ	وَنَـدَاکَ خَيْـرُ نَـدٍ عَـلَـى الْمَوْتَـانِ

اے ہمارے فریادرس! میرا دل حالت نزع میں ہے اور آپ کی بارش تو مردوں کے لیے بہترین بارش ہے۔

حل لغات: يَـجُوْدُ بِنَفْسِهٖ: [هو في النزع] وہ جان دے رہا ہے، مضارع واحد مذکر غائب از جَـادَ بِـنَـفْسِـهٖ بمعنی جان دینا۔ نَـدَى: [باران] شبنم، بارش۔ نَـدٍ: [بخشائندہ] عطا کرنے والا، فیاض، سخی۔

تشریح: الموتان سے مردہ زمین یعنی بنجر زمین مراد ہے، بین السطور میں فرماتے ہیں:

يريد الأرض الميتة كما ورد في الحديث

ترجمہ: یہاں بنجر زمین مراد ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

یعنی موتان کا اصل معنی تو مردہ انسان ہے، مگر مجازاً بنجر زمین کو بھی 'موتان' کہا جاتا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ایک حدیث میں وارد ہے کہ حضور رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مـوتـان الأرض لـلـه ولرسوله فمن أحيا منها شيئاً فهي له (سنن کبری بیہقی: ج ٦/ص ۱۴۳، الجامع الصغیر سیوطی: حدیث ۲۱۹۱)

شعر کا مطلب یہ ہے کہ میرے دل سے جان نکل رہی ہے، وہ مردہ ہوتا جا رہا ہے، آپ اپنی جود و عطا کی بارش اس پر برسا کر اسے زندہ فرما دیجیے، کیونکہ آپ کے فضل و کرم کی بارش مردوں کو زندہ

کرنے اور بنجر زمین کو سرسبز کرنے کے لیے بہترین بارش ہے۔

﴿۱۷۶﴾

أَيُصِيْبُهُ مَوْتٌ وَأَنْتَ مَسِيْحُهُ	وَ مُحِيُّ دِيْنِ اللّٰهِ لا يَنْسَانِيْ

کیا اس دل کو موت آسکتی ہے حالانکہ آپ اس کے مسیحا ہیں اور اللہ کے دین کو زندہ کرنے
والا مجھے فراموش نہیں کرے گا۔

تشریح: قلب مردہ کو اپنی بارش لطف وکرم سے زندہ کرنے کی درخواست کی تھی، اب فرماتے ہیں کہ وہ دل کس طرح مردہ ہوسکتا ہے جس کے مسیحا آپ ہوں، آپ نے تو اللہ کے دین کو زندہ فرمایا جس کے سبب آپ کو 'محی الدین' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، تو دین کو زندہ کرنے والا میرے دل کو کس طرح فراموش کرسکتا ہے یقیناً وہ اس کی مسیحائی فرمائے گا۔

﴿۱۷۷﴾

جُدْلِيْ بِمَا أَمَّلْتُهُ يَا مَوْئِلِيْ	يَا رُوْحَ دِيْنٍ أَطْيَبِ الْأَدْيَانِ

اے میرے مأوی وملجا! مجھے وہ چیز بخش دیجیے جس کی مَیں نے (آپ سے) امید کی ہے۔
اے ایسے دین کی روح جو دینوں میں سب سے پاکیزہ ہے۔

حل لغات: جُدْ: فعل امر واحد مذکر حاضر معروف از جَادَ یَجُوْدُ بمعنی بخشش کرنا، جُدْ لِي [بخشش بہر من]۔ أَمَّلْتُ: [رَجَوْتُ] ماضی واحد متکلم، مَیں نے امید کی۔ مَوْئِلٌ: جائے پناہ۔ [مَوْئِلِي: مَلاذِيْ]۔

تشریح: شعر کسی تشریح کا محتاج نہیں۔

﴿۱۷۸﴾

إنْ كَانَ أَرْضِيْ صَفْصَفًا قَاعًا فَلا	بَأْسٌ وَلا يَاْسٌ مِنَ الْإِغْضَانِ

اگر میری زمین چٹیل بے آب وگیاہ ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ موسلا دھار بارش
سے ناامیدی ہے۔

حل لغات: صَفْصَفٌ: [زمین ہموار بے اشجار]۔ القَاع: [دشت بے آب وگیاہ]۔ الإِغْضَان: [باران دائم] لگاتار برسنے والی بارش۔

تشریح: اگر مَیں ایک چٹیل اور بے آب وگیاہ میدان کی طرح بے ثمر اور بے شجر ہوں تو کیا ہوا، آپ کی بارش کرم نے تو صحراؤں میں پھول کھلائے ہیں، بے آب و گیاہ میدانوں کو سرسبز و شاداب کر دیا ہے۔ لہٰذا آپ کے فیضان کرم سے مایوسی ونا امیدی نہیں ہے، کیوں کہ......ع

کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا

صفصفاً قاعاً قرآنی الفاظ ہیں، ارشاد باری ہے:

ویسئلونك عن الجبال فقل ینسفها ربي نسفا فیذرها قاعاً صفصفًا

لا ترى فیها عوجاً ولا أمتا (طہ: آیت: ۱۰۵ تا ۱۰۷)

ترجمہ: یہ لوگ آپ سے پہاڑوں کی نسبت پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ میرا رب ان کو ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا، پھر اسے ہموار اور بے آب وگیاہ زمین بنا دے گا، جس میں آپ نیچا اور اونچا نہیں دیکھیں گے۔

لا بأسٌ ولا یأسٌ دونوں حالت رفعی میں ہیں اور منوّن ہیں، اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

على أحد الوجوه الخمسة في الحوقلة

حوقلہ (لاحول ولاقوۃ الا باللہ) کی پانچ وجوہ میں سے ایک پر ہے۔

یعنی نحویوں نے حوقلہ میں جو اعراب کی پانچ صورتیں جائز بتائی ہیں ان میں ایک صورت یہ ہے کہ دونوں اسم مرفوع اور منوّن ہوں جیسا کہ یہاں ہے۔

﴿۱۷۹﴾

فَالْقَفْرُ لَيْسَ بِمُقْفِرٍمِنْ جُوْدِكُمْ	والْجَوْدُ لا يَخْتَصُّ بِالْبُسْتَانِ

(اس لیے کہ) دشت و بیاباں آپ کی جود وسخا سے خالی نہیں، (بخشش وعطا کی) بارش باغوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی۔

حل لغات: القَفْرُ: [دشت] بے آب وگیاہ زمین۔ مُقْفِرٌ: [خالی]۔ جُوْدٌ: [باران نیکو] موسلا دھار بارش، بارش کرم۔

تشریح: اگر میرے دل کی زمین بنجر ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں مَیں اس کی سرسبزی وشادابی سے مایوس نہیں ہوں کیوں کہ میرا اعتماد وبھروسہ آپ کی ذات پر ہے اور آپ کا فیضان ہر خاص وعام پر

جاری ہوتا ہے، جس طرح موسلا دھار بارش جب ہوتی ہے تو وہ صرف باغوں اور گلشن ہی پر نہیں ہوتی بلکہ وہ بنجر زمینوں اور چٹیل میدانوں پر بھی ہوتی ہے۔

﴿۱۸۰﴾

كَمْ زَهَرَةٍ بَسَمَتْ بِغَيْثٍ فِيْ الْفَلَا	كَشَقَائِقِ النُّعْمَانِ وَالظَّيَّانِ

صحرا میں بھی بارش سے گل لالہ اور یاسمین کی طرح کتنے ہی شگوفہ کھلے اور مسکرائے۔

حل لغات: زَهْرَةٌ : [شگوفہ] پھول۔ بَسَمَتْ: [شگفت] کھلا۔ غَيْثٌ: بارش۔ فَلَا: [دشتہا] بیابان۔ شَقَائِقُ النُّعْمَان: [لالہ صحرائی] شقیقۃ النعمان کی جمع بمعنی گل لالہ۔ ظَيَّان: [یاسمن صحرائی]۔

تشریح: گذشتہ شعر میں جو دعویٰ کیا تھا اب اس کی دلیل دے رہے ہیں کہ لالہ صحرائی (شقائق نعمان) اور یاسمین (ظیان) تو ایسے پھول ہیں جو صحرا ہی میں ہوتے ہیں، ان پر بارش ہوتی ہے جس سے یہ کھل اٹھتے ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ بارش صرف باغوں اور گلزاروں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس کا فیض صحراؤں کو بھی پہنچتا ہے۔

﴿۱۸۱﴾

لا بَأْسَ أَنْ أَوْرَتْ ذُنُوْبِيْ نَارَهَا	تُطْفِيْ حَرِيْقَ شَنَانِهَا بِشُنَانِ

کوئی حرج نہیں ہے کہ میرے گناہوں نے اس کی آگ کو بھڑکایا، آپ اس کی دشمنی کی آگ کو پانی کے چھینٹوں سے بجھا دیں گے۔

حل لغات: أَوْرَتْ: [افروخت] ماضی واحد مؤنث غائب از أَوْرَى النَّار بمعنی آگ جلانا، بھڑکانا۔ تُطْفِيْ: مضارع واحد مذکر حاضر از اطفأ النار بمعنی آگ بجھانا۔ حَرِيْقٌ: آگ کا شعلہ۔ شَنَانٌ: [بِالْفَتْحِ العَدَاوَةُ ط م] دشمنی۔ شُنَانٌ: [چھینٹا] پانی کا چھینٹا۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔ یہاں تطفي صیغہ واحد مذکر حاضر ہے، حریق شنانها مضاف مضاف الیہ اس کا مفعول ہے، بشنان ظرف لغو ہے۔ بعض شارحین نے تطفي کو صیغہ واحد مؤنث غائب مانا ہے، جس سے شعر کا معنی ہی خبط ہو کر رہ گیا۔

﴿۱۸۲﴾

فَاجْعَلْ عُبَيْدَكَ هَادِيًا مَهْدِيًّا	يَمْحُو الضَّلَا لَهٗ فِيْ رِضَا الرَّحْمٰنِ

اے شاہ جیلانی! آپ اپنے اِس حقیر غلام کو ہدایت یافتہ رہنمائی کرنے والا بنا دیں جو پروردگار رحمٰن ورحیم کی خوشنودی کے لیے گمراہی وبدعقیدگی کو مٹائے۔

حل لغات: عُبَیْدٌ: عَبْدٌ کی تصغیر ہے بمعنی حقیر غلام۔ ھَادِي: ہدایت دینے والا۔ مَھْدِي: ہدایت یافتہ۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔

﴾۱۸۳﴿

أَأُضَاعُ فَقْرًا أَمْ أُضَامُ مَذَلَّةً	أَوَلَسْتَ أَنْتَ بِضَامِنِيْ وَضَمَانِيْ

کیا مَیں فقر ومفلسی کے باعث ضائع (برباد) ہوجاؤں گا؟ یا ذلیل ورسوا کر کے مجھ پر ظلم کیا جائے؟ کیا آپ میرے ضامن وکفیل نہیں ہیں؟

حل لغات: أأُضَاعُ: کیا مَیں ضائع کر دیا جاؤں گا، مضارع مجہول واحد متکلم۔ أأُضَامُ: [أُظْلَمُ] کیا مجھ پر ظلم کیا جائے گا، مضارع مجہول واحد متکلم۔ مَذَلَّةٌ: مصدر بمعنی ذلت۔

تشریح: یعنی ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ جب آپ میرے ضامن اور کفیل ہیں تو مَیں نہ فقر ومفلسی کے باعث تباہ وبرباد ہوں گا اور نہ ہی مجھ پر کوئی ظلم کر کے مجھے ذلیل ورسوا کر سکے گا۔

﴾۱۸۴﴿

هٰذِيْ هُمُوْمٌ كُلُّهَا دَاءٌ وَلا	كَرَزِيَّةٍ أَلْقَى مِنَ الْهِجْرَانِ

یہ تمام غم واندوہ یقیناً بیماری ہیں مگر ہجر وفراق کی تکلیف سے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہیں۔

حل لغات: رَزِيَّةٌ: [مصیبت]۔

تشریح: جو کچھ مَیں نے بیان کیا ہے یقیناً وہ بیماری، پریشانی اور مصیبت ہے، مگر یہ تمام مصیبتیں اور ان کی تکالیف ایک طرف اور آپ کے ہجر وفراق کا صدمہ ایک طرف، یہ مصیبتیں مل کر بھی اُس صدمے کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو مجھے آپ کی جدائی کی وجہ سے پہنچ رہا ہے۔ اپنے اردو قصیدے 'ذریعہ قادریہ' میں فرماتے ہیں:

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے　　　　کہ یہاں مرنے پہ ٹھیرا ہے نظارہ تیرا

﴾۱۸۵﴿

يَا وَيْحَ مَنْ يَنْحَى إِلَيْکَ فَيَعْتَرِيْ	شُؤْمُ الذُّنُوْبِ وَ أُلْفَةُ الْأَوْطَانِ

ہائے افسوس اس شخص پر جو آپ (کی بارگاہ میں حاضری) کا قصد کرے پھر اس پر گناہوں کی نحوست اور وطن کی محبت طاری ہو جائے۔

حل لغات: یَاوَیْحَ: [کلمہ تحسر وترحم] ہائے افسوس۔ یَنْحی: [یَقْصِدُ] مضارع واحد مذکر غائب از نَحی یَنْحی إِلی...... بمعنی قصد کرنا۔ یَعْتَرِي: مضارع واحد مذکر غائب از اِعْتَرَی یَعْتَرِي الأَمْر بمعنی پیش آنا، طاری ہونا۔ شُؤْمٌ: [نحوست]۔

تشریح: گناہوں کی نحوست اور وطن کی الفت ومحبت اس کے پاؤں کی زنجیر بن جائے اور وہ حاضری سے محروم رہے۔

﴿۱۸۶﴾

نَالَ الْفِرَاقُ مِنَ الْفُؤَادِ مَرَامَهُ	هَيْهَاتَ لِلْإِسْلَاءِ وَ الْإِسْكَانِ

جدائی اور فراق نے دل سے اپنا مقصد ومراد پالیا، (لہٰذا) تسلی دیا جانا اور سکون پہنچایا جانا محال ہے۔

حل لغات: مَرَام: مقصد۔ إِسْلَاءٌ: [تسلی دادہ شدن] تسلی دینا۔ إِسْکَان: [آرام دادہ شدن] آرام دینا، آرام پہنچانا۔

تشریح: اب جب کہ فراق نے اپنا مقصد پا ہی لیا ہے تو پھر کیونکر تسلی دی جاسکتی ہے یا کس طرح سکون پہنچایا جاسکتا ہے۔ الإسلاء اور الإسکان کے بارے میں فرماتے ہیں: المصدران مبنیان للمفعول۔

﴿۱۸۷﴾

كَيْفَ الْوُصُوْلُ إِلَيْکَ يَا رُوْحَ الْمُنَى	يَا رَاحَتِيْ يَا سَلْوَةَ الْأَحْزَانِ

اے امیدوں کی جان! اے میرا چین وقرار! اے غموں کی تسلی! (یہ فرمائیں کہ) آپ کی بارگاہ تک رسائی کیسے ہوگی؟۔

حل لغات: سَلْوَةٌ: [تسلی]۔

تشریح: مطلب ترجمے سے ظاہر ہے۔

﴿۱۸۸﴾

كَيْفَ الْوُصُوْلُ وَحَالَ بَحْرٌ بَيْنَنَا	وَسَفِيْنَتِيْ مُتَلَاطِمُ الطُّوْفَانِ

(آپ کی بارگاہ تک) رسائی کیسے ہو؟ حالانکہ ہمارے درمیان سمندر حائل ہے اور میری کشتی طوفان کا مرکز تلاطم ہے۔

حل لغات: حَالَ: [حائل شدن] حائل ہونا۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔ بین السطور میں متلاطم کے نیچے لکھا ہے 'ظرف'، مطلب یہ ہوا کہ میری کشتی طوفان کی تلاطم گاہ ہے۔ اسی لیے ہم نے ترجمہ 'مرکز تلاطم' کیا ہے۔

﴿۱۸۹﴾

أَمْ كَيْفَ يَرْجُو الْوَصْلَ عَبْدٌ بَاءَ فِيْ	سِجْنِ الشُّجُوْنِ بِأَسْوَءِ الْإِرْسَانِ

یا وہ غلام کیسے رسائی کی امید کرسکتا ہے جو غموں کے قید خانے میں رسیوں سے بری طرح بندھا ہے۔

حل لغات: ۔سِجْنٌ: قید خانہ۔ شُجُوْن: شَجَنٌ کی جمع بمعنی غم۔ أَسْوَءُ: اسم تفضیل بمعنی بہت برا۔ إِرْسَان: جانور کے گلے میں رسی ڈالنا، رسی سے جکڑنا۔

تشریح: مطلب ترجمے سے واضح ہے۔ 'باء' کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے ''أي رجع صار مآل أمره إلى ذلك''۔ الإِرْسَان کو اگر الأَرْسان پڑھیں تب بھی درست ہے، حاشیہ میں فرماتے ہیں:

> إن فتحت الهمزة فجمع رسن بفتحتين أو كسرت فمصدر أي برسن بستن۔
> اگر آپ اس کو زبر دیں تو یہ 'رسن' (را اور سین کے زبر کے ساتھ) کی جمع ہوگی،
> اور اگر زیر دیں تو یہ مصدر ہوگا، یعنی رسی سے باندھنا۔

﴿۱۹۰﴾

قَلْبٌ شَجٍ مُشْجًى شَجِيْجٌ شَاجِنٌ	أَوَّهْ مِنَ الإِشْجَاءِ وَالإِشْجَانِ

میرا ایک ایسا دل ہے جو غمگین وغمناک ہے، زخمی ہے، محزون ہے۔ ہائے (اس کا) غمگین وغمزدہ کرنا۔

حل لغات: شَجٌ: [غمناک]۔ مُشْجًى: [درغصہ انداختہ شدہ]۔ شجیج: [زخمی] شَاجِنٌ: [محزون]۔ أَوَّهْ: بمعنی آہ۔ الإِشْجَاءُ: [غمگین کردن] مصدر غمگین کرنا۔

تشریح: مطلب ترجمے سے واضح ہے۔ قلبٌ کی وضاحت فرماتے ہیں ''أي لی قلب أو

هذا ’’یعنی قلب سے پہلے یالي محذوف ہے یاھذا محذوف ہے۔ برتقدیراول ترجمہ ہوگا ’’میرا دل غمگین ہے‘‘، برتقدیر ثانی ترجمہ ہوگا ’’یہ دل غمگین ہے‘‘۔

بیت کے مفردات کے درمیان جو جناس بلاغی ہے اس کا حسن اور لطف مخفی نہیں۔

﴿۱۹۱﴾

اُرْفُقْ بِنَفْسِکَ یَا مُذَکِّرَ هَمِّهٖ	هُوَ عَالِمُ الْأَسْرَارِ وَالْأَعْلَانِ

(خود کو مخاطب کرتے ہیں کہ) اے غم کو یاد دلانے والے! اپنی جان پر نرمی کر، وہ ذات خفی وجلی چیزوں کو جاننے والی ہے۔

حل لغات: اُرْفُقْ بِنَفْسِكَ: [نرمی کن] اپنی جان پر نرمی کر۔ مُذَكِّرٌ: اسم فاعل از تفعیل بمعنی یاد دلانے والا۔ الأَسْرَار: [نہاں ہا] سِرٌّ کی جمع، چھپی ہوئی چیزیں۔ الأَعْلَان: [عیاں ہا] علن کی جمع، ظاہر چیزیں۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔

﴿۱۹۲﴾

فِیْهِ اسْتَجِرْ وَاسْتَجْرِ أَعْیَانَ الْغِنَی	وَبِهِ اسْتَعِنْ وَاسْتَغْنِ عَنْ أَعْوَانِ

اسی ذات میں پناہ گاہ تلاش کر، غنا کے چشمے جاری کرنے کی درخواست کر، انہیں سے مدد طلب کر اور دیگر مددگاروں سے بے نیاز ہو جا۔

حل لغات: اِسْتَجِرْ: [پناہ جوئے] **فعل امر از اِسْتَجَارَ بمعنی پناہ طلب کر۔** اِسْتَجْرِ: [اطلب جريانها] چشمہ جاری کرنے کو طلب کرنا۔ أَعْيَان: [چشمہا]۔ اِسْتَغْنِ: [بے نیاز شو]۔ أَعْوَان: [مددگار]۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔

﴿۱۹۳﴾

لَهَفَی عَلَیْکَ لَهَوْتَ أَمْ لَمْ تدْرِ أَنْ	غَشِيَ الْبَلَاءُ وَأَنْتَ فِيْ غَشَیَانِ

تجھ پر مجھے افسوس ہے کہ تو نے کھیل کود کیا، یا ناواقف ہے کہ مصائب وبلا نے گھیر لیا اور تو ابھی تک غفلت وبے ہوشی میں ہے۔

حل لغات: لَهَفَى: [افسوس]۔ لَهَوْتَ: **ماضی واحد مذکر حاضر از لَهَا لَهْوًا کھیلنا، تفریح کرنا۔** غَشِيَ: [أَحَاطَ] گھیر لیا، چھا گیا۔ غَشَيَان: [بے ہوشی]۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔

۱۹۴

أَظَلُوْمُ إِنَّ الْعُمْرَ ظِلٌّ زَائِلٌ	وَالْمَوْتُ مَأْتِيٌّ وَكُلٌّ فَانِ

اے بہت ظلم وستم کرنے والے! بے شک عمر ڈھلتا سایہ ہے، موت آنے والی ہے اور ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

حل لغات: أ: حرف ندا۔ ظَلُوْمٌ: اسم مبالغہ بمعنی بہت زیادہ ظلم کرنے والا۔ ظِلٌّ زَائِلٌ: ڈھلتی چھاؤں۔ مَأْتِيٌّ: آنے والا۔

تشریح: مَأتِيٌّ کے بارے میں فرماتے ہیں:

أي آت على حد قوله تعالى إنه كان وعده ماتيا (مریم: آیت ۶۱)

(ماتی) یعنی آنے والا، اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق کہ 'اس کا وعدہ آنے والا ہے'۔

دوسرے مصرع میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

کل من علیها فان (الرحمٰن: آیت ۲۶)

جو بھی زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے۔

۱۹۵ ۱۹۶

فَمَتَى تَلُوْذُ بِجَاهِهٖ وَتَقُوْلُ يَا	اَللّٰهُ يَا رَبَّاهُ يَا حَنَّانِيْ
يَا حَقُّ يَا سُبُّوْحُ يَا قُدُّوْسُ يَا	مَنْ لا يَسُوْغُ لِغَيْرِهٖ سُبْحَانِيْ

تو کب اس کی جاہ کے ذریعے پناہ حاصل کرے گا اور کہے گا اے اللہ! اے رب! اے حنان! اے حق! اے سبوح! اے قدوس! اے وہ کہ جس کے سوا کسی کو سبحانی کہنا جائز نہیں۔

حل لغات: تَلُوْذُ: مضارع واحد مذکر حاضر از لَاذَ يَلُوْذُ بمعنی پناہ گیر ہونا، پناہ حاصل کرنا۔ لَايَسُوْغُ: [لَايَجُوْزُ] از سَاغَ سَوْغًا بمعنی جائز ہونا۔

تشریح: آخر کب وہ وقت آئے گا جب تم حضور غوثیت کے وسیلے سے اللہ کو پکارو گے؟ یعنی اب وہ وقت آ گیا ہے کہ تم حضور غوثیت کی جاہ کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہو جاؤ۔

دوسرے شعر کے دوسرے مصرع کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی ایسا نہیں جو 'سبحانی' (یعنی

پاک ہے میری ذات) کہہ سکے، یہ تو اسی کے شایان شان ہے اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔

﴿۱۹۷﴾

اَلْـعَبْـدُ مُـعْتَـرِفٌ بِـمُـقْتَـرَفَـاتِـهٖ	وَيَـظُـنُّ أَنَّـکَ رَاحِـمُ الـنَّـدْمَـانِ

(یہ) بندہ اپنے گناہوں کا معترف ومقر ہے اور اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ تو شرمندہ اور پشیمان پر رحم فرمانے والا ہے۔

حل لغات: مُقْتَرَفَات [مکتسباته من الذنوب]: مُقْتَرَفَةٌ کی جمع بمعنی کیے ہوئے گناہ۔

تشریح: اب یہاں سے قصیدے کے اختتام تک بارگاہ الٰہی میں مناجات ہے۔ شعر کا مطلب واضح ہے۔ دوسرے مصرع میں واقع لفظ یَظُن کے بارے میں بین السطور میں فرماتے ہیں:

> أي يستيقن والظن بمعنى اليقين في القرآن كثير
>
> ترجمہ: (گمان کرتا ہے) یعنی یقین رکھتا ہے، اور لفظ 'ظن' قرآن میں کثیر مقامات پر 'یقین' کے معنی میں آیا ہے۔

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ خاشعین کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

> الذين يظنون أنهم ملقوا ربهم (البقرة:۴۶)
>
> جنہیں یقین ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملاقات کرنا ہے۔

یہاں باتفاق مفسرین ظن یقین کے معنی میں آیا ہے۔ اس کے علاوہ سورہ الجن آیت **۱۲**، سورہ الحاقة: آیت **۲۰**، سورہ القيامة: آیت **۲۸** میں بھی ظن یقین کے معنی میں ہے۔

﴿۱۹۸﴾

كَـمْ نِـعْـمَـةٍ أَوْلَـيْـتَ مَـا أَنَـا أَهْلُـهَـا	وَ مَـنَـحْـتَ مَـجَّـانًـا بِـلا أَثْـمَـانِ

کتنی ہی وہ نعمتیں تو نے عطا فرمائیں جن کا میں اہل نہیں تھا اور مفت بغیر قیمت کے تو نے بخش دیں۔

حل لغات: أَوْلَيْتَ: [أَعْطَيْتَ] واحد مذکر حاضر ماضی از أَوْلَى إِيْلَاءً کسی پر احسان کرنا۔ مَنَحْتَ: [وَهَبْتَ]: آپ نے عطا فرمایا۔ مَجَّانًا: [مفت]۔

تشریح: وہ نعمتیں کیا کیا ہیں ان کا بیان اگلے شعر میں ہے۔

۱۹۹

سَمْعًا فُؤَادًا نَاظِراً مُتَكَلِّمًا	رِجْلًا يَدًا وَالْعَدُّ قَدْ أَعْيَانِيْ

(ان نعمتوں میں) کان، دل، آنکھ، زبان، ہاتھ، پیر ہیں اور شمار کرنے نے مجھے تھکا دیا۔

حل لغات: سَمْعٌ: کان۔ فُؤَادٌ: دل۔ نَاظِرٌ: [چشم] آنکھ۔ مُتَكَلِّمٌ: زبان۔ العَدُّ: [شمار]۔ أَعْيَانِي: [درماندہ کرد] مجھے تھکا دیا۔

تشریح: وہ نعمتیں جو بلا استحقاق اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائی ہیں وہ یہ ہیں، اللہ کی نعمتوں کو کہاں تک گنوں؟ اس گنتی نے مجھے عاجز و درماندہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وإن تعدوا نعمة الله لاتحصوها (النحل: آیت ۱۸)
اگر اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو۔

۲۰۰

وَأَجَلُّهَا دِيْنُ النَّبِيِّ الْمُصْطَفَى	وَالْاِعْتِصَامُ بِحَبْلِ سَبْعِ مَثَانِيْ

اور ان نعمتوں میں سب سے جلیل القدر نعمت دین مصطفیٰ اور قرآن کریم کو مضبوطی سے تھامنا ہے۔

حل لغات: أَجَلُّ: اسم تفضیل بمعنی سب سے زیادہ عظیم۔ سَبْعَ مَثَانِي: [قرآن عظیم]۔

تشریح: جو نعمتیں اللہ نے عطا فرمائیں ان میں سب سے بڑی اور سب سے عظیم نعمت تو یہ ہے کہ اس نے اپنے پسندیدہ دین دینِ محمدی کی جانب ہدایت فرمائی اور قرآن کریم کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کی توفیق عطا فرمائی۔

سبع مثانی سورۂ فاتحہ کا نام ہے، مگر مصنف علام نے اس کی وضاحت میں ''قرآن عظیم'' لکھا ہے، یہ غالباً تسمیة الکل باسم الجز کی قبیل سے ہے۔

۲۰۱

أَخْضَلْتَ خَضْلَ خَضِيْلَتِيْ لِخُضُلَّتِي	بِالْجَوْدِ مِنْکَ وَلَمْ تَذَرْ لِدِهَانِ

(اے اللہ!) تو نے میری تازگیٔ زندگی کے واسطے میرے مرغزار کے پودے کو اپنی کثیر بارش سے سیراب کر دیا اور قلیل بارش کے لیے نہیں چھوڑا۔

حل لغات: أَخْضَلْتَ: [سیراب کردی] تو نے سیراب کیا۔ خَضْلٌ: [نبات سبز نازک]۔ سبز پودا۔ خَضِيْلَةٌ: [مرغزار سبز] سرسبز وشاداب باغ۔ خُضُلَّةٌ: [تازگی عیش] زندگی کا آرام و آسائش۔ جَوْدٌ: [باران کثیر] موسلا دھار بارش۔ دِهَان: [باران ضعیف] قلیل بارش۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔ پہلے مصرع میں مادہ خضل کے مسلسل الفاظ اور ان کی حسن ترتیب شاعر کی قادر الکلامی کی دلیل ہے۔

﴿۲۰۲﴾

أَيْقَظْتَنِيْ وَأَنَمْتَنِيْ وَعَصَمْتَنِيْ	مِمَّا يُسِيْءُ بِأَعْيُنٍ تَرْعَانِيْ

تو نے مجھے بیدار کیا، تو نے ہی مجھے سلایا اور تو نے ہی برائی سے میری حفاظت کی ایسی نگہبانی کے ذریعے جو میری حفاظت کرتی ہے۔

حل لغات: أَنَمْتَنِي: تو نے مجھے سلایا از أَنام يُنِيْمُ إنَامَةً۔

﴿۲۰۳﴾

مَاكَانَ صُبْحٌ فِي الدُّهُوْرِ وَلا مَسَا	إِلَّا تَجَدَّدَ شَرْبَتِيْ وَخِوَانِيْ

زمانے میں کوئی صبح وشام نہیں ہوتی مگر یہ کہ میرا کھانا اور پانی جدید ہو جاتا ہے۔

حل لغات: مَسَا: شام، اصل میں مَسَاءٌ ہمزہ کے ساتھ تھا لیکن اس کو ضرورت شعری کی بنا پر حذف کر دیا۔ تَجَدَّدَ: نیا ہونا۔ شَرْبَةٌ: شَرَب کا اسم مرة، جو ایک مرتبہ پیا جا سکے۔ خِوَان: [بالکسر معرب خوان] دسترخوان، مراد کھانا۔

تشریح: یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے کہ صبح وشام نیا کھانا پانی عطا فرماتا ہے۔

﴿۲۰۴﴾

وَاللّٰهِ لَمْ أَرَمِنْكَ غَيْرَ تَرَحُّمٍ	وَتَرَانِيَ اللّٰهُمَّ حَيْثُ تَرَانِيْ

بخدا میں نے تیری جانب سے سوائے رحم وکرم کے کچھ نہیں دیکھا جب کہ اے پروردگار! تو تو مجھے دیکھ رہا ہے جس حال میں دیکھ رہا ہے۔

حل لغات: تَرَحُّمٌ: رحم وکرم کرنا۔

تشریح: مطلب یہ کہ خدا کی قسم میں نے تو تیری جانب سے سوائے رحم وکرم کے اور کوئی چیز نہیں دیکھی، تو ہر حال میں میرے ساتھ لطف ورحمت کا ہی معاملہ کرتا ہے۔ اس کے برعکس میرا حال یہ

ہے کہ تو مجھے ہر جگہ ہر وقت کھلم کھلم اپنی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ بین السطور میں وضاحت کرتے ہیں ”أي في عصيانك جهاراً معك“۔

مناجات کے یہ اشعار اور آگے آنے والے اشعار دیکھ کر حضرت شیخ سعدی کی مناجات کے اشعار یاد آ گئے، دیکھیے ان دونوں میں کیسی یکسانیت ہے، شیخ سعدی فرماتے ہیں:

پادشاہا جرمِ مارا درگزار　　ما گنہ گاریم تو آمرزگار
تو نکوکاری و ما بد کردہ ایم　　جرم بے اندازہ بے حد کردہ ایم
بے گنہ نگذشت برما ساعتے　　باحضورِ دل نہ کردم طاعتے
روز وشب اندر معاصی بودہ ایم　　غافل از امر و نواہی بودہ ایم
دایما درفسق وعصیاں ماندہ ایم　　ہم قرینِ نفس وشیطاں ماندہ ایم
سالہا در بند عصیاں گشتہ ایم　　آخر از کردہ پشیماں گشتہ ایم
بر در آمد بندۂ بگریختہ　　آبروئے خود ز عصیاں ریختہ
مغفرت دارد امید از لطفِ تو　　زانکہ خودفرمودۂ لا تقنطوا

﴿۲۰۵﴾

أَنْسَاکَ دَهْرًا لا أُفِيْقُ وَلَمْ تكُنْ	نَاسِيَّ فِيْ حِيْنٍ مِنَ الْأَحْيَانِ

مَیں ایک زمانے تک تجھے بھول جاتا ہوں، مجھے ہوش ہی نہیں آتا، حالانکہ تو نے کسی وقت بھی مجھے فراموش نہیں فرمایا۔

حل لغات: أَنْسَاكَ: مَیں تجھے بھولا ہوا ہوں۔ أَنْسَا مضارع متکلم از نَسِيَ يَنْسَى بمعنی بھولنا۔
أُفِيْقُ: مضارع واحد متکلم از أفَاقَ إلى الأمر بمعنی یاد کرنا، یاد آنا۔

تشریح: ترجمہ واضح ہے۔

﴿۲۰۶﴾

فَذَكَرْتَنِيْ بِالْجُوْدِ وَالإِيْجَادِ إِذْ	مَا كُنْتُ فِيْ رُوْحٍ وَلَا جُسْمَانِ

تو نے مجھے یاد کیا جود وسخا کے ذریعے اور عدم سے وجود بخشنے کے ذریعے، ایسے وقت میں جب مَیں روح وجسم بھی نہیں تھا۔

حل لغات: الإِيْجَاد : مصدر از افعال بمعنی کسی شے کو نیا بنانا، عدم سے وجود میں لانا۔

جُسْمَان: [جسم]۔

تشریح: تو نے ایسے وقت میں مجھ پر احسان کیا جب مَیں کچھ بھی نہیں تھا، تو نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے وجود بخشا، پیدا کیا اور اب رزق دے رہا ہے۔ گویا تو کسی وقت میں مجھ سے غافل نہیں ہوا۔

۲۰۷

هٰذَا فَعَلْتَ وَ مِثْلَ ذٰلِکَ تَفْعَلُ	إِذْ أَنْتَ أَهْلُ الْفَضْلِ وَالإِحْسَانِ

تو نے یہ کیا اور ایسا ہی تو کر رہا ہے کیونکہ تو ہی فضل و احسان کرنے کا اہل ہے۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔ مصرع ثانی میں تَفْعَلُ کو ضمہ کے اشباع کے ساتھ تَفْعَلُو پڑھا جائے گا۔

۲۰۸

ثُمَّ اللَّئِيْمُ أَجَابَ دَاعِيَ نَفْسِهٖ	وَاسَوْأَتَاهُ وَإِنْ غَفَرْتَ لِجَانِ

پھر کمینے نے اپنے نفس کے داعی کی بات قبول کر لی۔ ہائے ذلت و رسوائی! اگرچہ تو نے مجرم و خطا کار کی بخشش فرما دی۔

حل لغات: لَئِيْمُ: کمینہ۔ وَاسَوْأَتَاه: [وائے رسوائی]۔ جَانِيْ: اسم فاعل بمعنی مجرم، گناہگار۔

تشریح: مطلب ترجمے ہی سے واضح ہے۔

۲۰۹

سُبْحٰنَکَ اللّٰهُمَّ تُعْصَی مُنْعِمًا	وَيُطَاعُ كَلْبٌ بَيِّنُ الشَّنَاٰنِ

اے پروردگار تو پاک ہے، منعم ہونے کے باوجود تیری نافرمانی کی جاتی ہے اور کھلی دشمنی و عداوت والے کتے کی اطاعت و تابعداری کی جاتی ہے۔

حل لغات: تُعْصَی: مضارع مجہول حاضر از عَصَی يَعْصِي بمعنی نافرمانی کرنا۔ مُنْعِمٌ: اسم فاعل، انعام کرنے والا۔ يُطَاعُ: مضارع مجہول از أَطَاعَ يُطِيْعُ إِطَاعَةً بمعنی اطاعت و فرماں برداری کرنا۔ كَلْبٌ: [يريد النفس او الشيطان] کتا، یہاں نفس یا شیطان مراد ہے۔ شَنَاٰن: [ظاهر العداوة] بغض رکھنے والا، کھلی دشمنی رکھنے والا۔

تشریح: کھلی عداوت و دشمنی والے کتے سے مراد نفس انسانی یا شیطان ہے۔ یعنی اے پروردگار

تو انعام واحسان فرماتا ہے اس کے باوجود انسان تیری نافرمانی اور عصیاں شعاری میں مبتلا ہے۔ دوسری طرف جو انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے اور انسان کو ہر طرح نقصان وخسارہ پہنچانا چاہتا ہے (یعنی شیطان یا نفس انسانی) اس کی پیروی اور اطاعت کی جارہی ہے۔

﴿۲۱۰﴾

يَا هَيَّ لَيْسَ الْمَلْکُ يَسْأَمُ مِنْ نَدىً	وَالْعَبْدُ عِنْدَ الْحَفْدِ فِي ارْثِعَانِ

اے تعجب وحیرت! آقا بخشش وعطا کرنے سے ملول ورنجیدہ نہیں ہوتا ہے اور غلام خدمت کے وقت سستی وکاہلی کرتا ہے۔

حل لغات: يَاهَيَّ: [كلمة معناها وا عجبا] اے تعجب وحیرت۔ المَلْكُ: [باسکان اللام بادشاہ] يَسْأَمُ: [ماندہ نمی شود] مضارع واحد مذکر غائب از سَئِمَ يَسْأَمُ بمعنی رنجیدہ ہونا، اکتانا۔ نَدَی: [عطا]۔ حَفْدٌ: [شتافتن بخدمت] خدمت میں جلدی کرنا۔ اِرْثِعَان: [سستی]۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔

﴿۲۱۱﴾

قَوَّيْتَهُ لِيُطِيْعَ وَالسَّمِجُ الرَّدِيْ	مَازَالَ يَصْرِفُهَا إِلَى عِصْيَانِ

(اے پروردگار!) تو نے اُسے (بندے کو) قوت وطاقت عطا کی تاکہ وہ اطاعت کرے اور بدکار وخطا کار اس قوت کو گناہوں کی جانب پھیر دیتا ہے۔

حل لغات: السَّمِج: [زشت] بدکار۔ الرَّدِي: [ہالک] ہلاک ہونے والا۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔ مصرع ثانی میں یصرفها میں ہا کی ضمیر کے بارے میں فرماتے ہیں:

الضميرإلى القوة المفهومة من الفعل

(ها کی) ضمیر قوۃ کی طرف لوٹ رہی ہے جو فعل (قويته) سے مفہوم ہورہی ہے۔

﴿۲۱۲﴾

إِنْ فَاتَهُ ذَنْبٌ فَعَجْزًا أَوْكَمَا	قَصُرَتْ عَنِ الْحَلْوَا يَدُ الشَّبْعَانِ

اگر اس سے کوئی گناہ فوت ہوتا ہے تو وہ صرف عجز ومجبوری کی بنا پر (ہوتا ہے) یا جیسے شکم سیر کا ہاتھ مٹھائی (لینے) سے قاصر رہتا ہے۔

حل لغات: قَصُرَتْ: [کوتاہ ماند] ماضی واحد مؤنث غائب از قَصُرَ قَصْرًا بمعنی چھوٹا ہونا۔

شَبْعَان: شکم سیر۔

تشریح: وہ غلام اتنا بدکار و خطا کار ہے کہ اُس سے کوئی گناہ نہیں چھوٹتا اگر اتفاقاً وہ کبھی کسی گناہ سے باز رہتا ہے تو خوفِ خدا کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے باز رہتا ہے کہ اُس کو اس کا موقع نہیں ملا، یا گناہ کرنے میں کوئی مجبوری حائل ہوگئی۔ یہ بالکل اس شکم سیر آدمی کی طرح ہے جو مٹھائی سامنے آنے کے بعد صرف اس لیے اس سے ہاتھ روکتا ہے کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے اور اس وقت مٹھائی کی گنجائش نہیں ہے ورنہ اس کو مٹھائی کھانے سے کوئی پرہیز نہیں ہے، اگر اس کا پیٹ خالی ہوتا تو وہ ضرور مٹھائی کھالیتا۔

﴿۲۱۳﴾

إِنْ تَابَ ثَابَ وَقَصْدُهُ الرُّجْعَى فَمَنْ	يُدْرِيْهِ فَرْقَ التَّوْبِ والثَّوْبَانِ

اگر وہ توبہ کر بھی لیتا ہے تو پھر (گناہ کی طرف) واپس ہو جاتا ہے، بلکہ واپسی اس کے ارادے میں رہتی ہے۔ اب اسے (گناہ سے) توبہ اور (گناہ کی طرف) واپسی کا فرق کون سمجھائے؟

حل لغات: ثَابَ: [رَجَعَ] واحد مذکر غائب ماضی از ثَابَ ثَوْبًا بمعنی لوٹنا۔ رُجْعَی: [الرجوع]۔ يُدْرِيْه: [بیاموز داورا] مضارع واحد مذکر غائب از أَدْرَی يُدْرِي بمعنی آگاہ کرنا، سکھانا، بتانا۔ الثَّوبَان: [رجوع]۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔

﴿۲۱۴﴾

وَاللّٰهِ عَدْلٌ مِنْکَ إِنْ عَذَّبْتَهُ	وَبِذَاکَ تَشْهَدُ كِفَّتَا الْمِيْزَانِ

خدا کی قسم اگر تو اسے عذاب دے تو یہ تیرا عین عدل و انصاف ہے اور اِس کی شہادت میزان کے دونوں پلڑے دیں گے۔

حل لغات: كِفَّتَا: [ہر دو پلہ] اصل میں كِفَّتَان تھا، اضافت کی وجہ سے نون تثنیہ ساقط ہوگیا، كِفَّةٌ کا تثنیہ بمعنی ترازو کے دونوں پلڑے۔

تشریح: عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار اگر تو ایسے گناہ گار بندے کو عذاب دے تو یہ عین عدل و انصاف ہوگا اور تیرے اس فیصلے کی گواہی میزان اعمال کے پلڑے دیں گے کہ وہاں اس گناہگار

کے گناہوں والا پلہ بھاری ہوگا، لیکن ....اگلے شعر میں استدراک کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

﴿۲۱۵﴾

لٰكِنَّ عَفْوَكَ رَبِّ أَوْسَعُ لِيْ وَمَا	وَعَدَتْنِيَ الْأَلْطَافُ بِالْحُسْبَانِ

لیکن اے میرے پروردگار! میرے واسطے تیری معافی وبخشش زیادہ وسعت وکشادگی والی ہےاور مجھے (تیرے) الطاف وکرم نے عذاب کی وعیدنہیں کی۔

حل لغات: حُسْبَان: [عذاب]۔

تشریح: تواگرعذاب دےتو یہ تیراعدل ہوگالیکن اے پروردگارا گرتو معاف کردےاوردرگزر فرمائےتو یہ میرے لیے زیادہ کشادگی والی ہے، تیرے لطف ورحمت نے مجھ سے عذاب کے بارے میں کوئی وعدہ نہیں کیا، بلکہ تیری رحمت پرنظر کرتے ہوئے مجھے تیری ذات سےعفوودرگزر کی امید ہے۔

﴿۲۱۶﴾

إِنْ لَمْ تُرِدْ إِلَّا مَلِيًّا وَاجِدًا	أَوَّهْ فَمَنْ لِلْمُثْقَلِ الْمُدَّانِ

اگرتو نے نہیں پسند کیا مگر مالداراورغنی کوتو آہ پھراس گراں بارقرض دار کے لیے کون ہے؟

حل لغات: مَلِیٌّ: [توانگر] مال دار۔وَاجِدٌ: [غنی] توانگر۔أَوَّهْ [آہ] مُثْقِل: [گراں بار]۔ مُدَّان: [قرض دار]۔

تشریح: ان لم ترد کی وضاحت کرتے ہیں ’’اگرنخواہی ونپذیری‘‘، یعنی اے پروردگارا گرتو نے صرف مال داروں اوراغنیاہی کو پسند کیااورصرف ان کی بخشش فرمائی تو پھرہم جیسے گراں بارفقرااور قرض داروں کے لیےکون ہے؟۔ ملیا واجداً مال داراورتوانگر کے معنی میں ہےمگر یہاں کنایتاً نیکو کاراور پرہیزگارمراد ہیں۔اسی طرح گراں باراورقرض دار سے گناہ گاروعصیاں شعارمراد ہے۔

﴿۲۱۷﴾

حَاشَاكَ جَوْدُكَ لَا يُخَصُّ بِمُرْتَوٍ	وَنَدَى النَّدَى أَحْنَى عَلَى الْعَطْشَانِ

حاشاوکلا! تیری باران رحمت کسی سیراب شدہ کے ساتھ مختص نہیں، (بلکہ) تیری عطاوکرم

کی بارش پیاسے پر زیادہ مہربان ہے۔

حل لغات: جَوْد: [باران]۔ مُرْتَوٍ: [سیراب] **اسم فاعل از** اِرْتَوَی یَرْتَوِي اِرْتِوَاءً **بمعنی سیراب ہونا**۔ نَدَی: [مطر] **بارش**۔ النَّدَی: [عطا]۔ أَحْنَی: [أَعْطَف] **اسم تفضیل بمعنی بہت زیادہ مہربان**۔ العَطْشَان: **پیاسا**۔

تشریح: سیراب شدہ سے مراد نیکوکار اور پیاسے سے مراد گناہ گار ہیں۔ امام بوصیری فرماتے ہیں:

لعل رحمة ربي حين يقسمها
تأتي على حسب العصيان في القسم

شاید کہ جب میرے رب کی رحمت تقسیم ہوگی تو گناہوں کی مقدار کے مطابق لوگوں میں تقسیم ہوگی۔

یعنی جس کے جتنے زیادہ گناہ ہوں گے وہ رحمت کا اتنا ہی زیادہ مستحق ہوگا۔

۲۱۸

فَبِلُطْفِكَ الْحَنَّانِ مَالِيَ مَلْجَأٌ	إِلَّا حَنَاؤُكَ مِنْ شَجٍ أَنَّانِ

تیرے لطف و مہربانی کی قسم میرا کوئی ملجا و ماویٰ نہیں غمگین و نالاں کناں پر تیرے لطف و کرم کے سوا۔

حل لغات: فَبِلُطْفِكَ: تیرے لطف و کرم کی قسم۔ مَلْجَأٌ: پناہ گاہ۔ حَنَاءٌ: لطف و مہربانی۔ شَجٍ: [غمگین]۔ أَنَّان: [نالان] بہت کراہنے والا۔

تشریح: غمگین اور گریہ وزاری کرنے والے کے ساتھ جو تیرا لطف و مہربانی کا معاملہ ہے وہی میرا ملجا و ماویٰ ہے ورنہ اس کے علاوہ میرا اور کوئی ٹھکانہ نہیں۔

مصرع ثانی کا لفظ 'حناؤك' اصل میں کچھ اس طرح لکھا ہے کہ 'حیاؤك' اور حناؤك دونوں پڑھا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر رشید عبیدی نے 'حیاؤك' لکھا ہے، جب کہ ڈاکٹر حازم نے بساتین الغفران میں حناؤك لکھا ہے۔ ہم نے ترجمہ ثانی الذکر کے مطابق کیا ہے، تاہم اگر یہ حیاؤك ہو تو غالباً اس حدیث کی طرف اشارہ ہوگا جس میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إني لأستحي من عبدي وأمتي يشيبان في الإسلام ثم أعذبهما (حلية الاولیا: ابونعیم، ج ۲/۴۳۹)

ترجمہ: مَیں اپنے اس بندے اور بندی کو عذاب دینے سے حیا فرماتا ہوں جو اسلام میں بوڑھے ہوئے ہوں۔

اب مطلب یہ ہوگا کہ میرا کوئی سہارا نہیں سوائے تیرے اس حیا فرمانے کے جو تو غمگین اور نالاں کناں کے ساتھ فرماتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

﴿۲۱۹﴾

مَـالِيْ إِلَيْکَ وَسِيْلَةٌ إِلَّا الـرَّجَـا	وَالْـمُـصْـطَـفَـى الْمَبْعُوْثُ بِالْفُرْقَانِ

میرے لیے تیری بارگاہ میں کوئی ذریعہ و وسیلہ نہیں، سوائے امید کے اور جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات مقدس کے جن کو فرقان کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔

حل لغات: رَجَا: امید، اصل میں رَجاءٌ تھا وزن شعری کے سبب ہمزہ حذف کر دیا گیا۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔ الفرقان سے مراد قرآن کریم ہے۔ نیز الفرقان حضور رسالت مآب کی بھی صفت ہے یعنی حق و باطل میں فرق و امتیاز کرنے والے۔

﴿۲۲۰﴾

فَبِعِزِّکَ الْأَعْلَى وَقُدْرَتِکَ الَّتِيْ	لا تَـنْتَهِـيْ بِـزَمَـانَةٍ وَمَـكَـانِ

تیری بلند و بالا عزت اور اس قدرت کاملہ کی قسم جو کسی زمان و مکان کے ساتھ محدود نہیں ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ زمان و مکان کی قید سے ماوراء ہے، اس کی انتہا زمان و مکان پر نہیں ہوتی، اللہ کو اس کی عزت اور قدرت کی قسم دی جا رہی ہے، کس بات کے لیے قسم دی جا رہی ہے وہ اگلے شعر میں آ رہا ہے۔

﴿۲۲۱﴾

أَحْسِنْ إِلَيَّ بِحُسْنِ أَحْسَنِ مُحْسِنٍ	حَسَـنٍ حَسِيْـنٍ حَـاسِـنٍ حُسَّـانِ

اے پروردگار! تو مجھ پر فضل و احسان فرما سب سے بہتر احسان کرنے والے (نبی کریم ﷺ) کے حسن کے صدقے میں، جو بے انتہا بارونق ہیں، حسین ہیں، چمکتا چاند ہیں، نہایت خوبصورت ہیں۔

حل لغات: حَاسِنٌ: [چاند]۔ حُسَّان: [نہایت خوبصورت]۔

تشریح: مطلب واضح ہے، اللہ کو اس کی عزت وقدرت کی قسم اور اس کے حبیب کا وسیلہ دیا جارہا ہے۔ 'حسن' کے مشتقات کو جس خوبی، برجستگی اور روانی کے ساتھ شعر میں موتیوں کا طرح ٹانک دیا گیا ہے وہ قابل دید بھی ہے اور قابل داد بھی۔

﴿۲۲۲﴾

أَجْزِلْ بِكِلْتَا الضَّرَّتَيْنِ تنعُّمِيْ
وَ بِجَارَةٍ حَفَّتْ بِهَا هَاتَانِ

دنیا وآخرت میں میری راحت وآرام میں اضافہ فرما اور برزخی زندگی (قبر) میں بھی جو ان دونوں زندگیوں (کے بیچ) میں گھری ہوئی ہے۔

حل لغات: أَجْزِلْ: [موفور کن] **فعل امر حاضر معروف**، زیادہ کر، اضافہ کر۔ الضَّرَّتَيْن: [ضرہ ہندی سوت] دنیا وآخرت۔ تَنَعُّم: نازونعم کی زندگی۔ جَارَةٌ: **قبر**۔ حَفَّتْ: [أَحَاطَتْ] **فعل ماضی** واحد مؤنث غائب بمعنی احاطہ کرلینا، گھیرنا۔

تشریح: الضرة کا لفظی معنی سوکن ہے، لیکن مجازی طور پر الضر تان سے دنیا وآخرت مراد ہوتی ہے۔ بین السطور میں لکھتے ہیں "هما الدنيا والآخرة"۔ الجارة کا معنی پڑوسن ہے، لیکن مجازاً قبر مراد ہے۔ بین السطور میں وضاحت کرتے ہیں کہ "أراد به القبر فإنه البرزخ"۔

﴿۲۲۳﴾

بِكَ أَرْتَضِيْ رَبًّا كَرِيْمًا فَارْضِ بِيْ
عَبْدًا وَأَصْلِحْنِيْ لِأَنْ تَرْضَانِيْ

مَیں تیرے رب کریم ہونے سے راضی ہوں تو مجھے اپنا بندہ مان کر راضی ہوجا اور میری ایسی اصلاح احوال فرما کہ تو مجھ سے راضی ہوجائے۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔ حضور رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے صبح وشام تین مرتبہ یہ کہا اس کا حق ہے کہ قیامت کے دن اللہ اس سے راضی ہوجائے:

رضيت بالله ربا وبالإسلام ديناً وبمحمد ﷺ نبيا (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: مَیں اللہ کے (اپنے) رب ہونے، اسلام کے (اپنے لیے) دین ہونے اور محمد ﷺ کے (اپنے) نبی ورسول ہونے سے راضی ہوا۔

﴿۲۲۴﴾

ثَـقِّـلْ مَـوَازِيْـنِـيْ وَأَبْـلِـجْ حُـجَّـتِـيْ	بِـمَـنِ ارْتَـضَـاهُ نَبِيًّـا الثَّـقَلان

میرے میزان (کے پلڑوں) کو بھاری کردے اور میری دلیل کو روشن فرما دے، اس ذات پاک کے صدقے میں جس کو جن وانس نے نبی پسند کیا ہے۔

حل لغات: ثَقِّلْ: فعل امر، تو بھاری کر۔ أَبْلِجْ: [روشن فرما] فعل امر تو روشن کر۔ ثَقَلَان: جن وانس۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔

﴿۲۲۵﴾

وَقِ حُـرَّ وَجْـهِـيْ مِـنْ لَـظَـاهَا بِالَّذِيْ	نَبَـعَ الـزُّلَالُ بِـكَـفِّـهِ الْـمُـزْدَانِ

میرے چہرے کو جہنم کی آگ کے شعلوں سے بچا اس ذات گرامی کے وسیلے سے جن کی مبارک ہتھیلی سے میٹھے پانی کے چشمے پھوٹے۔

حل لغات: وَق: امر حاضر معروف، تو بچا از وَقَى يَقِي وِقَايَةً بمعنی تکلیف سے بچانا، حفاظت کرنا، حُرُّالْوَجْهِ: [رخسارہ] کہا جاتا ہے لَطَمَهُ حُرَّوَجْهِهِ اس نے اس کے رخسار پر طمانچہ مارا۔ لَظَى: شعلہ، لپٹ۔ نَبَعَ: ماضی واحد مذکر غائب از نَبَعَ نَبْعًا الْمَاءُ چشمے سے پانی نکلنا۔ زُلَال: صاف وشیریں پانی۔

تشریح: یہ اس معجزے کی طرف اشارہ ہے جو مقام حدیبیہ میں پیش آیا تھا، امام بخاری ومسلم حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضور رسالت مآب ﷺ سے پانی کی کمیابی کی شکایت کی، آپ نے ایک طشت منگایا، اس میں اپنے مبارک ہاتھ رکھ دیے، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے ایسے ہی پانی بہہ کر آ رہا ہے جیسے چشموں سے ابلتا ہے:

> فجعل الماء يفور من بين أصابعه كأمثال العيون (بخاری: حدیث نمبر ۴۱۵۲)
>
> ترجمہ: پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے ایسے جاری ہو گیا جیسے چشمے جاری ہوتے ہیں۔

نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں
انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

تمام لوگوں نے پانی پیا، وضو کیا اور اپنے برتنوں میں پانی جمع کر لیا۔ سائل نے حضرت جابر سے پوچھا کہ تم لوگ کتنی تعداد میں تھے، آپ نے ارشاد فرمایا:

لو كنا مائة ألف لكفانا ، كنا خمس عشرة مائة (**بخاری: حدیث نمبر ۴۱۵۲**)

ترجمہ: اگر ہم اس روز ایک لاکھ بھی ہوتے تو بھی وہ پانی ہمیں پورا ہو جاتا۔

یہ معجزہ صلح حدیبیہ کے علاوہ بھی ایک سے زیادہ مرتبہ ظہور میں آیا ہے۔

یہاں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ لفظ 'کف' مؤنث ہے، اس کی صفت المزدان مذکر ہے، یہاں موصوف صفت میں مطابقت نہیں پائی گئی۔ حاشیہ میں اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اكتسبت التذكير من المضافة إليه كالسور اكتسب التانيث من المدينة في قوله:

لما أتى خبر الزبير تواضعت　　　سور المدينة والجبال الخشع

قاله صاحب غاية التحقيق۔

ترجمہ: (لفظ کف نے) اپنے مضاف الیہ (ہ ضمیر مجرور متصل) سے تذکیر حاصل کی ہے، جس طرح لفظ سور نے لفظ المدینہ سے تانیث اخذ کی ہے ان کے اس شعر میں:

لما أتى خبر الزبير تواضعت　　　سور المدينة والجبال الخشع

(ترجمہ شعر: جب حضرت زبیر کی (شہادت کی) خبر آئی تو مدینہ منورہ کے در و دیوار کانپ گئے اور پہاڑ تھرائے ہوئے تھے۔)

صاحب غایۃ التحقیق نے یہ بات فرمائی ہے۔

لفظ سور **مذکر ہے، اس کی مناسبت سے یہاں فعل** تواضعت **کا نہیں** تواضع **کا محل تھا، مگر چونکہ** سور **کا مضاف الیہ** لفظ المدینۃ **مؤنث ہے اس لیے** سور **کو بھی مؤنث مان لیا گیا۔**

یہ شعر جریر کا ہے، بعض لوگوں نے اس شعر کو زید الخیل کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔

﴿۲۲۶﴾

قَدْ قُلْتَ إِنِّيْ عِنْدَ ظَنِّ الْعَبْدِ بِيْ	ظَنِّيْ بِکَ الْإِحْسَانُ يَا مَنَّانِيْ

تیرا فرمان ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان پر ہوں، تو اے میرے منان! (بہت زیادہ

احسان کرنے والے) مَیں تیرے متعلق احسان وکرم کا گمان رکھتا ہوں۔

حل لغات: مَنَّان: بہت زیادہ احسان کرنے والا، یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی میں سے ہے۔

تشریح: یہ اس حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

أنا عند ظن عبدي بي (بخاری:۷۴۰۵/مسلم:۲۶۷۵)

ترجمہ: مَیں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے ساتھ رکھتا ہے۔

بندہ اللہ کے بارے میں جیسا گمان رکھے گا اللہ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمائے گا، تو اے پروردگار مَیں تیرے ساتھ عفو ودرگزر، بخشش واحسان اور لطف وکرم کا گمان رکھتا ہوں لہٰذا میرے ساتھ میرے گمان کے مطابق معاملہ فرما۔

﴿۲۲۷﴾

وَ إِذَا تَجَلَّی نُوْرُ حُسْنِ الْمُصْطَفَی	یَوْمَ الْجَزَا فَأَرِحْ بِهٖ أَعْیَانِيْ

جب بروزحشر حسن مصطفیٰ کا نور تجلی فرمائے تو اس نور سے میری آنکھوں کو راحت وآرام بخش۔

حل لغات: أَرِحْ: [آسائش دہ] فعل امر بمعنی تو راحت وآرام دے۔ أَعْیَان: [چشمان] عَیْنٌ کی جمع بمعنی آنکھ۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔ یعنی......ع

شادئ دیدار حسن مصطفیٰ کا ساتھ ہو

﴿۲۲۸﴾

أَرِنِيْ إِذَنْ قَمَرًا تَضَاءَ لَ دُوْنَهٗ	کُلُّ الْکَوَاکِبِ وَاخْتَفَی الْقَمَرَان

مجھے اُس دن چاند صفت چہرے کا دیدار کرا دے جس کے مقابل تمام ستارے ماند پڑ گئے اور (خجالت کے باعث) دونوں چاند چھپ گئے۔ (یعنی چاند اور سورج)

حل لغات: تَضَاءَ لَ: [اِضْمَحَلَّ] واحد مذکر غائب ماضی از تَضَاءَ لَ تَضَاءُ لاً بمعنی کمزور پڑ جانا۔ دُوْنَ: [عندہ] بمعنی سامنے۔

تشریح: مطلب واضح ہے۔ قمر چاند کو کہتے ہیں مگر کبھی القمران (دو چاند) بول کر چاند اور سورج مراد ہوتے ہیں۔

۲۲۹

وَارْحَمْ أَبِيْ وَأَبَاهُ رَحْمًا دَائِمًا
وَاجْعَلْ قُبُوْرَهُمَا رِيَاضَ جِنَانِ

میرے والد اور دادا پر دائمی رحم وکرم فرما اور ان کی قبروں کو جنت کی کیاریاں بنا دے۔

حل لغات: رِیَاضٌ: رَوْضَةٌ کی جمع بمعنی باغیچہ، سرسبز زمین، باغوں کے بہترین ٹکڑے۔ جِنَان: جنت۔

تشریح: اپنے والد محترم اور جد محترم کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ یہاں سے شعر ۲۳۳ر تک پانچ شعر مسلسل اسی مضمون کے ہیں۔

آپ کے جد محترم حضرت مولانا رضا علی خاں بریلوی تھے، آپ کی ولادت ۱۲۲۴ھ میں ہوئی، ٹونک میں مولانا خلیل الرحمٰن رامپوری سے علوم درسیہ کی تحصیل کی، ۲۳ر سال کی عمر میں علوم متداولہ کے اکتساب سے فارغ ہوئے، خصوصاً علم فقہ میں مہارت تامہ حاصل کر کے مسند درس و افتا آراستہ کی۔ مولوی رحمٰن علی (مؤلف تذکرۂ علمائے ہند) نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ ’’آپ کا پر تاثیر وعظ مشہور ومعروف ہے، نرم کلامی، سبقت سلامی، زہد وقناعت، حلم وتواضع اور تجرید آپ کی خصوصیات میں سے ہے‘‘ (ترجمہ ملخصاً)۔ بعض مؤرخین کے مطابق آپ نے انقلاب ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا اور وطن عزیز کی آزادی کے لیے مخلصانہ جد وجہد کی۔ ۲ر جمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ میں وفات پائی، مزار بریلی میں ہے۔

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ حضرت فاضل بریلوی نے آپ کی شان میں بزبان عربی ایک منقبت کہی ہے، جس کے آخر کے تین اشعار میں آپ کی ولادت، تعلیم سے فراغت اور وفات کا سنہ برآمد کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

قلت فكيف نهتدي   قال أضاء نا القمر (۱۲۲۴ھ)
قلت ختام درسه   قال أخاره الدرر (۱۲۴۷ھ)
قلت فعام نقله   قال محجل أغر (۱۲۸۲ھ)

فاضل بریلوی نے آپ کا سنہ وفات آیت کریمہ ألا إن أوليا ء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون سے بھی استخراج فرمایا ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے والد ماجد رئیس الاتقیا حضرت مولانا نقی علی خاں قادری برکاتی بریلوی ہیں۔ رجب ۱۲۴۶ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، اپنے والد گرامی حضرت مولانا رضا علی

خاں بریلوی کے زیر سایہ تحصیل علم کی۔ فن فقہ وافتا میں خصوصی مہارت حاصل کی، فراغت کے بعد مسند درس آراستہ کی، کثیر تعداد میں تشنگان علوم نے آپ کی درسگاہ سے فیض حاصل کیا۔

مولوی رحمٰن علی (مؤلف تذکرۂ علمائے ہند) نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ ’’آپ روشن ذہن و دماغ کے مالک اور صائب الرائے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو عقل معاش و معاد دونوں میں اپنے معاصرین میں ممتاز کیا تھا، جبلی بہادری کے علاوہ سخاوت وتواضع اور استغنا سے بھی موصوف تھے، اپنی عمر گراں مایہ اشاعت سنت اور ازالہ بدعت میں صرف کر دی‘‘ (ترجمہ ملخصاً)

۱۲۹۴ھ میں حضرت تاج الفحول کی معیت میں مارہرہ مطہرہ حاضر ہوکر حضرت خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، حضور خاتم الاکابر نے جملہ سلاسل کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ ۱۲۹۵ھ میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، وہاں شیخ الاسلام حضرت سید احمد بن زینی دحلان مکی سے اجازت حدیث حاصل کی۔

مسئلہ امتناع نظیر اور اثر ابن عباس کے سلسلے میں آپ نے تحریر وتقریر کے ذریعے حمایت حق اور نکایت باطل کا حق ادا کیا۔ مختلف موضوعات پر ۲۰؍ سے زیادہ علمی وتحقیقی تصانیف آپ کی یادگار ہیں، جن میں اکثر مطبوعہ ہیں۔

فاضل بریلوی آپ کی شان میں فرماتے ہیں:

فوالله لم يبلغ ثنائی كماله　　ولكن عجزي خير مدح لما له
فذا البحر لولا أن للبحر ساحلا　　وذاالبدر لولا البدر يخشى ما له

ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ فاضل بریلوی نے عربی میں ۱۳؍ تاریخی فقروں میں آپ کا سنہ وفات استخراج کیا، جن میں ایک فقرہ یہ ہے:

إن موتة العالم موتة العالم

۱۲۹۷ھ

اے اللہ! ان دونوں حضرات کو اپنی قبروں میں حور و غلماں اور رضوان (داروغۂ جنت) کے ذریعے انس عطا فرما۔

حل لغات: جَدْثَيْن: [قبريهما] اضافت کی وجہ سے نون گر گیا جَدْثٌ کا تثنیہ بمعنی قبر۔ رِضْوَان: [خازن الجنة] داروغۂ جنت۔

تشریح: وحشت قبر سے ان کو محفوظ رکھ اور حور و غلمان کے ذریعے ان کی تسلی خاطر فرما۔

﴿۲۳۱﴾

أَبْدِلْهُمَا دَارًا وَجَارًا خَيِّرًا
مِنْ هٰؤُلاءِ الدُّوْرِ وَالْجِيْرَان

ان کو اِس دنیا کے گھر اور پڑوسیوں کے بدلے (جنت میں) بہتر گھر اور بہتر پڑوس عطا فرما۔

حل لغات: دُوْرٌ: دَارٌ کی جمع بمعنی گھر۔ جِيْرَان: جَارٌ کی جمع بمعنی پڑوسی۔

تشریح: یہ ایک حدیث پاک سے استفادہ ہے، حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور رسالت مآب ﷺ نے ایک میت کے لیے دعا فرمائی، اس دعا میں یہ الفاظ بھی تھے:

وأبدله داراً خيرا من داره (صحیح مسلم: ۹۶۳)

ترجمہ: اے اللہ! اس کو اس کے (دنیا والے) گھر سے بہتر گھر عطا فرما۔

یہاں ایک شبہ پیدا ہوا کہ مصرع اول میں دو لفظ لائے 'داراً' اور 'جاراً' ان کی مناسبت سے صفت تثنیہ 'خیران' لانا چاہیے تھی جب کہ آپ صفت واحد 'خیراً' لائے ہیں۔ اگر 'خیرا' کو صرف جاراً کی صفت مان لیں تو لازم آیا کہ 'داراً' کے بہتر ہونے کی دعا نہیں ہے اس شبہ کا جواب حاشیہ میں لکھتے ہیں:

خيرية الدار والجار متلازمتان في الدار الآخرة فوصف أحدهما أغنى عن وصف الآخر۔

ترجمہ: آخرت میں گھر اور پڑوس کا عمدہ اور بہتر ہونا آپس میں لازم و ملزوم ہے، لہٰذا کسی ایک کی صفت لانا دوسرے کی صفت لانے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

مصرع ثانی میں اسم اشارہ 'هٰؤُلاءِ' لائے ہیں، اس کا مشار الیہ الدور اور الجیران ہیں، یہاں شبہ پیدا ہوا کہ 'هٰؤُلاءِ' ذوی العقول کے لیے لایا جاتا ہے، جب کہ یہاں 'الدور' غیر ذوی العقول ہے۔ اس شبہ کے جواب میں حاشیہ میں لکھتے ہیں:

أولاء ربما يشار بها إلى غير ذوي العقول قال تعالى إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولاً قاله أبو إسماعيل الجوهري

ترجمہ: اولاء کے ذریعے کبھی غیر ذوی العقول کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولا ابو اسماعیل جوہری نے یہ کہا ہے۔

﴿۲۳۲﴾﴿۲۳۳﴾

حَتّٰى يَقُوْلَ النَّاظِرُوْنَ إِلَيْهِمَا	بِتَعَجُّبٍ وَ تَبَاشُرٍ وَ تَهَانِ
عَبْدَانِ مَرْحُوْمَانِ رَبٌّ غَافِرٌ	نُزُلٌ كَرِيْمٌ مَنْزِلٌ رَوْحَانِيْ

یہاں تک کہ ان دونوں کی جانب دیکھنے والے تعجب، خوشی اور ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہوئے کہیں کہ یہ دو بندے جن پر رحم کیا گیا، بخشنے والا پروردگار، عمدہ سامان مہمان نوازی اور بہترین وعمدہ منزل ومقام ہے۔

حل لغات: تَبَاشُر: ایک دوسرے کو خوشخبری دینا۔ تَهَانِي: [یک دگر را تہنیت دادن] ایک دوسرے کو مبارک باد دینا۔ نُزُلٌ: [آں چہ بہر مہمان مہیا کنند] وہ سامان جو مہمان کی خاطر تیار کیا جائے۔

تشریح: یعنی اے پروردگار میرے والد محترم اور جد محترم پر ایسا فضل وکرم فرما کہ جب محشر میں تو ان کا حساب کر کے ان کو جنت کا حکم دے تو لوگ ان پر تیرا انعام واکرام اور تیری بخشش وعطا دیکھ کر ان کو مبارک باد دیں اور تعجب وحیرت سے پکار اٹھیں کہ واہ دونوں بندوں پر کیسا رحم فرمایا گیا ہے، واہ کیسا بخشنے والا اور عطا کرنے والا رب ہے، ان کے لیے ان کے رب نے کیا عمدہ مہمان نوازی کا سامان مہیا فرمایا ہے اور ان کے لیے کتنا عمدہ ٹھکانا بنایا ہے۔

﴿۲۳۴﴾

وَأَدِمْ شَآبِيْبَ الرِّضَا وَنَدَى الْعَطَا	لِجَمِيْعِ أَهْلِ الدِّيْنِ وَالْإِذْعَانِ

اے باری تعالیٰ! تمام دین ویقین والوں پر اپنی رضا وخوشنودی کی بوچھار اور عطا وبخشش کی بارش ہمیشہ رکھ۔

حل لغات: أَدِمْ: [ہمیشہ کن] فعل امر تو ہمیشہ کر۔ شَآبِیْب: [**دفعات باراں**] شُؤبُوبٌ کی جمع بمعنی ایک دفعہ کی بارش۔

تشریح: اپنے اور اپنے والدین کے لیے دعا کرنے کے بعد تمام اہل ایمان ویقین کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ شعر کا مطلب واضح ہے۔

﴿۲۳۵﴾

شَرَّفْتَنَا بِالْحَقِّ فَانْصُرْنَا عَلَی	بِدَعِ الْعُنُوْدِ وِنِزْغَةِ الْمُجَّانِ

تو نے ہمیں دین حق کے ذریعے مشرف کیا تو اب اہل عناد کی بدعتوں اور بے حیا لوگوں کے فتنہ وفساد (کے مقابلے) پر ہماری مدد ونصرت فرما۔

حل لغات: نَزْغَةٌ: [فساد وفتنہ]۔ مُجَّان: [**جمع** ماجن مرد بیباک]۔ مَاجِنٌ کی **جمع بمعنی** بے حیا، بیباک۔

تشریح: اے پروردگار عالم! تو نے ہمیں دین حق کی طرف ہدایت فرمائی، ہمیں مسلک حق عطا فرما کر ہم پر احسان فرمایا اب اس مسلک حق کے مخالفین ومعاندین کے مدمقابل ہماری اعانت و نصرت فرما، دین حق کو غالب کر اور دشمنوں کو خائب وخاسر کر۔

﴿۲۳۶﴾

حَتَّی نَكُوْنَ حُمَاةَ دِيْنٍ قَيِّمٍ	وَ مُحَاةَ شَرِّ الزَّيْغِ وَالْبُطْلَانِ

یہاں تک کہ ہم دین قیم کے حامی ومددگار ہو جائیں اور گمراہ وباطل پرست لوگوں کے شر و فساد کو مٹانے والے بن جائیں۔

حل لغات: حُمَاةٌ: [حامیاں] حَامِي کی جمع بمعنی محافظ، پہرے دار، نگہبان۔ مُحَاةٌ: مَاحِي کی جمع بمعنی مٹانے والا۔

تشریح: مطلب ترجمے سے واضح ہے۔

﴿۲۳۷﴾

فَلَكَ الثَّنَاءُ بِبَدْئِهٖ وَثِنَائِهٖ	وَلَكَ الْمَدِيْحُ بِأَوَّلٍ وَبِثَانٍ

اے رب! تیرے لیے حمد وثنا ہے ابتدا میں بھی اور آخر میں بھی۔ اور تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں اول وآخر میں۔

حل لغات: بِبَدْئِهِ وَثِنَائِهِ: [أي بأوّله وآخره كما في المجمع]۔ اس کی ابتدا اور انتہا میں۔

﴿۲۳۸﴾

وَصَلَاةُ رَبِّيْ دَائِمًا أَبَداً عَلَى	خَيْــرِ الْبَــرِيَّةِ سَيِّــدِالْأَكْــوَانِ

میرے رب کی دائمی رحمت وسلامتی نازل ہو اس ذات پر جو مخلوق میں سب سے افضل اور سید کائنات ہے۔

حل لغات: بَرِيَّةٌ: مخلوق۔ أَكْوَان: كَوْن کی جمع بمعنی کائنات۔

تشریح: دعا کا اختتام حمد وثنا اور درود پاک پر کر رہے ہیں۔ گذشتہ شعر میں اللہ کی حمد بیان کی اب حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں ہدیہ درود پیش کر رہے ہیں۔

﴿۲۳۹﴾

وَالْاٰلِ وَالْأَصْحَابِ وَالْأَحْبَابِ وَالْـ	ـنُــوَّابِ وَالْأَصْهَــارِ وَالْأَخْتَــانِ

اور آپ کی آل واصحاب، احباب، نائبین، خسر اور دامادوں پر رحمت نازل ہو۔

حل لغات: نُوَّابٌ: نَائِبٌ کی جمع بمعنی قائم مقام۔ أَصْهَار: صِهْرٌ کی جمع بمعنی داماد یا بہنوئی۔ أَخْتَان: خَتَنٌ کی جمع بمعنی عورت کی طرف سے رشتہ جیسے سسر، سالہ، داماد۔

تشریح: خسر سے مراد حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق اعظم اور داماد سے مراد حضرت عثمان غنی اور حضرت مولیٰ علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔

﴿۲۴۰﴾

صَلَّى الْمَجِيْدُ عَلَى الرَّسُوْلِ وَ فَضْلِهٖ	وَمُحِبِّــهٖ وَمُطِيْعِــهٖ بِحَنَــانٍ

بخشش کے ساتھ رب مجید کی رحمتیں ہوں رسول پر اور ان کے فضل پر، ان کے محبّ پر اور ان کے مطیع پر۔

حل لغات: حَنَان: [بخشیدن]۔

تشریح: شعر میں قصیدے کے ممدوح اور ان کے والد، صاحبزادے اور پوتے کے ناموں کی طرف نہایت خوبصورتی سے اشارہ کیا ہے۔ المجید سے حضرت شاہ عین الحق عبد المجید (ممدوح کے والد گرامی) فضلہ سے فضل رسول، محبہ سے ممدوح کے صاحبزادے حضرت تاج الفحول محبّ رسول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی اور مطیعہ سے ممدوح کے پوتے زبدۃ العارفین حضرت

مولانا شاہ مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر قادری بدایونی کی جانب اشارہ ہے۔

﴿۲۴۱﴾

صلَّی عَلَیْکَ اللّٰہُ یَا مَلِکَ الْوَرَی	مَا غَرَّدَ الْقُمْرِيُّ فِي الْأَفْنَانِ

اے مخلوق کے بادشاہ! اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نا.زل فرمائے جب تک کہ قمریاں شاخوں پر چہچہاتی رہیں۔

حل لغات: غَرَّد: [گونجے]۔ اَلْقُمْرِیُّ: فاختہ کی مانند ایک مشہور پرندہ۔ أَفْنَان: [شاخہا] سیدھی شاخ۔

﴿۲۴۲﴾

صَلَّی عَلَیْکَ اللّٰہُ یَا فَرْدَ الْعُلَی	مَا أَطْرَبَ الْوَرْقَاءُ بِالْإِلْحَانِ

اے بلندیوں میں یکتا! رب کائنات آپ پر درود نازل فرماتا رہے جب تک کہ فاختائیں خوش الحانی کے ساتھ گاتی رہیں۔

حل لغات: وَرْقَاء: [فاختہ یا کبوتر یا قمری]۔

تشریح: مصرع ثانی میں الورقاءُ کے ہمزے پر پیش لگا ہے جس کا مطلب ہے کہ اس کو أَطْرَبَ فعل کا فاعل مانا گیا ہے، ہم نے ترجمہ اسی ترکیب کی بنیاد پر کیا ہے۔ مگر اِس تقدیر پر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ تذکیر و تانیث کی رو سے فعل و فاعل میں اختلاف ہو رہا ہے، دوسرے یہ کہ أَطْرَبَ متعدی ہے جو مفعول کو چاہتا ہے۔ اس لیے ایک ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ أَطْرَبَ فعل کی ھو ضمیر فاعل کا مرجع پہلے مصرع میں واقع اسم جلالت کو مانا جائے اور الورقاءَ کو مفعول مان کر مفتوح لکھا جائے، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ ''اے بلندیوں میں یکتا! اللہ تعالیٰ آپ پر درود نازل فرمائے جب تک وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) فاختاؤں کو خوش الحانی کے ساتھ گواتا رہے''۔

﴿۲۴۳﴾

صَلَّی عَلَیْکَ اللّٰہُ یَا مَوْلَايَ مَا	رَنَّ الْحَمَامُ عَلَی شُجُوْنِ الْبَانِ

اے میرے آقا! آپ پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی رہے جب تک کہ کبوتر بان درخت پر گنگناتے رہیں۔

☆☆☆

القصيدة الثانية

حمايد فضل الرسول

۱۳۰۰ ھ

﴿۱﴾

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِّدِ	بِجَلَالِهِ الْمُتَفَرِّدِ

حمد وثنا اس یکتا وتنہا ذات کے لیے سزاوار ہے جو عظمت وجلال میں متفرد ہے۔

﴿۲﴾

وَ صَلَاةُ مَوْلَانَا عَلَى	خَيْرِ الْأَنَامِ مُحَمَّدِ

مولیٰ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کاملہ اس ذات بابرکات محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہو جو مخلوق میں سب سے افضل وبہتر ہیں۔

﴿۳﴾

وَالْاٰلِ أَمْطَارِ النَّدَى	وَالصَّحْبِ سُحْبِ عَوَائِدِ

اس آل پر نازل ہو جو عطا وبخشش کی بارشیں ہیں اور ان اصحابِ رسول پر نازل ہو جو منافع وفوائد کی بدلیاں ہیں۔

حل لغات: أَمْطَار: [باران ہا] النَّدَى: [عطا] صَحْبٌ: صَاحِبٌ کی جمع، ساتھی۔ سُحْبٌ: [ابر ہا] سَحَابٌ کی جمع، بادل۔ عَوَائِد: [الفوائد] عَائِدٌ کی جمع بمعنی بھلائی، منفعت۔

﴿۴﴾

لَاهُمَّ قَدْ هَجَمَ الْعِدَى	مِنْ كُلِّ شَأْوٍ أَبْعَدِ

اے اللہ! دشمن قریب وبعید ہر جانب سے حملہ آور ہو چکے۔

حل لغات: لَاهُمَّ: یعنی اَللّٰهُمَّ اے اللہ۔ هَجَمَ: ماضی واحد مذکر غائب از هَجَمَ هُجُوْمًا بمعنی حملہ کرنا۔ العِدَى: [اعدا] عَدُوٌّ کی جمع دشمن۔ شَأْوٌ: [غایت ومنتہی]۔

تشریح: لاھم کے بارے میں بین السطور میں فرماتے ہیں ”لغة شائعة في اللهم“۔ اللہ کو پکارنے کے لیے لاھم اور اللھم دونوں عرب میں رائج ہیں، ان میں میم حرف ندا کے بدل

کے طور پر ہے، لسان العرب میں ہے:

قولهم لاهم واللهم فالميم بدل من حرف النداء

ترجمہ: عرب کا قول لاهم اور اللهم ان میں میم حرف ندا کے بدل میں ہے۔

﴿٥﴾

فِيْ خَيْلِهِمْ وَرِجَالِهِمْ	مَعَ كُلِّ عَادٍ مُعْتَدِ

(وہ دشمن) سواریوں پر اور پا پیادہ ہر ظالم وسرکش شخص کے ساتھ ہیں۔

حل لغات: خَيْلٌ: [سواراں] گھوڑے، مجازاً سوار۔ رِجَالٌ: [پیادگاں] رَاجِلٌ کی جمع بمعنی پیدل چلنے والا۔ اَلْعَادِي: [ظالم]۔ مُعْتَدِي: [متجاوز عن الحدود]: سرکش۔

تشریح: یہ ظرف گذشتہ شعر میں مذکور هَجَم فعل سے متعلق ہے۔

﴿٦﴾

هَاوِيْنَ زَلَّةَ مُثْبِتٍ	بَاغِيْنَ ذِلَّةَ مُهْتَدِ

(اس حال میں کہ) وہ صاحب استقامت وثبات کی ثابت قدمی میں لغزش چاہتے ہیں، ہدایت یافتہ شخص کو ذلیل ورسوا کرنا چاہتے ہیں۔

حل لغات: هَاوِيْنَ: [خواہاں] هَاوٍ کی جمع بمعنی چاہنے والا۔ زَلَّة: [لغزش]۔ بَاغِيْن: [طالبين] باغی کی جمع بمعنی طالب۔ مُهْتَدِي: ہدایت یافتہ۔

تشریح: هاوين اور باغين هجم فعل کے فاعل العدى کا حال ہیں۔ زلة اور ذلة میں جناس ہے جو لطف سے خالی نہیں۔

﴿٧﴾

لٰكِنَّ عَبْدَكَ اٰمِنٌ	إِذْ مَنْ دَعَاكَ يُؤَيَّدِ

لیکن تیرا بندہ مامون ومحفوظ ہے کیونکہ جس نے تجھے پکارا اس کی تائید کی جاتی ہے۔

حل لغات: يُؤَيَّدُ: اس کی تائید کی جاتی ہے، مضارع مجہول۔

تشریح: دشمنوں کا ہجوم ضرور ہے اور وہ صاحب استقامت اور صاحب ہدایت کے قدم متزلزل کرنا چاہتے ہیں لیکن اے پروردگار! تیرا بندہ ان کے مکر وفریب اور زلت وذلت سے محفوظ ومامون ہے، اس لیے کہ اس نے تجھے مدد کے لیے پکارا ہے اور جو بھی تجھے مدد کے لیے پکارتا ہے تیری جانب سے

اس کی تائید ونصرت کی جاتی ہے۔ من دعاك شرط ہے یؤید جزا ہونے کی بنیاد پر مجزوم ہے۔

﴿۸﴾

لاأَخْتَشِيْ مِنْ بَأْسِهِمْ	يَدُ نَاصِرِيْ أَقْوٰى يَدِيْ

مَیں ان کی قوت و طاقت سے بالکل نہیں ڈرتا ہوں اس لیے کہ میری مدد کرنے والے کا ہاتھ سب سے طاقتور ہاتھ ہے۔

حل لغات: لاأَخْتَشِيْ: [نمی ترسم] مَیں نہیں ڈرتا ہوں۔ بَأْسٌ: طاقت وقوت۔

تشریح: مَیں دشمنوں کی طاقت وقوت سے خوف زدہ نہیں ہوں کیوں کہ میرا مدد فرمانے والا اللہ ہے اور اس کی طاقت وقوت کے مقابلے میں کوئی طاقت نہیں ہے۔

﴿۹﴾﴿۱۰﴾

يَا رَبِّ يَا رَبَّاهُ يَا	كَنْزَ الْفَقِيْرِ الْفَاقِدِ
بِکَ أَلْتَجِيْ بِکَ أَدْفَعُ	فِيْ نَحْرِ كُلِّ مُهَدِّدِ

اے میرے پروردگار! اے فقیر ومحتاج کے خزانہ گم گشتہ! مَیں تیری پناہ میں آتا ہوں اور تیرے ذریعے ہر ڈرانے دھمکانے والے کو دفع کرتا ہوں۔

حل لغات: فَاقِد: گم کردہ، گمشدہ۔ نَحْرٌ: [بہ پیش سینہ] سینہ کا بالائی حصہ۔ مُهَدِّدٌ: [ترسانندہ] اسم فاعل از هَدَّدَ يُهَدِّدُ بمعنی دھمکی دینے والا۔

تشریح: مصرع ثانی میں أَدْفَعُ اشباع ضمہ کے ساتھ ادْفَعُوْ پڑھا جائے گا۔

﴿۱۱﴾

أَنْتَ الْقَوِيُّ فَقَوِّنِيْ	أَنْتَ الْقَدِيْرُ فَأَيِّدِ

تو طاقت وقوت والا ہے لہٰذا مجھے قوت عطا فرما تو قدرت والا ہے میری تائید ونصرت فرما۔

﴿۱۲﴾

فَإِلَى الْعَظِيْمِ تَوَسُّلِيْ	بِكِتَابِهٖ وَ بِأَحْمَدِ

رب العالمین کی بارگاہ میں میرا وسیلہ اس کی کتاب (قرآن) اور رسول احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

تشریح: بارگاہ رب العزت میں اپنے وسیلے بیان فرما رہے ہیں۔ ان وسیلوں کا بیان شعر نمبر ۱۵/

تک ہوا ہے۔

﴿۱۳﴾

وَبِــمَــنْ أَتَــى بِـكَـلامِــهٖ	وَبِـمَـنْ هَـدَى وَبِـمَنْ هُدِي

اور (میرا وسیلہ) وہ ذات گرامی ہے جو اس کا کلام لے کر آئی اور وہ جس نے ہدایت دی اور وہ ذوات قدسیہ جو ہدایت یافتہ ہیں۔

تشــریح: بین السطور میں وضاحت فرماتے ہیں کہ کلام لانے والے سے روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام، ہدایت دینے والے سے جناب رسالت مآب ﷺ اور ہدایت یافتہ سے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی ذوات گرامی مراد ہیں۔

﴿۱۴﴾

وَبِــطَيْبَةٍ وَبِــمَــنْ حَــوَتْ	وَ بِــمِــنْبَــرٍ وَ بِــمَسْجِدِ

اور (میرا وسیلہ) مدینہ طیبہ، اس کے ساکنین، منبر رسول اور مسجد نبوی ہیں۔

حل لغات: حَوَتْ: [أَحَاطَتْ] اس نے گھیرا۔

تشریح: بین السطور میں بمن حوت (ساکنین مدینہ) کی تشریح فرماتے ہیں کہ اس سے حضور اکرم ﷺ آپ کے دونوں ساتھی یعنی صدیق اکبر و فاروق اعظم اور اہل بقیع مراد ہیں۔

﴿۱۵﴾

وَبِــكُـلِّ مَـنْ وَجَـدَ الـرِّضَـا	مِــنْ عِــنْــدِ رَبٍّ وَاجِـدِ

اور ہر وہ ذات (میرا وسیلہ ہے) جس نے رب کریم کی بارگاہ سے خوشنودی و رضا پائی۔

﴿۱۶﴾

لاهُــمَّ فَــادْفَـعْ شَــرَّهُـمْ	وَ قِنِيْ مَـكِيْـدَةَ كَـائِدِ

اے اللہ! تو ان دشمنان اسلام کے شر و فساد کو دور فرما اور مکر و فریب دینے والے کے مکر سے مجھے بچا۔

حل لغات: مَكِيْدَةٌ: مکر، دھوکہ۔ كَائِدٌ: [قاصد سو] مکر و فریب کرنے والا۔

﴿۱۷﴾

لاهُــمَّ سِتْــرُكَ مُسْبَــلٌ	فَبِـذَيْـلِ حِـفْـظِكَ أَرْتَـدِيْ

اے اللہ! تیرا پردۂ حمایت تنا ہوا ہے تو تیری حفاظت کی چادر میں زیب تن کرتا ہوں۔

حل لغات: سِتْرٌ: [پردہ]۔ مُسْبَلْ: اسم مفعول از أَسْبَلَ السِّتْر معنی پردہ لٹکانا۔ ذَيْل: دامن۔ أَرتَدِي: [أَلْبَسُ الرِّدَاء] مضارع متکلم بمعنی چادر اوڑھنا۔

﴿۱۸﴾

فَضْلُ الرَّسُوْلِ لَنَا وَمَنْ	عَبَدَ الْمَجِيْدَ يُمَجَّدِ

فضل رسول ہمارے لیے ہے اور وہ شخص جس نے بزرگی والے رب کی عبادت کی تو بزرگی و برتری والا ہو گیا۔

حل لغات: يُمَجَّدُ: مضارع مجہول از مَجَّدَ يُمَجِّد بمعنی بزرگی والا ہونا۔

تشریح: یہاں لفظی معنی بھی مراد ہو سکتا ہے، جیسا کہ ترجمہ کیا گیا ہے اور فضل رسول کو علم مان کر یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کہ سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول ہمارے ہیں، اسی طرح مصرع ثانی میں مَنْ عَبَدَ الْمَجِيْدَ سے اشارتاً ممدوح کے والد گرامی حضرت مولانا شاہ عین الحق عبد المجید قادری بدایونی کی ذات گرامی بھی مراد لی جا سکتی ہے۔

﴿۱۹﴾

اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا	مَوْلَى لِعَاتٍ مُفْسِدِ

اللہ تعالیٰ ہمارا مولا ہے کسی سرکش و مفسد کا کوئی مددگار نہیں۔

حل لغات: عَاتٍ: [سرکش]۔

تشریح: بین السطور میں فرماتے ہیں ”اقتباس من حديث يوم أحد“ یعنی یہ یوم احد والی حدیث سے اقتباس ہے۔

میدان احد میں جنگ کے اختتام پر ابوسفیان نے نعرہ بلند کیا ’أعل هبل‘ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس کو جواب دو ”الله أعلى وأجل“، اس کے جواب میں ابوسفیان نے کہا ”لنا عزى ولا عزى لكم“، ہماری مدد کے لیے عزیٰ (بت) ہے تمہارے لیے کوئی عزیٰ نہیں ہے، حضور اکرم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ جواب دو ”الله مولانا ولا مولا لكم“۔ (صحیح بخاری: حدیث نمبر ۴۰۴۳)

﴿۲۰﴾

قُرْاٰنُنَا قُرْبَانُنَا	وَاللّٰهُ أَقْرَبُ شَاهِدٖ

ہمارا قرآن ہمارے لیے تقرب الٰہی حاصل کرنے کا وسیلہ ہے اور اللہ قریب ترین شاہد ہے۔

حل لغات: قُرْبَان: [أي ما يتقرب به إلى الله تعالَى] ہر وہ چیز جس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے۔

﴿۲۱﴾

لا بَارَكَتْ يَدُ رَبِّنَا	فِيْ نَجْدِ أَهْلِ مَفَاسِدٖ

ہمارے رب کا دست قدرت اہل مفاسد کے نجد میں برکت نہ دے۔

حل لغات: مَفَاسِد: مَفْسَدَةٌ کی جمع بمعنی سبب فساد یا فساد۔

تشریح: یہاں سے شعر نمبر ۲۳ر تک ایک حدیث سے استفادہ ہے، شعر نمبر ۲۴ر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

﴿۲۲﴾

فَبِهَا الزَّلازِلُ وَالْفِتَنْ	وَبِهَا جُنُوْدُ مُطَرَّدٖ

وہاں فتنے اور زلزلے ہیں اور وہاں مردود دھتکارے ہوئے کے لشکر ہیں۔

حل لغات: زَلَازِلُ: زَلْزَلَةٌ کی جمع زلزلہ۔ فِتَنٌ: فِتْنَةٌ کی جمع بمعنی آزمائش، فتنہ۔ مُطَرَّدٌ: [وهو شيطان رجيم] دھتکارا ہوا، نکالا ہوا۔

تشریح: فَبِها اور وَبِها کی ضمیر متصل اور اگلے شعر میں واقع هي کی ضمیر منفصل کا مرجع گذشتہ شعر میں واقع لفظ نَجْد ہے، نجد سے اگر ایک مخصوص شہر کا نام مراد لیا جائے تو یہ مؤنث ہوگا اور ها اور هي ضمیر مؤنث کا مرجع بن جائے گا۔ اگر وہ مخصوص شہر مراد نہ ہو تو لفظی اعتبار سے یہ مذکر ہے لہٰذا اصل کا اعتبار کرتے ہوئے آپ فَبِهَا کو فَبِهِ، وَبِهَا کو وَبِهِ اور هِي کو هُوَ بھی پڑھ سکتے ہیں اس سے شعر کا وزن متأثر نہیں ہوگا۔ اس کی وضاحت حاشیہ میں یوں فرماتے ہیں:

أنث الضمائر على اعتبار البلدة وإن شئت ذكرت على الأصل

ترجمہ: شہر کا اعتبار کرتے ہوئے ضمیریں مؤنث لائی گئی ہیں، اگر تم چاہو تو اصل

کی بنیاد پر ضمیروں کو مذکر بھی کر سکتے ہو۔

۲۳

هِيَ مَطْلِعُ الْقَرْنِ الدَّنِيِّ	قَرْنِ الْعَنِيْدِ الْأَعْنَدِ

نجد اس گھٹیا سینگ کے طلوع ہونے کا مقام ہے جو سرکش معاند (شیطان) کا سینگ ہے۔

حل لغات: مَطْلِعٌ: اسم ظرف بمعنی طلوع ہونے کی جگہ۔ قَرْنٌ: سینگ۔ الدَّنِي: گھٹیا۔ العَنِيْد: سرکش۔ أَعْنَدْ: اسم تفضیل بمعنی بہت زیادہ سرکش۔

۲۴

فَبِذَا أَتَانَا الْعِلْمُ فِيْ	خَبَرٍ صَحِيْحٍ مُسْنَدِ

اس کا علم ہمارے پاس صحیح مسند خبر میں آیا ہے۔

تشریح: اس صحیح خبر سے صحیح بخاری کی وہ حدیث پاک مراد ہے جس میں حضور رسالت مآب ﷺ نے شام اور یمن کے لیے برکت کی دعا فرمائی، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے نجد میں بھی برکت کی دعا فرمائیں، آپ نے پھر شام و یمن کے لیے دعا فرمائی، پھر صحابہ نے وہی عرض کیا، آپ نے پھر وہی دعا فرمائی، تیسری بار جب صحابہ نے نجد کے لیے دعا فرمانے کو عرض کیا تو اس صادق و مصدوق نے ارشاد فرمایا:

> هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان (صحیح بخاری: کتاب الفتن، حدیث نمبر ۷۰۹۴)
>
> ترجمہ: وہاں (نجد میں) زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔

اگلے شعر سے گریز کر کے حضور سیف اللہ المسلول کی مدح کی طرف آ رہے ہیں۔ اس سے پہلے فتنہ نجد اور وہاں قرن شیطان کے طلوع ہونے کا ذکر آگے آنے والی مدح سے ایک خاص مناسبت رکھتا ہے، کیوں کہ اب جس ذات گرامی کی مدح شروع ہو رہی ہے اس نے اپنی تصانیف کے ذریعے اس فتنے کے رد و ابطال میں سعی بلیغ فرمائی۔ آپ کی تصانیف 'سوط الرحمٰن علی قرن الشیطان'، المعتقد المنتقد اور سیف الجبار وغیرہ اس پر شاہد عدل ہیں۔ آپ کی اس شان کا اعتراف استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

ذائع الصيت في إنجاد الحق وفلّ قرن طلع من النجد في الأغوار والأنجاد (تقریظ المعتقد المنتقد: ص۲)

ترجمہ: حق کی نصرت میں اور ہر نشیب وفراز میں مقام نجد سے نمودار ہونے والے سینگ کو کند کرنے میں زبردست شہرت رکھتے ہیں۔

المعتقد المنتقد میں حضور سیف اللہ المسلول نے فتنہ نجد اور فرقہ وہابیہ کا جو رد فرمایا اس کے بارے میں علامہ رقم طراز ہیں:

وافتضح بها عوارالأعا ورالردية، من المعتزلة والنجدية، فإذ قد نجد بها الحق نجودا، ترك كل نجدي منكودا منجودا، بل هالكاً ملحودا (تقریظ المعتقد المنتقد: ص۲)

ترجمہ: اس (المعتقد المنتقد) کے ذریعے معتزلہ اور نجدیوں جیسے تباہ شدہ عقل کے اندھوں کے عیبوں کا پردہ فاش ہوگیا، چنانچہ اس کے ذریعے حق بالکل واضح ہوگیا اور ہر نجدی کو شکست خوردہ اور زمیں بوس کردیا بلکہ ہلاک اور زیر لحد کردیا۔

﴿۲۵﴾

هَا فَلْيَكِدْنِي مَنْ يَشَأ	وَلْيَعْلُ وَلْيَسْتَنْجِدِ

خبردار جو چاہے میرے ساتھ مکروفریب کرے، تکبر وسرکشی اور دلیری دکھائے۔

حل لغات: هَا: [کلمہ تنبیہ] بمعنی خبردار۔ فَلْيَكِدْنِي: مضارع مجزوم بلام الطلب اصل میں يَكِيْدُنِي تھا، از كَادَهُ كَيْدًا بمعنی مکروفریب کرنا۔ وَلْيَعْلُ: فِي الأَرْض تکبر کرنا۔ وَلْيَسْتَنْجِد: [دلیری کند] مضارع مجزوم از اِستَنْجَد بمعنی دلیر ہونا۔

تشریح: مصرع ثانی میں وارد لفظ لیعل کی تشریح بین السطور میں فرماتے ہیں:

أي ليبغ إن فرعون علا في الأرض

یعنی لیعل لیبغ کے معنی میں ہے جیسے إن فرعون علا في الارض میں علا بغی کے معنی میں ہے۔

﴿۲۶﴾

وَلْيَجْمَعَنْ شُرَكَاءَهُ	أَنَا فِيْ حِمَايَةِ وَاحِدٍ

اور اپنے شریکوں کو (حمایتی بنا کر) جمع کرلے میں فقط ایک ذات کی حمایت و

حفاظت میں ہوں۔

تشریح: وہ ایک ذات کون ہے اس کی وضاحت آگے کے شعروں میں آرہی ہے۔

﴿۲۷﴾

فَلْيَدْعُ نَادِيَ نَجْدِهٖ	نَدْعُوْ زَبَانِيَ أَنْجَدِ

وہ اپنے نجد کی مجلس (ہم نشینوں) کو پکارے، ہم (حق کے) بہادر سپاہیوں کو بلاتے ہیں۔

حل لغات: نَادِي [انجمن]۔ زَبَانِي: [سپاہی]۔ أَنْجَد: [أَشْجَع] بہت زیادہ بہادر۔

تشریح: یہ ایک آیت کریمہ سے استفادہ ہے۔ ایک موقع پر ابو جہل بد بخت نے حضور رسالت مآب ﷺ کو مسجد حرام میں نماز ادا فرمانے سے روکا، اس پر حضور اکرم ﷺ نے سختی سے اس کو جھڑک دیا، اس بد بخت نے گستاخانہ انداز میں کہا کہ آپ مجھے جھڑکتے ہیں میں اپنی مدد کے لیے نوجوانوں اور طاقت وروں کو بلالوں گا، مکہ میں مجھ سے زیادہ بڑی مجلس والا کوئی نہیں۔ اس کی اس گستاخی کے جواب میں پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا:

> كلا لئن لم ينته لنسفعاً بالناصيةناصيةٍ كاذبةٍ خاطئة فليد ع ناديهٗ سند ع الزبانية (العلق: آیت ۱۵/تا ۱۸)
>
> ترجمہ: خبردار! اگر وہ (گستاخی سے) باز نہ آیا تو ضرور ہم اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے، وہ پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے، پس وہ پکارے اپنے ہم نشینوں کو، ہم بھی عنقریب (دوزخ کے) سپاہیوں کو بلالیں گے۔

﴿۲۸﴾

أَسَدٍ صَؤُوْلٍ ضَامِرٍ	بَطَلٍ كَأَغْبَرِ آسُدِ

بھوکا سخت حملہ آور شیر، بہادر خاکستر رنگ والے شیر کی طرح۔

حل لغات: صَئُوْل: [بسیار حملہ آور] بہت زیادہ حملہ کرنے والا۔ ضَامِر: [گرسنہ] بھوکا۔ بَطَلٌ: [شجاع]۔ أَغْبَر: [الأسد الأغبر اللون أشد الأسود] خاکستر رنگ والا شیر۔ آسُد: [شیراں] أَسَدٌ کی جمع اور یہ شاذ ہے۔

تشریح: اپنی مدد کے لیے جس کو پکاریں گے اس کی صفات بیان ہو رہی ہیں۔ صؤول کا معنی سخت حملہ کرنے والا شیر ہے، اس پر ضامر کی صفت کا اضافہ کیا، ضامر بھوکے شیر کو کہتے ہیں، یہ

بات معلوم ہے کہ بھوک کی حالت میں شیر اور بھی خطرناک ہوجاتا ہے۔ ضامر کی وضاحت کرتے ہوئے بین السطور میں لکھتے ہیں: اي گرسنہ و الأسد إذ ذاك أشد صولة۔

﴿۲۹﴾

فَضْلُ الرَّسُوْلِ هُوَالَّذِيْ　　وَالاهُ كُلُّ مُسَدَّدِ

فضل رسول کی ہی وہ ذات (بابرکات) ہے جس سے ہر راہِ راست پر چلنے والے کو عقیدت ہے۔

حل لغات: وَالاهُ: [أَحَبَّهُ] محبت کرنا۔ مُسَدَّد: [راست کردہ شد] اسم مفعول از سَدَّدَ بمعنی راہ راست کی طرف رہنمائی کرنا۔

تشریح: شعر نمبر ۲۵ / سے جو مضمون شروع ہوا تھا وہ یہاں مکمل ہو رہا ہے۔ ان پانچ شعروں کا مجموعی مفہوم یہ بنا کہ جو میرے ساتھ مکر و فریب کرنا چاہے وہ سامنے آئے، جتنی چاہے سرکشی اور دلیری دکھائے، میرے مقابلے میں اپنے مددگار اور حمایتی جمع کر لے مَیں اس کی پرواہ نہیں کرتا کیوں کہ مَیں ایک ذات گرامی (حضور سیف اللہ المسلول) کی حمایت و حفاظت میں ہوں۔ اب مَیں چیلنج کرتا ہوں کہ مکر و فریب کرنے والو! تم اپنے نجد کے مددگاروں اور ہم نشینوں کو مقابلے کے لیے لے آؤ ہم اپنے بہادر سپاہی (حضور سیف اللہ المسلول) کو لا رہے ہیں، جن کی شان یہ ہے کہ سخت حملہ آور شیر کی طرح دشمنان خدا و رسول پر حملہ کرنے والے ہیں، ان کا نام نامی فضل رسول ہے، ان کی شان یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو راہ راست اور صراط مستقیم پر ہے وہ ان سے محبت کرتا ہے۔

اس آخری شعر میں حضور سیف اللہ المسلول کی محبت کو راہ راست پر چلنے والے کی پہچان بتایا ہے، یہی بات آپ نے ممدوح کے صاحبزادے حضور تاج الفحول محبّ رسول مولانا عبدالقادر بدایونی قدس سرہٗ کے بارے میں بھی کہی ہے، فرماتے ہیں:

ٹھیک معیار سنیت ہے آج　　تیری حب و ولا محبّ رسول

﴿۳۰﴾

وَمُوَافِقٌ لِمُوَفَّقٍ　　يَحْظَى بِأَوْفَقِ مَقْصَدِ

اور وہ جس توفیق یافتہ کے موافق ہوتے ہیں وہ کامیاب ترین مقصد سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

حل لغات: مُوَفَّق: اسم مفعول بمعنی توفیق دیا ہوا۔ یَحْظَی: [بہرہ ورشود] أَوْفَق: موافق ترین۔

﴿۳۱﴾

أَعْظِمْ بِهٖ كَمْ فَازَ مِنْ	فَضْلٍ وَ مَجْدٍ مَاجِدٖ

وہ کتنی عظمت والے ہیں! وہ کتنے فضل وکرم اور بزرگی سے کامیاب وکامران ہوگئے۔

حل لغات: أَعْظِمْ بِهٖ: [صیغۂ تعجب] کیا ہی عظیم ہے۔

﴿۳۲﴾

أَكْرِمْ بِهٖ كَمْ حَازَ مِنْ	فَيْضٍ وَجُوْدٍ جَائِدٍ

وہ کتنے مکرم ومعزز ہیں! انہوں نے کتنی فیاضی وسخاوت کو جمع کرلیا ہے۔

حل لغات: أَكْرِمْ بِهٖ: صیغۂ تعجب، کتنا مکرم ہے۔ حَازَ: [جَمَعَ] ماضی واحد مذکر غائب از حَازَ حَوْزًا بمعنی جمع کرنا۔

﴿۳۳﴾

اُنْظُرْ بَوَارِقَهُ إِذَا	بَرَقَتْ بِعَلْيَا فَرْقَدٖ

ان کی بجلیوں کو دیکھو جب وہ فلک کی بلندیوں پر چمکتی ہیں۔

حل لغات: عَلْيَا: [بلندی] شعر میں ہمزہ کو تخفیف کی بنا پر حذف کردیا گیا ہے۔

تشریح: مصرع اولیٰ میں لفظ 'بوارق' کا لفظی معنی لیں تو ممدوح کی عام تصانیف مراد ہوں گی۔ اس کو بطور علم بھی لے سکتے ہیں تو ممدوح کی تصنیف 'البوارق المحمدية لرجم الشياطين النجدية' کی طرف اشارہ ہوگا۔

فرقد کی وضاحت بین السطور میں فرماتے ہیں:

اسم كوكبين في فلك البروج وهما فرقدان۔

فلک البروج میں دو ستاروں کا نام ہے، یہ فرقدان (کہلاتے) ہیں۔

یہ قطب شمالی کے قریب ایک روشن ستارہ کا نام ہے، اسی کے پہلو میں ایک دوسرا ہے جو اس سے کم روشن ہوتا ہے اور یہ دونوں فرقدان کہلاتے ہیں۔ (مصباح اللغات: مادہ ف رق)

﴿۳۴﴾

نِـعْـمَ الـضِّـيَــاءُ وَيَــالَــهُ
مِــنْ وَاقِــدٍ مُتَــوَقِّــدِ

کیاہی اچھی روشنی ہےاوروہ کیاہی تعجب خیزروشن اورفروزاں کرنے والے ہیں۔

حـل لـغات: ضِـيَــاءٌ: روشنی۔يَـالَـهُ: [ندائے تعجب]۔وَاقِدٌ: [روشن]اسم فاعل بہت زیادہ روشن۔مُتَوَقِّدٌ: [فروزاں]اسم فاعل بمعنی روشن کرنے والا۔

﴿۳۵﴾

بَـلَـغَ الْـمَـرَامَ بِنُوْرِهَـا
مَـنْ شَـاءَ إِلَّا الْـمُعْتَـدِيْ

ان (بجلیوں) کےنور کے ذریعے جس نے بھی چاہا مقصد ومراد کو پالیا سوائے حدسےگزرنے والے(سرکش) کے۔

حل لغات: المَرَام: مقصد۔الـمُعْتَدِي:[المتجاوز عن حدود الله تعالَى]اسم فاعل بمعنی سرکشی کرنے والا،حدودِالٰہی سےتجاوزکرنے والا۔

تشریح: بنورھا میں ھاکی ضمیربوارق کی جانب راجع ہے،یہاں بھی وہی دونوں احتمال ہیں جن کاذکرشعر۳۳رکی تشریح کےضمن میں ہوا۔

﴿۳۶﴾

لَـرَأَى السَّبِيْـلَ كَمَـا نَـرَى
لَــوْ كَــانَ لَـمْ يَتَـمَــرَّدِ

وہ بھی راہ راست دیکھ لیتاجیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں اگروہ سرکشی ونافرمانی نہ کرتا۔

حل لغات:لَمْ يَتَمَرَّدْ: مضارع منفی واحدمذکرغائب بمعنی نافرمانی کرنا،سرکشی کرنا۔

تشریح: ان کی تصانیف روشن وتابناک ہیں،ان کا مطالعہ کرنے والےان سےفیض حاصل کر رہے ہیں اوران کےمضامین کی روشنی میں ہدایت کا راستہ طے کررہے ہیں،لیکن سرکش اور باغی لوگ ان کےفیض سےمحروم ہیں۔اگروہ سرکشی نہ کرتے تو جس طرح ہم نے اس روشنی میں اپنے راستے کوطےکیاہےوہ بھی منزل ہدایت تک پہنچ جاتے۔

﴿۳۷﴾

لٰـكِـنَّ مُـخْـتَـارَ الْـعَـمَـى
كَـثَـمُـوْدَ كَـارِهُ إِثْـمِـدِ

لیکن اندھےپن کواختیارکرنے والاوہ توقوم ثمودکی طرح ہے،سرمےکوناپسندکرتاہے۔

حل لغات: مُخْتَارُ الْعَمَی: [پسندکنندۂ کوری] اندھے پن کو اختیار کرنے والا۔ إِثْمِد: [سرمہ]

تشریح: یہ ایک آیت کریمہ سے استفادہ ہے، رب العزت کا فرمان ہے:

> وأما ثمود فهدينا هم فاستحبوا العمى على الهدى فأخذتْهم صاعقة العذاب الهون بما كانوا يكسبون
>
> ترجمہ: اور رہی قوم ثمود تو ہم نے ان کو ہدایت دی مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنا ہی پسند کیا تو انہیں ذلت و رسوائی کے کڑک والے عذاب نے پکڑ لیا۔

اثمد ایک قسم کا پتھر ہے جس سے سرمہ تیار کیا جاتا ہے۔ دوسرے مصرع میں ثمود اور اثمد کا اجتماع بھی لطف دے رہا ہے۔

﴿۳۸﴾

فَعَمَی وَأَعْمَی مَنْ يَلِيْ	وَكَذَاکَ كُلُّ مُبَعَّدِ

تو وہ بینائی سے محروم ہو گیا اور اس نے ہم نشینوں کو بھی اندھا کر دیا اور اسی طرح ہر (رحمت الٰہی سے) دور کیا جانے والا ہوتا ہے۔

حل لغات: عَمَی: [کور شد] اندھا ہو گیا۔ أَعْمَی: [کور کرد] اس نے اندھا کر دیا۔ مَنْ يَّلِي: [مَنْ تَوَلَّی أَمْرَهُ] جو اس کا کام سنبھالتے تھے یعنی ہمنشین۔ مُبَعَّدٌ: اسم مفعول بمعنی رحمت الٰہی سے دور کیا ہوا۔

تشریح: رحمت الٰہی سے دور کیا گیا ہر شخص ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ خود بھی کور چشم ہو جاتا ہے اور اپنے ہم نشین کو بھی حق دیکھنے سے اندھا کر دیتا ہے۔

﴿۳۹﴾

غَلَبَتْهُ شِقْوَتُهُ وَقَدْ	بُدِئَ الْكِتَابُ بِمَا بُدِي

اس پر اس کی شقاوت و نحوست غالب آ گئی، یقیناً لوح محفوظ کا جس سے آغاز ہونا تھا آغاز ہوا۔

حل لغات: بُدِئَ: [آغاز کردہ شدً] ماضی مجہول از بَدَی۔ الْكِتَاب: [کتاب القدر]

تشریح: پہلے مصرع میں ایک آیت کریمہ سے استفادہ کیا ہے، رب العزت کا فرمان ہے کہ:

قالوا ربنا غلبت علينا شقوتنا و كنا قوماً ضالين (**المؤمنون: آیت ۱۰۶**)
ترجمہ: وہ (کافر) کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آئی
اور ہم گمراہ لوگ تھے۔

دوسرے مصرع میں ایک حدیث پاک سے استفادہ ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب ماں کے پیٹ میں بچے کے اندر روح پھونکی جاتی ہے تو اس کا رزق، اس کی موت کا وقت اور اس کا عمل لوح محفوظ میں لکھ دیا جاتا ہے، خدا کی قسم تم میں سے کوئی شخص جنت کا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس میں اور جنت میں صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو نوشتہ قسمت سبقت کرتا ہے اور وہ دوزخیوں والا عمل کرتا ہے تو وہ دوزخ میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص جہنمی لوگوں کا عمل کرتا ہے، یہاں تک کے اس میں اور جہنم میں ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے تو نوشتہ تقدیر سبقت کرتا ہے اور وہ اہل جنت کا عمل کرتا ہے اور اس کو جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ (**ملخصاً از صحیح مسلم: حدیث نمبر ۲۶۴۳**)

﴿۴۰﴾

وَيْلًا لَــــهُ بَــلْ لَيْـــسَ ذَا	وَيْلًا وَلٰـكِـنْ فِـي الْـغَـدِ

اُس کے لیے ویل ہے، لیکن یہ ویل نہیں بلکہ کل (قیامت کے دن) کی ویل ہوگی۔

حل لغات: الغَد: [يوم القيامة] کل، مگر یہاں قیامت کا دن مراد ہے۔

تشریح: ، جس نے ہدایت حاصل نہیں کی اور سرکشی وطغیان پر آمادہ رہا اس کے لیے ویل ہے اور ویل بھی دنیا کی نہیں بلکہ کل قیامت کے دن کی ویل۔ بین السطور میں وضاحت فرماتے ہیں: أي ولكن الويل كل الويل يوم الجزاء۔

ویل کے معنی ہلاکت وتباہی کے آئے ہیں اور ویل جہنم کی ایک وادی کا نام بھی ہے۔

﴿۴۱﴾

لَــوْ يَــفْتَــدِي مِـنْ بُـؤْسِــهٖ	لٰـكِـنَّـــهُ لَـنْ يَـفْتَـدِيْ

اگر وہ (ضال ومضل) اپنے عذاب کا فدیہ دینا چاہے تو فدیہ تو ہرگز نہیں چلے گا۔

حل لغات: يَفْتَدِي: [فدیہ دہد] فدیہ دینا، مال دے کر قیدی کو چھڑانا۔ بُؤْسِهٖ: [عَذابه]۔

تشریح: فدیہ سے مراد وہ مال ہے جس کو دے کر آدمی قید سے رہائی حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن یہ

ضال ومضل جس 'ویل' میں ڈالا جائے گا اس میں فدیہ دے کر باہر آنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس شعر میں قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ سے استفادہ ہے۔ رب کریم ارشاد فرماتا ہے:

> إن الذين كفروا لوأن لهم ما في الأرض جميعاً ومثله معه ليفتدوا به من عذاب يوم القيامة ما تقبل منهم ولهم عذاب أليم **(المائدة: آیت ۳۶)**
>
> ترجمہ: اگر کافروں کے پاس جو کچھ زمین میں ہے وہ اور اسی کی مثل اور بھی ہو وہ اسے دے کر قیامت کے عذاب سے نجات چاہیں تو ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

﴿۴۲﴾

فَاللّٰہُ یَجْزِیْکَ الْجَزَا	یَا قَاصِمًا لِمُعَانِدِ

اے معاند وسرکش کی کمر توڑنے والے! اللہ آپ کو بہتر جزا عطا کرے۔

حل لغات: قَاصِمٌ: [کمرشکن] اسم فاعل بمعنی توڑنے والا۔ مُعَانِد: سرکش۔

تشریح: حضور سیف اللہ المسلول کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی تصانیف اور قلم سیال کے ذریعے گویا بد مذہبی اور گمراہ فرقوں کی کمر توڑ دی، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

﴿۴۳﴾

إِذْ کَانَ هَدْیُکَ هَادِیًا	یَحْمِيْ عَنِ النَّهَجِ الرَّدِيْ

کیونکہ (اے ممدوح) آپ کی سیرت و روش ہدایت دینے والی ہے اور برے طریقے سے حفاظت کرتی ہے۔

حل لغات: هَدْیٌ: [روش] سیرت، طریقہ، کہا جاتا ہے 'مَا أَحْسَنَ هَدْیُهُ' اس کی سیرت کس قدر اچھی ہے۔ یَحْمِي: [یَمْنَع] بچاتا ہے، روکتا ہے۔ النَّهَج: [راہ] راستہ، راہ راست۔ الرَّدِي: برا، گھٹیا۔

﴿۴۴﴾

تَسْطُوْ عَلَى أَهْلِ الْجَفَا	سَطْوَ الْمُؤَمَّرِ مِنْ عَدِيْ

آپ بے وفا غدار لوگوں پر حملہ کرتے ہیں قبیلہ عدی کے سردار و امیر (حضرت عمر

فاروق اعظم) کے حملہ کرنے کی مانند۔

حل لغات: تَسْطُوْ: [تَصُوْلُ] واحد مذکر حاضر مضارع از سَطَا يَسْطُوْ سَطْوًا بِهِ وَعَلَيْهِ بمعنی کسی پر حملہ کرنا، مغلوب کرنا۔ الـمُؤَمَّر: [امیر کردہ شد] اسم مفعول بمعنی امیر کیا ہوا، حاکم بنایا ہوا۔ عَدِيْ: قریش کا ایک قبیلہ۔

تشریح: المؤمر من عدی سے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب اشارہ ہے۔ آپ کا تعلق قریش کے قبیلہ بنو عدی سے تھا۔ یہ عدی بن کعب بن لؤی بن غالب کی اولاد میں ہے۔ مصنف بین السطور میں لکھتے ہیں: أراد الفاروق رضی الله تعالى عنه۔

﴿۴۵﴾

قَطَعَتْ يَدَاکَ وَتِيْنَهُمْ	بِمُحَدَّدٍ وَ مُهَنَّدٍ

آپ کے مبارک ہاتھ نے تیز ہندی تلوار سے ان (بے وفاؤں) کی شہ رگ کاٹ دی۔

حل لغات: وَتِيْن: [رگِ دل] شہ رگ۔ مُحَدَّدٌ: [تیغ تیز] تیز دھاردار تلوار۔ مُهَنَّدٌ: [تیغ ہندی] ہندوستانی لوہے کی تلوار، کہا جاتا ہے سیف مهنّد بمعنی ہندی تلوار۔

تشریح: ممدوح کا لقب 'سیف اللہ المسلول' (یعنی اللہ کی شمشیر بے نیام) اسی بنیاد پر ہے کہ آپ نے اہل بدعت و ضلالت کے مقابلے میں مسلک حق کی حمایت و نصرت کا حق ادا کر دیا تھا۔ شعر میں آپ کی انہیں خدمات کی جانب اشارہ ہے۔

﴿۴۶﴾

فَسَبَحْتَ بَحْرَ دِمَائِهِمْ	فِيْهَا تَرُوْحُ وَتَغْتَدِيْ

آپ نے ان کے خون کے سمندر میں تیراکی کی اور آپ اس میں صبح و شام آتے جاتے ہیں۔

حل لغات: سَبَحْتَ: [شنا کردی] واحد مذکر حاضر ماضی از سَبَحَ سَبْحًا وَسِبَاحَةً بمعنی تیرنا۔ تَرُوْح: [تذهب صبحاً و تمشي مساءً] مضارع واحد مذکر حاضر از رَاحَ رَوَاحًا بمعنی شام کے وقت آنا۔ تَغْتَدِي: مضارع واحد مذکر حاضر از اِغْتَدَی صبح کے وقت آنا۔

تشریح: یعنی آپ نے رزم گہ حق و باطل میں پوری ہمت و بہادری سے جہاد کیا اور حق کا دفاع کیا، آپ کی شمشیر خارہ شگاف اور تیغ بے نیام نے کشتوں کے پشتے لگا دیے، اہل باطل کا اتنا خون

بہایا کہ گویا وہاں ایک خون کا دریا بہہ گیا جس میں آپ تیرتے ہوئے آئے۔

﴿۴۷﴾

أَثْخَنْتَهُمْ حَقًّا فَلا	يُقْتَصُّ مِنْکَ وَلا تَدِيْ

آپ نے بحق ان کو قتل کیا ہے لہٰذا آپ سے نہ قصاص لیا جائے گا اور نہ آپ خون بہا دیں گے۔

حل لغات: أَثْخَنْتَ: [قَتَلْتَهُمْ قَتْلا كَثِيْرًا] واحد مذکر حاضر ماضی از أَثْخَن خونریزی میں مبالغہ کرنا۔ يُقْتَصُّ: مضارع واحد مذکر غائب از اِقْتَصَّ مِنْ فُلَان بمعنی قصاص لینا۔ وَلَا تَدِي: [نہ خوں بہا دہی] مضارع منفی واحد مذکر حاضر آپ خون بہا نہیں دیں گے۔

تشریح: قصاص کا مطلب ہے جان کے بدلے جان لینا اور خوں بہا (دیت) وہ مال جو مقتول کے وارثین قاتل سے بطور جرمانہ لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ قتال آپ نے ظلم وعدوان کی بنیاد پر نہیں کیا بلکہ یہ تو حق کی خاطر کیا تھا اس لیے اس میں آپ سے نہ قصاص لیا جائے گا اور نہ خوں بہا کا مطالبہ کیا جائے گا۔

﴿۴۸﴾

حَاجَجْتَهُمْ فَحَجَجْتَهُمْ	وَحَجَجْتَ خَيْرَ مَعَابِدٍ

آپ نے ان سے مناظرہ کیا اور دلیل وحجت میں ان پر غالب آ گئے اور آپ نے سب سے افضل وبہتر عبادت گاہ کا حج کیا۔

حل لغات: حَاجَجْتَ: واحد مذکر حاضر ماضی از حَاجَّ بمعنی جھگڑا کرنا۔ حَجَجْتَ: [غلبتهم في الحجة] واحد مذکر حاضر ماضی از حَجَّ حُجَّةً: بمعنی دلیل میں غالب ہونا۔ حَجَجْتَ [مِنَ الْحَج] آپ نے حج کیا۔ مَعَابِد: مَعْبَدٌ کی جمع بمعنی عبادت گاہ، یہاں 'خَيْرَ مَعَابِد' سے خانہ کعبہ مراد ہے۔

﴿۴۹﴾

وَقَصَدْتَ طَيْبَةَ طَيِّبٍ	فَوَرَدْتَ أَعْذَبَ مَوْرِدٍ

اور آپ نے پاکیزہ مدینہ طیبہ کا قصد کیا تو آپ سب سے میٹھے گھاٹ پر وارد ہوئے۔

حل لغات: طَيْبَةُ: مدینہ منورہ کا نام۔ طَيِّبٌ: پاکیزہ، یہاں حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی

مراد ہے۔ وَرَدْتَّ: واحد مذکر حاضر ماضی از وَرَدَ يَرِدُ بمعنی گھاٹ پر پانی پینے کے لیے آنا۔ أَعْذَبُ: [شیریں تر] اسم تفضیل بہت زیادہ میٹھا۔ مَوْرِدٌ: اسم ظرف، گھاٹ۔

تشریح: حضور سیف اللہ المسلول نے پہلی مرتبہ حج اور زیارتِ مدینہ طیبہ کی سعادت سنہ ۵۵-۱۲۵۴ھ میں حاصل کی تھی۔ یہ سفر اس شان سے ہوا کہ آپ بدایوں سے دہلی، اجمیر شریف اور بڑودہ ہوتے ہوئے پیدل بمبئی گئے۔ بمبئی سے پانی کے جہاز سے جدہ پہنچے، وہاں سے مکہ مکرمہ اور مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پورا سفر پیدل ہی طے کیا۔ (دیکھیے اکمل التاریخ: ص ۲۱۷ / تا ۲۲۰)

﴿۵۰﴾

وَشَدَدْتَ رَحْلَکَ نَحْوَهٗ
فَشَهِدْتَ أَطْيَبَ مَشْهَدِ

آپ نے اپنا کجاوہ اس کی جانب باندھا تو آپ سب سے پاکیزہ مشہد (مقام) پر حاضر ہوئے۔

حل لغات: مَشْهَد: اسم ظرف بمعنی لوگوں کے حاضر ہونے کی جگہ۔

تشریح: شدالرحال (کجاوہ باندھنا) ایک محاورہ ہے جس سے سفر کا قصد کرنا مراد ہوتا ہے۔

﴿۵۱﴾

اَلْيَوْمَ كُلُّ مُقَوَّمٍ
بِکَ يَهْتَدِيْ بِکَ يَقْتَدِيْ

آج ہر راہ راست پایا ہوا آپ ہی سے ہدایت پا رہا ہے، آپ ہی کی اقتدا کر رہا ہے۔

حل لغات: مُقَوَّمٌ: [مُسَدَّدٌ] راہ راست کو پہنچا ہوا۔

﴿۵۲﴾

فَحُشِرْتَ مَرْضِيًّا إِلَى
عَدْنٍ كَأَحْسَنِ وَافِدِ

چنانچہ آپ اچھے معزز مہمان کی طرح جنت میں جمع ہوں، اس حال میں کہ آپ ان کے پسند خاطر ہوں۔

حل لغات: عَدْنٌ: [جنت]۔ وَافِدٌ: [مہمان] آنے والا۔

﴿۵۳﴾

وَنَبِيُّکَ الْمُتَفَضِّلُ
أَدْنَاکَ فِيْ ذَالْمَقْعَدِ

اور آپ کے فضل و کرم کرنے والے نبی آپ کو اس مقام میں (اپنا) قرب عطا فرمائیں۔

حل لغات: مُتَفَضِّلُ: اسم فاعل مہربانی کرنے والا۔ أَدْنَاكَ: [قَرَّبَكَ] آپ کو قرب عطا کرے۔ مَقْعَد: بیٹھنے کی جگہ۔

تشریح: المتفضلُ میں لام کے ضمے کو اشباع کے ساتھ المتفضلُو پڑھا جائے گا۔ یہ قطعہ بند شعر ہے، اگلے شعر سے مل کر مفہوم مکمل ہو رہا ہے۔

﴿۵۴﴾

فَإِذَنْ تَشَفَّعْ لِلرِّضَا	عِنْدَ النَّبِيِّ الْأَمْجَدِ

تو پھر بزرگی والے نبی کی بارگاہ میں رضا کے واسطے شفاعت فرمائیں۔

حل لغات: تَشَفَّعْ: فعل امر حاضر معروف، تو شفاعت طلب کر۔

تشریح: گذشتہ شعر سے ملا کر دیکھیں کہ جب فضل و کرم والے نبی محترم ﷺ آپ کو مقام قرب عطا فرمائیں تو آپ وہاں بارگاہ مصطفیٰ ﷺ میں رضا کی بھی شفاعت فرمائیں۔

یہ بھی ایک لطیف نکتہ ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بارگاہ غوثیت مآب محبوب سبحانی میں حضور تاج الفحول محبّ رسول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی قدس سرہٗ کو وسیلہ بنایا، قصیدہ 'چراغ انس' میں فرماتے ہیں:

میرا شافع حضور غوث میں ہو
مدح کا دے صلہ محبّ رسول

اور یہاں بارگاہ رسالت مآب محبوب خدا ﷺ میں حضور سیف اللہ المسلول کو وسیلہ بنا رہے ہیں۔

﴿۵۵﴾

بِاللّٰهِ لَا تَنْسَاهُ إِذْ	هُوَ قَادِرِيٌّ أَحْمَدِيْ

خدا کی قسم اسے (رضا کو) فراموش نہ کیجیے گا کیونکہ وہ بھی قادری احمدی ہے۔

حل لغات: لَا تَنْسَاهُ: [نفی بمعنی نہی]۔

تشریح: یہ بھی گذشتہ مفہوم کا تسلسل ہے۔ یعنی اُس موقع پر آپ مجھے ہرگز فراموش نہ فرمائیں کیوں کہ میرے آپ کے اوپر دو حق ہیں۔ ایک تو یہ کہ مَیں قادری ہوں حضور غوث اعظم کے غلاموں میں شامل ہوں، دوسرے یہ کہ مَیں احمدی ہوں یعنی شمس مارہرہ آل احمد حضور اچھے میاں قدس سرہٗ کے سلسلے سے وابستہ ہوں۔

یہاں 'احمدی' حضور اکرم احمد مجتبیٰ ﷺ کی طرف بھی منسوب مانا جا سکتا ہے، لیکن یہاں اس کو

شمس مارہرہ حضور آل احمد اچھے میاں کی طرف منسوب ماننا زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔ حضور خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ ہمیشہ اپنے نام کے ساتھ ’احمدی‘ لکھتے تھے۔ آپ کی اتباع میں آپ کے بہت سے مریدین وخلفا خود کو ’احمدی‘ لکھتے تھے۔

﴿٥٦﴾

يَا نَفْسُ طَابَ أَوَانُکِ	فَتَشَكَّرِيْ وَتَجَلَّدِيْ

(خود کو مخاطب کر رہے ہیں) اے جان! تیرا زمانہ مبارک و پاکیزہ ہو گیا اب تو شکرگزاری کر اور ثابت قدم رہنے کی کوشش کر۔

حل لغات: أَوَان: [زمانك] **وقت**۔ تَشَكَّرِي: **فعل امر حاضر واحد مؤنث، تو شکر ادا کر۔**

﴿٥٧﴾

أَتَتِ الْمُنَى وَدَنَا الهَنَا	فَلِوَجْهِ رَبِّکِ فَاسْجُدِيْ

آرزوئیں بر آئیں بشارت کا وقت قریب ہو گیا اب تو اپنے رب کی رضا کے لیے سجدہ ریز ہو جا۔

حل لغات: المُنَى: [آرزوہا]۔ دَنَا: [نزدیک شد] **قریب ہو گیا**۔ هَنَا: [**بشارت**] **اصل میں** هَنَاءٌ تھا ہمزے کو تخفیف کی بنا پر حذف کر دیا گیا۔

﴿٥٨﴾

نَبَعَ الْعُبَابُ فَلَا ظَمَا	وَسَخَا السَّحَابُ فَلَا صَدِيْ

پانی کے چشمے پھوٹے اب کسی کی تشنگی باقی نہیں رہے گی، بادلوں نے جود و سخا کی پھر تو کوئی پیاسا نہیں رہے گا۔

حل لغات: نَبَعَ: [فَارَ] **چشمہ پھوٹا**۔ عُبَابٌ: [معظم الماء] **پانی کی لہر، موج**۔ ظَمَا: **اصل میں** ظماء تھا ہمزہ کو تخفیف کی بنا پر حذف کر دیا۔ سَخَا: [**سخاوت کرد**]۔ صَدِيْ: [**تشنہ**]۔

﴿٥٩﴾

وَجَمَا الْجَمَالِ جَلَا الْعَنَا	وَجَلَا الْجَلَالُ السَّرْمَدِيْ

حسن و جمال کے ظہور نے رنج و مشقت کو دور کر دیا اور جلال سرمدی ظاہر ہو گیا۔

حل لغات: جَلَا: [أَزَالَ] دور کر دیا، زائل کر دیا۔ العَنَا: [**رنج ومشقت**]۔ جَلَا: [ظَهَرَ] **واضح**

ہو گیا، ظاہر ہو گیا۔

﴿٦٠﴾

وَجَنَا الْجِنَانِ لِمَنْ جَنَا	فَكُلِيْ وَ طِيْبِيْ وَاحْمَدِيْ

جنتی میوے اس کے ہیں جس نے ان کو چن لیا (تو اے جان) تو کھا اور خوش رہ اور حمد و ثنا بیان کر۔

حل لغات: جَنَا: [میوہ]۔ جَنَا: [چید] ماضی واحد مذکر غائب جَنَا جَنيًّا بمعنی پھل چننا، پھل توڑنا۔ طِيْبِيْ: [خوش باش] فعل امر واحد مؤنث حاضر، اس کا مخاطب شعر ۵۶/ میں واقع لفظ ''نفس'' ہے۔

﴿٦١﴾

وَادْعِيْ قُلُوْبًا لَيِّنَةْ	وَدَعِي الْقَسِيَّ الْجَلْمَدِيْ

نرم دلوں کو بلاؤ اور سخت اور پتھر دل کو چھوڑ دو۔

حل لغات: ادْعِيْ: [بخواں] فعل امر حاضر مؤنث، تو بلا۔ دَعِي: [بگذار] تو چھوڑ دے۔ القَسِيُّ: [سخت] سخت دل، سخت، بے رحم۔ جَلْمَدِي: [سنگین] پتھر دل۔

﴿٦٢﴾

إِذْ أَنَّ هٰذا عُرْسُ مَنْ	بِنَدَاهُ مَزْرَعُنَا نَدِيْ

اس لیے کہ یہ اُس ذات گرامی کا عرس ہے جس کی جود و عطا کی بارش سے ہماری کھیتیاں سرسبز و شاداب ہیں۔

حل لغات: نَدَا: [باران] جود و عطا کی بارش۔ نَدِي: [سیراب]۔

تشریح: شعر ۵۶/ سے جو مضمون شروع ہوا تھا وہ یہاں مکمل ہو رہا ہے۔ یعنی پیچھے جو منظر کشی کی گئی ہے وہ آخر کیوں ہے؟ زمانہ مبارک و پاکیزہ کیوں ہو گیا؟ آرزوئیں کیسے بر آئیں؟ پانی کے چشمے کہاں پھوٹے؟ بادلوں نے جود و سخا کی بارش کہاں کی؟ نرم دلوں کو کہاں بلائیں؟ ان تمام سوالوں کا جواب اِس شعر میں ہے کہ یہ سب حضور سیف اللہ المسلول کے عرس کے موقع پر ہو رہا ہے اور آپ کی شان یہ ہے کہ آپ کی جود و عطا کی بارش سے ہماری کھیتیاں سرسبز و شاداب ہیں۔

﴿٦٣﴾

لا تَبْلُغِيْنَ مَدِيْحَهُ	إِذْ أَنْتِ قَاصِرَةُ الْيَدِ

تو اس (عرس) کی تعریف وتوصیف کو نہیں پہنچے گا اس لیے کہ تو کوتاہ دست ہے۔

تشریح: بطور تواضع وانکساری فرمارہے ہیں کہ تم سے ان کی تعریف وتوصیف کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ پہلے مصرعے میں واقع مَدِیْحَہ کی ضمیر شعر ۶۲ر میں واقع لفظ عرس کی جانب راجع ہے، بین السطور میں فرماتے ہیں 'الضمیر للعرس'۔

﴿٦٤﴾﴿٦٥﴾

لٰكِنْ أَبِيْنِيْ عَامَهُ	وَزَمَانَ رِحْلَةِ سَيِّدِيْ
فِيْ مِصْرَ عَيْنِ كَدُرَّتَيِ	نِ بِنَظْمِ سِلْكٍ مُفْرَدِ

لیکن بیان کر عرس کا سال اور میرے سردار (سیف اللہ المسلول) کے سفر آخرت کے زمانے کو ان دو مصرعوں میں جو نظم کی ایک لڑی میں دو موتیوں کے مثل ہوں۔

حل لغات: أَبِيْنِي: [أظهري] فعل امر بمعنی تو بیان کر۔ عَامَهُ: [سال عرس]۔ رِحْلَةٌ: سفر آخرت۔ زَمَانَ رِحْلَةِ سَيِّدِي: [أي تاريخ وفاة ممدوح]۔ دُرَّتَيْن: دُرَّةٌ کا تثنیہ بمعنی موتی۔ سِلْكٌ: لڑی۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ اے نفس! اگرچہ تو اس عرس کی تعریف وتوصیف کا حق ادا نہیں کرسکتا لیکن تو دو مصرعے ایسے نظم کر کہ ایک میں اِس عرس کا سنہ اور دوسرے میں حضور سیف اللہ المسلول کا سنہ وصال بیان کردے۔ وہ دو مصرعے ان دو خوبصورت موتیوں کی طرح ہوں جو ایک عمدہ لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔

﴿٦٦﴾

فَضْلُ الرَّسُوْلِ مَؤَبَّدُ	يَا فَضْلَ عُرْسِ أَمَاجِدِ

رسول کا فضل وکرم ہمیشہ رہے۔ وائے تعجب! بزرگوں کے عرس کی فضیلت (وبرکت)۔

حل لغات: مُؤَبَّد: ہمیشہ۔ أَمَاجِد: [بزرگاں]۔

تشریح: پہلے مصرع کے اعداد بحساب ابجد ۱۲۸۹ر ہوتے ہیں جو حضور سیف اللہ المسلول کا سال وصال ہے۔ دوسرے مصرع کے اعداد ۱۳۰۰ر ہیں اور یہی اس عرس کا سنہ ہے جس میں یہ قصیدے پیش کیے گئے تھے۔ آپ ذرا زبان پر قدرت اور فن تاریخ گوئی کی مہارت ملاحظہ فرمائیں کہ دونوں مصرعے ایسے برجستہ ہیں کہ بادی النظر میں محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ان میں تاریخ بیان کردی

گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ پہلے مصرع میں اگر سیف اللہ المسلول کا سنہ وصال برآمد کیا گیا ہے تو اس میں آپ کا نام نامی اس خوبی سے آگیا ہے کہ آپ اگر اس کا لفظی معنی (یعنی اللہ کے رسول کا فضل) مراد لیں تب بھی درست ہے اور اگر چاہیں تو ممدوح کا نام نامی مراد لے لیں تب بھی معنی درست رہیں گے۔ اسی طرح دوسرے مصرع میں اگر عرس کا سنہ برآمد کیا گیا ہے تو اس میں بزرگوں کے عرس کی فضیلت کی طرف اشارہ بھی ہوگیا ہے۔ اور اس سب کے باوجود نہ شعر کی روانی وسلاست متأثر ہوتی ہے اور نہ ہی زبان واسلوب بیان پر کوئی حرف آتا ہے۔

﴾٦٧﴿ ﴾٦٨﴿ ﴾٦٩﴿ ﴾٧٠﴿

هٰـذَا وَصَـلَّـى رَبُّـنَـا	بِتَـكَـرُّرٍ وَتَـجَـدُّدِ
دَوْمًـا عَـلَـى مَـنْ يُـوْصَفُ	بِـمُـحَـمَّـدٍ وَ بِـأَحْـمَـدِ
وَالْاٰلِ وَالْأَصْـحَـابِ هُـمْ	مَـأْ وَايَ عِـنْـدَ شَـدَائِـدِ
مَـا غَـرَّ دَ الْـوَرْقَـا عَـلَـى	بَـانٍ كَـخَـيْـرِ مُـغَـرِّدِ

یہاں قصیدہ ختم ہوا تو اے ہمارے رب! درود وسلام کی بارش فرما تکرار وتجدد کے ساتھ، ہمیشہ اس ذات گرامی پر جن کی بہت تعریف کی گئی اور خود وہ بہت حمد کرنے والے ہیں، ان کی آل واصحاب پر جو مصیبتوں کے وقت پناہ گاہ ہیں، (اس وقت تک درود بھیج جب تک) کبوتر (درخت) بان پر نغمہ سرائی کرتا رہے۔

حل لغات: دَوْمًا: [دائماً]۔ غَرَّدَ: [آواز در گلو گرداند]۔ الورقا: [کبوتر]۔ بَان: [شجرۃ عربیہ]

تشریح: شعر نمبر ۱۲ر میں قافیہ أحمدِ آیا تھا، یہاں پھر شعر نمبر ۶۸ر میں یہ قافیہ آگیا ہے، اس کے بارے میں حاشیہ میں فرماتے ہیں:

> أراد المعاني اللغوية فصح قوله يوصف ولم يلزم تكرار القافية
>
> ترجمہ: یہاں (لفظ محمد اور احمد کے) معانی لغویہ مراد لیے گئے ہیں، لہٰذا شاعر کا 'یوصف' کہنا درست ہوگیا اور اس سے قافیے کی تکرار بھی لازم نہیں آئی۔

ہم نے ترجمہ معانی لغویہ کے اعتبار ہی سے کیا ہے۔

☆☆☆

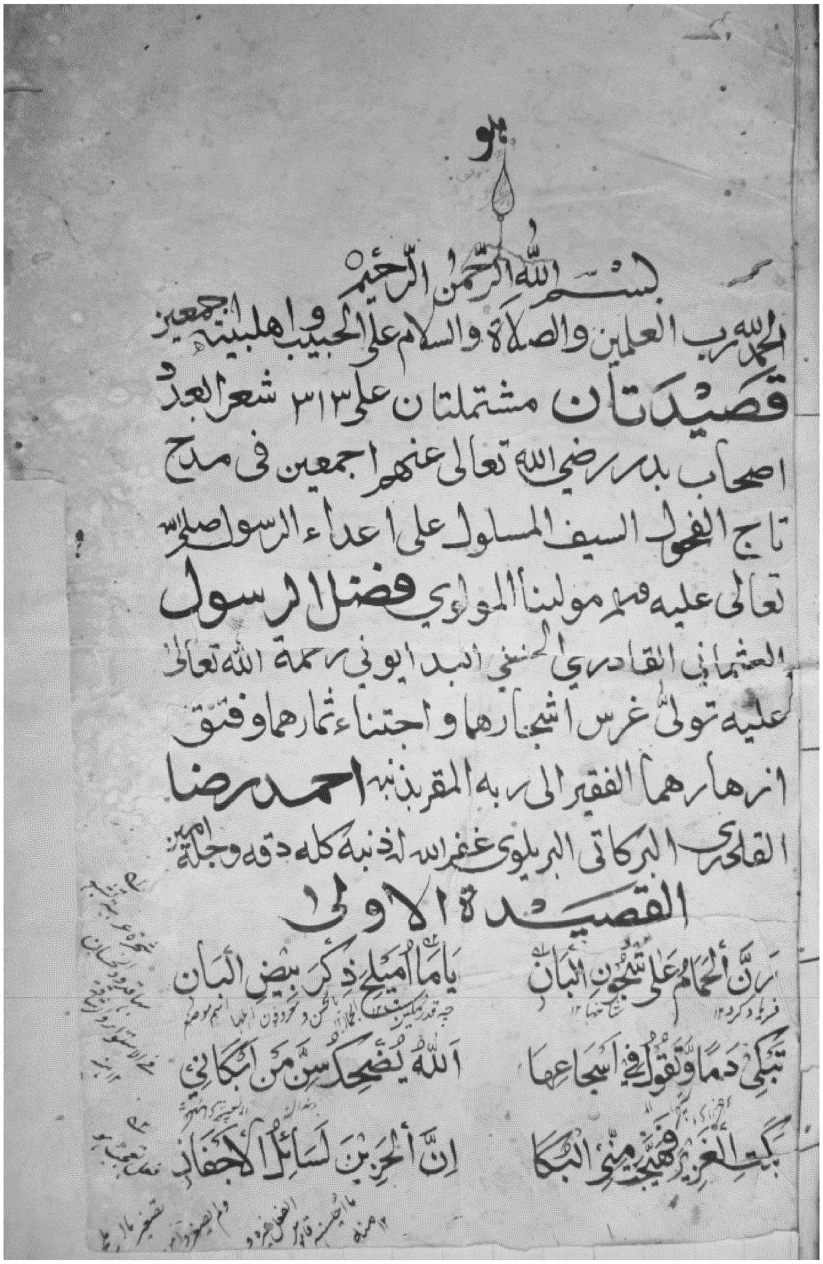

هو

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين والصلاة والسلام على الحبيب واهل بيته اجمعين

قصيدتان مشتملتان على ٣١٣ شعر العدد
اصحاب بدر رضي الله تعالى عنهم اجمعين فی مدح
تاج الفحول السيف المسلول على اعداء الرسول صلى الله
تعالى عليه وسلم مولنا المولوي **فضل الرسول**
العثماني القادري الحنفي البدايوني رحمة الله تعالى
عليه تولى غرس اشجارها واجتناء ثمارها وفتق
ازهارها الفقير الى ربه المقر بذنبه **احمد رضا**
القادري البركاتي البريلوي غفر الله له ذنبه كله دقه وجله امين

القصيدة الاولى

رَنَّ الحمام على شجون البانِ ‏ ‏ يا ما أميلح ذكر بيض البان
تبكي دمًا وتقول في اسجاعها ‏ ‏ الله يُضحك سن من ابكاني
بكت الغزير فهيّج منّي البكا ‏ ‏ انّ الحزين لسائل الاجفان

کتب خانۂ قادریہ بدایوں میں محفوظ مخطوطے کا صفحہ اول

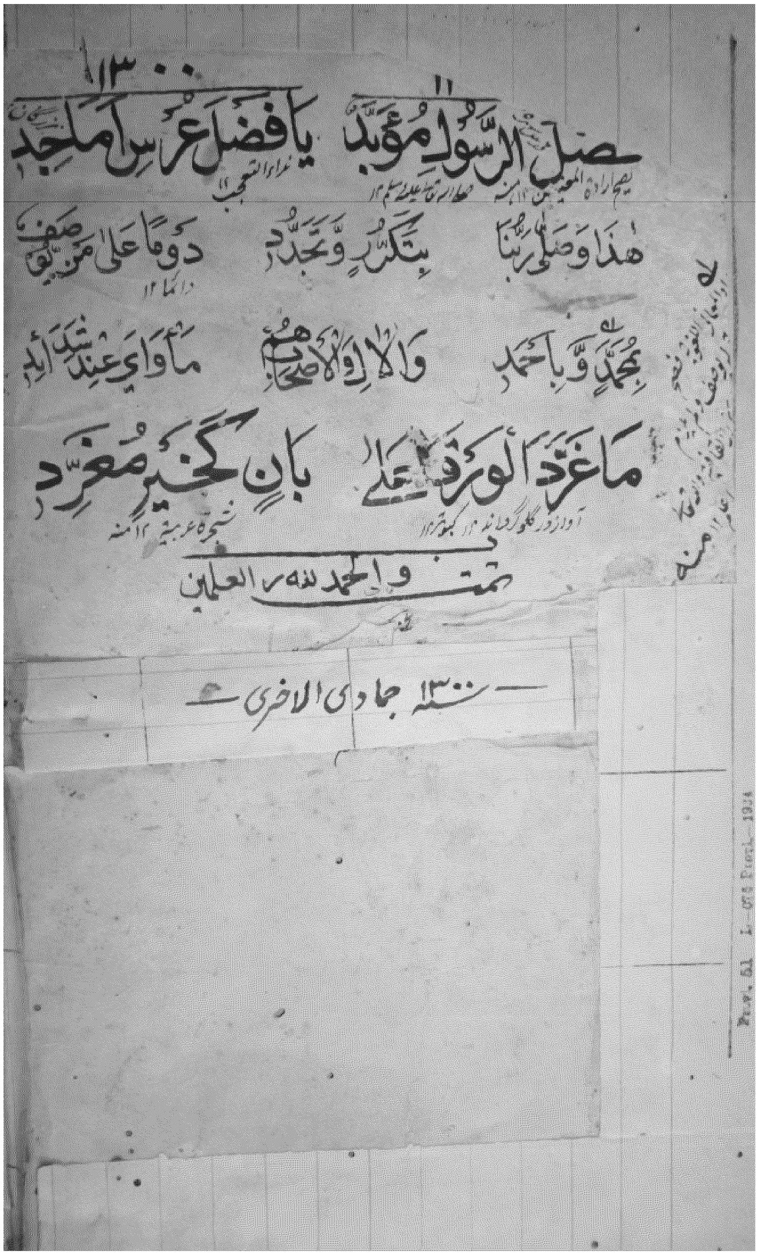

۱۳۰۰

صلی الرسول مؤبدا یا افضل عرب امجد

هذا وصلی ربنا بتکرر وتجدد دوما علی من یوصف

بمحمد وباحمد والآل والاصحاب هم ماوای عند شدائد

ما غرد الورقا علی بان بخیر مغرد

تمت والحمد لله رب العلمین

سنہ ۱۳۰۰ جمادی الاخری

کتب خانۂ قادریہ بدایوں میں محفوظ مخطوطے کا آخری صفحہ

مطبوعات تاج الفحول اکیڈمی بدایوں

۱	**احقاق حق**	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۲	**عقیدۂ شفاعت** (اردو، ہندی، گجراتی)	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۳	**اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ**	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۴	**اکمال فی بحث شد الرحال**	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۵	**فصل الخطاب**	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۶	**حرز معظم**	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۷	**مولود منظوم مع انتخاب نعت ومناقب**	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۸	**شوارق صمدیہ ترجمہ بوارق محمدیہ**	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۹	**تبکیت النجدی**	سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی
۱۰	**شمس الایمان**	مولانا محی الدین قادری بدایونی
۱۱	**تحقیق التراویح**	نورالعارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی
۱۲	**الکلام السدید**	تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
۱۳	**رد روافض**	تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
۱۴	**سنت مصافحہ**	تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
۱۵	**احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام**	تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
۱۶	**تبعید الشیاطین**	حافظ بخاری مولانا شاہ عبدالصمد سہسوانی
۱۷	**مردے سنتے ہیں؟**	مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی
۱۸	**مضامین شہید**	مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی
۱۹	**ملت اسلامیہ کا ماضی حال مستقبل**	مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی
۲۰	**عرس کی شرعی حیثیت**	مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
۲۱	**فلاح دارین** (اردو، ہندی، انگلش)	مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
۲۲	**نگارشات محب احمد**	علامہ محبّ احمد قادری بدایونی
۲۳	**عظمت غوث اعظم**	علامہ محبّ احمد قادری بدایونی
۲۴	**شارحۃ الصدور**	مفتی حبیب الرحمٰن قادری بدایونی
۲۵	**تذکرۂ نوری** (حصہ اول و دوم)	مولانا قاضی غلام شبر قادری بدایونی

۲۶	**احکام قبور**	مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی
۲۷	**اکمل التاریخ** (حصہ اول ودوم)	مولانا یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی
۲۸	**خطبات صدارت**	عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی
۲۹	**مثنوی غوثیہ**	عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی
۳۰	**عقائد اہل سنت** (اردو، ہندی)	مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی
۳۱	**دعوت عمل** (اردو، انگلش، ہندی، مراٹھی، گجراتی)	مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی
۳۲	**فلسفہ عبادات اسلامی**	مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی
۳۳	**مختصر سیرت خیر البشر**	مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی
۳۴	**احوال ومقامات**	مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی
۳۵	**خمیازۂ حیات** (مجموعۂ کلام)	مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی
۳۶	**باقیات ہادی**	مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی
۳۷	**مدینے میں** (مجموعۂ کلام)	حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری بدایونی
۳۸	**احادیث قدسیہ** (اردو، انگلش، گجراتی)	مولانا اسید الحق قادری بدایونی
۳۹	**تذکرۂ ماجد**	مولانا اسید الحق قادری بدایونی
۴۰	**خامہ تلاشی** (تنقیدی مضامین)	مولانا اسید الحق قادری بدایونی
۴۱	**تحقیق وتفہیم** (تحقیقی مضامین)	مولانا اسید الحق قادری بدایونی
۴۲	**عربی محاورات** مع ترجمہ وتعبیرات	مولانا اسید الحق قادری بدایونی
۴۳	**اسلام: ایک تعارف** (ہندی، انگلش، مراٹھی)	مولانا اسید الحق قادری بدایونی
۴۴	خیرآبادی سلسلۂ علم وفضل کے احوال وآثار **خیرآبادیات**	مولانا اسید الحق قادری بدایونی
۴۵	**قرآن کریم کی سائنسی تفسیر**	مولانا اسید الحق قادری بدایونی
۴۶	**مفتی لطف بدایونی:** شخصیت اور شاعری	مولانا اسید الحق قادری بدایونی
۴۷	**حدیث افتراق امت** تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں	مولانا اسید الحق قادری بدایونی
۴۸	**طوالع الانوار** (تذکرۂ فضل رسول)	مولانا انوار الحق عثمانی بدایونی
۴۹	**اسلام میں محبت الٰہی کا تصور**	مولانا دلشاد احمد قادری
۵۰	**تذکرۂ خانوادۂ قادریہ**	مولانا عبدالعلیم قادری مجیدی
۵۱	**قصیدہ بانت سعاد** (ترجمہ وتحقیق)	مولانا عاصم اقبال قادری مجیدی